CALL ۹۱۵۴۳۳
۱۲ ڈ
ACC. No. ۳۸۸۱

AUTHOR

TI ~~[illegible]~~

URDU STACKS

۱۲ ڈ ۹۱۵۴۳۳

Maulana Azad Library
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

URDU STACKS

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over - due.

اردو اخبار ۹۵

سفرنامۂ یمن

ملک عرب کے اس نہایت قدیم خطہ کے

نہایت دلچسپ اور قابل دید حالات

ایک انگریز سیاح کی کتاب سے ترجمہ کئے گئے ہیں

مع بہت سی تصاویر کے

بار اول سنہ ۱۹۰۹ء میں

[illegible] الدین [illegible] طبع ہوا

دیباچہ

اس کتاب کے دیباچہ کے لئے صرف چند الفاظ کافی ہیں۔ کیونکہ ان اوراق میں ایک مرتبہ سے زیادہ باعث تالیف حوالہ قلم ہو چکے ہیں۔

گزشتہ موسم خزاں میں میرے سفر چین کے حالات السٹریٹیڈ لنڈن نیوز میں مسلسل شائع ہوئے تھے۔ اخبار مذکور کے مالکوں کی اجازت سے بعض تصاویر اس کتاب میں داخل کی گئی ہیں۔ بہت سی تصاویر مندرجہ کتاب ہذا اس قسم کی ہیں۔ جو اب تک شائع نہیں ہوئیں۔

ہندوستان چین کا باب بلیک وڈ میگزین بابت فروری گزشتہ میں چھپا تھا۔

بقیہ تمام کتاب بالکل نئے مضامین سے مملو ہے۔

میں یہاں ان لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش بھی کروں گا جن سے دوران سفر چین میں مجھے اعانت ملی۔ اور جن کی مدد کے بغیر غالباً میرا سفر ناکام رہتا۔ میں ان کا نہایت ہی مشکور ہوں۔

ڈبلیو۔ جی۔ اے۔

پہلا حصہ

یمن کے عام حالات

سفرنامہ یمن

باب اول

یمن

یمن عرب کا جنوب مغربی گوشہ ہے۔ اس کے اندرونی جغرافیائی حالات اس قدر کم معلوم ہیں حتیٰ کہ یہاں کے باشندے بھی اپنے ملک کے حدود قرار دینے میں اس قدر مختلف ہیں کہ اس بارہ میں کسی بیان کی صحت جس کا دعویٰ کرنا ناممکن ہے۔ تقریباً یہی تمام مشرقی ممالک کے حدود کی کیفیت ہے۔ باستثنا ان کے جہاں یورپین مثال کی پیروی سے حد بندی کا صاف واضح خط کھینچ دیا گیا ہے۔ بطور قاعدہ کے حدود ممالک کا انحصار بجائے سرزمین کی قدرتی خصوصیت و خط و خال زیادہ تر قومی حالت و وراثت پر ہوتا رہا ہے۔ بہت ہی صورتوں میں یورپین سلطنتوں کو بھی مشرقی طاقتوں سے سرحد کا تصفیہ کرنے میں انہی اصولوں پر کاربند ہونا پڑا ہے۔ چنانچہ یہ امر الجیریا و مراکو کی جنوبی حصص سرحد میں بخوبی نمایاں ہے جہاں حدود کا کسی مکمل خط سے تصفیہ نہیں کیا گیا۔ بعض قومیں خواہ وہ فرانس یا مراکو کے علاقہ میں رہتی ہوں۔ دونوں میں سے اس گورنمنٹ سے تعلق رکھتی ہیں۔ جس

اتحت ان کا نام درج ہو چکا ہے ۔

پس اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ صوبہ یمن کی نسبت قطعی طور پر بیان کرنا کس قدر مشکل ہے۔ کہ وہ کہاں سے شروع اور کہاں ختم ہوتا ہے اس کے دو حدود کے تصفیہ کا کام آسان ہے۔ مغرب کی سمت بحر احمر اور جنوب میں بحر ہند کا وہ حصہ ہے جو خلیج عدن کہلاتا ہے۔ شمال و مشرق کی سمتوں میں حدود میں سخت مشکلات واقع ہوتی ہیں۔ پس ہم مجبور ہیں کہ جغرافیہ کی ناواقفیت کی وجہ سے قطعی فیصلہ کرنے کی بجائے ایسے حدود قرار دیں جو سرسری طور پر درست ہوں ۔

پس یہ بیان کیا جا سکتا ہے کہ صوبہ یمن مشرق و شمال میں علی الترتیب اقوام حضر موت و اشیر سے محدود ہے بعض مصنفین موخر الذکر کو بھی صوبہ یمن میں داخل کر کے یمن کی شمالی سرحد صوبہ حجاز کی جنوبی حد سے جا ملاتے ہیں۔ مسلمانوں کے مقدس شہر مکہ و مدینہ اس صوبہ حجاز میں واقع ہیں۔ جہاں تک راقم کو تحقیق و تدقیق کا موقعہ ملا ہے۔ اس کی رو سے کہا جا سکتا ہے کہ خود باشندوں کے بیان کے مطابق اشیر جداگانہ ضلع ہے۔ اگرچہ اشیر کے لوگ اہل یمن سے قرابت قریبہ رکھتے ہیں۔ در اصل یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ عرب کا موجودہ حصص جو نقشہ میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ تقریباً وہی ہیں۔ جو یونانیوں اور رومیوں نے قرار دئے تھے۔ عربیہ فیلکس۔ پیٹریہ۔ ڈیزرٹا۔ صوبہ یمن کی زیادہ سے زیادہ وسعت کو بیان کیجئے تو تمام ملک [illegible] درجہ سے [illegible] درجہ [illegible] اور زیادہ سے [illegible] درجہ شمالی [illegible]

اگرچہ کوئی قدرتی [illegible] ہو سکتی ہے ہم ان [illegible] کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ تقسیم کو ایسی واضح [illegible] ایسا کہ وہ برابر تقسیم کی جا سکی [illegible] اور اس میں قدرتی تغیر واقع

میں ہوا اس کی کیفیت بیان کرنے سے پہلے ملک کی عام حالت کی نسبت چند الفاظ کہنا غیر موزوں نہ ہوگا۔ اندرونی ملک وسیع سلسلہ کوہ وسطح مرتفع پر مشتمل ہے۔ جن میں سے بعض سطح سمندر سے آٹھ ہزار فیٹ سے زیادہ بلند ہیں مغربی وجنوبی دونوں سمتوں کے وہ خشک قطعات جو دور تک سمندر میں چلے گئے ہیں۔ پست ریگستانوں اور میدانوں سے مرکب ہے۔ جن کا عرض باختلاف تیس سے تقریباً سو میل تک ہے۔ صرف ایک استثنے جہاں کوہی سلسلہ ساحل بحر تک پہونچتا ہے۔ وہ سیدی شیخ کا مقام ہے۔ یہ بحر احمر کے جنوب مغربی گوشہ میں واقع ہے۔ اور جزیرہ پیرم کے بالمقابل چند میل عرض کا ایک قطعہ اراضی ہے۔ ایک تنگ رودبار اسے جزیرہ مذکور سے جدا کرتی ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ چند سال پہلے یہ افواہ اڑی تھی۔ کہ فرانس نے یہ کارآمد قطعہ اراضی سلطنت عثمانیہ سے خرید لیا ہے۔

ان بحری میدانوں سے محفوظ طور پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کم سے کم ان ریگستانوں کے بہت بڑے حصہ میں کسی زمانہ میں سمندر جاری تھا۔ پانی نے اس تدریج سے راستہ بدلا۔ اور خشک ہوتا گیا۔ کہ عہد قدیم کی ایک سے زیادہ بندرگاہیں اب اندرون ملک میں واقع ہیں۔ اس کی تمثیل کے طور پر مسٹر ایل سے پلے فیر اپنی مقدمہ تاریخ یمن میں قصبہ موسیٰ کا حال لکھتے ہیں۔ جو ایک زمانہ میں آباد بندرگاہ تھا۔ اور اب سمندر سے بیس میل کے فاصلہ پر اندرون ملک میں واقع ہے۔ ساحل سے دور و دراز قطعات کے بہت سے مقامات میں سیپیاں اور مونگوں کے ٹکڑے پائے جاتے ہیں۔ یہی کیفیت عدن کی نسبت بھی خیال کی جا سکتی ہے۔ جو بلاشبہ کسی زمانہ میں جزیرہ تھا۔ لیکن اب ایک پست خاکنائے کے ذریعہ سے برّ اعظم سے ملحق ہوگیا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک بحری چٹان کے اوپر کے ریتلے پانی کے خشک ہو جانے سے برّ اعظم سے تعلق پیدا ہوگیا۔

یمن کے یہ میدان تہامہ کے نام سے موسوم ہیں۔ جو اکثر خشک سالیوں کا ہدف رہتا ہے۔ اور یہاں بہت کم بارش ہوتی ہے۔ نخلستانوں کے سوا جس پانی پر یہ ضلع فخر کر سکتا ہے۔ وہ کوہستانی چشمے ہیں۔ جو سطح مرتفع سے نشیبی میدانوں میں بہتے ہیں۔ اور سمندر تک پہونچنے سے پہلے ریگستانوں میں تمام و کمال خشک ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ خشک ترین موسم میں بھی دریا کے بہنے کے خشک شدہ مقامات میں کوئیں کھودنے سے پانی نکل آتا ہے۔ لیکن یہ پانی بدوؤں اور ان کے مویشیوں کو زندہ رکھنے کے لئے ہی بمشکل کافی ہو سکتا ہے زراعت کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ باشندوں کی خوش قسمتی سے ان ریگستانوں میں جا بجا بہت سے نخلستان ہیں۔ جہاں فصل کاٹنے کی کسی قدر توقع ہے۔ اجناس بوئے جا سکتے ہیں۔ چند زرخیز قطعات سے قطع نظر زمین کی ادنیٰ خاصیت کے باعث یہاں زراعت کوئی مفید شغل نہیں۔ یہ میدان اونٹوں کی نسل کشی و چراگاہ کے کام آتے ہیں۔ چنانچہ شمال و شمال مشرق عدن میں ابدالی اور فضلی علاقہ جات کے اونٹ تیز رفتاری و باربرداری کے لئے مشہور ہیں۔

کوہستان کا منظر بالکل اس کے برعکس ہے۔ تہامہ میں بڑے بڑے سلسلہ کوہ سطح سمندر سے ۴ سے ۱۵ ہزار فیٹ تک بلند ہیں۔ ان سلسلوں کا رخ عموماً جنوب مشرق کی طرف ہے۔ جو وسیع، زرخیز اور سطح وادیاں رکھتے ہیں۔ عرب کے اس حصہ کی دلچسپی کو سرسبزی و شادابی و زرعی دولت ایک سے دہ چند کئے دیتی ہے یمن کا یہ زرخیز حصہ عہد قدیم میں بھی محسود روزگار تھا۔ جہاں قہوہ پیدا ہوتا ہے نیز نیل اور دیگر رنگ دینے والی اشیاء کی کاشت کی جاتی ہے۔ ان سب پر طرہ یہ کہ آب و ہوا ایسی لطیف ہے کہ ہر قسم کے یورپین نباتات اور میوہ دار درخت یہاں اگ سکتے ہیں۔ کوہستانی علاقہ کی وجہ سے سیڑھیوں کی طرح کیاریاں بنا کر کاشت تیار کی جاتی ہیں۔ ان کیاریوں کے بنانے میں محنت شاقہ اور بہت سا وقت صرف ہوتا ہے۔ اسکے متعلق آئندہ کچھ کہنے کا موقعہ ملیگا۔

جب کہ توقع کی جا سکتی ہے۔ کوہستانی اور میدانی علاقوں کی آب و ہوا میں بہت فرق ہے۔ جب کہ عدن اور اس کے گرد و نواح میں سالانہ اوسط حرارت ۸۵ درجہ ہے۔ تو صنعا دار الحکومت یمن میں پارہ سایہ میں ۶۱ یا ۶۲ درجہ پر ہی ہے۔ جہاں دیگر مرتفع ممالک کی طرح موسم سرما میں بکثرت کہر پڑا کرتا ہے۔ مرتفع و نشیبی مقامات میں صرف حرارت ہی کا فرق نہیں۔ بلکہ عدن میں بارش بالکل غیر یقینی ہے۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ نہیں ہوتی۔ (چنانچہ سنہ ۱۸۷۱ء میں عدن میں صرف ½ انچ بارش ہوئی تھی۔) بخلاف اس کے کوہستانی علاقہ میں باقاعدہ دو برساتیں بہار و خزاں میں ہوا کرتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان موسموں میں مینہ تقریباً ہر روز برسا کرتا ہے۔ لیکن تھوڑی تھوڑی دیر تک بارش ہوتی ہے۔ اور سورج کی چمکدار شعاعیں اس کا سلسلہ توڑتی رہتی ہیں۔ کوہستان یمن کے منظر سے زیادہ خوبصورت کوئی نظارہ نہیں ہو سکتا۔ گوناگوں اقسام کی چوٹیاں، ڈھلوان کراڑے اتار (متصل منطقہ) میں قہوہ کی زراعت سبزی میں ایک قسم کی وحشت پیدا کرتے ہیں۔ جو دوسری حالت میں نہایت پُر امن سین پیش کرتا ہے۔ سرسبز وادیاں۔ جہاں جا بجا لکڑی اترا [illegible] چاندی سی شفاف ندیاں ان میں تانے بانے کی طرح جاری ہیں۔ پانی رقص کناں ادھر سے ادھر بہتا ہے۔ سیڑھی نما فصل سے لہلہاتے ہوئے کوہی گلستان کہیں کہیں سر بفلک درختوں کی شان و شوکت غرضیکہ یہ تمام باتیں اس قدر سحر انگیز ہیں کہ آنکھوں میں سرسبزی چھوتی ہے۔ چونکہ اس قطعہ کی زرخیزی [illegible] نیز اس کی وسعت [illegible] کہ سکندر اعظم نے ہندوستان فتح کرنے کے [illegible] ارادہ کیا ہو۔ اگر اجل مہلت دیتی تو وہ ضرور اسے اپنا تخت گاہ بناتا۔

مندرجہ بالا مختصر کیفیت سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا ہوگا۔ کہ یمن دو متضاد اقسام کی سرزمین پر مشتمل ہے۔ جن کی آب و ہوا بھی باہم مختلف ہے۔ ایک [illegible]

میدان ہے۔ جہاں بہت کم بارش ہوتی ہے۔ تو دوسرا حصہ زرخیز و زرریز کوہستانوں کا ہے۔ جس میں گوناگوں رنگ دار اشیاء۔ خوشبودار گوند قہوہ اور دیگر مختلف اقسام کے قیمتی اجناس پیدا ہوتے ہیں۔

یمن گویا میدانوں اور کوہستانوں کا ملک ہے۔ سرسبز و شاداب ہونے کے علاوہ صحت بخش آب و ہوا رکھنے کی وجہ سے دُنیا کے کسی حصہ سے اسکا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ عام طور پر ان دونوں اضلاع کے اختلاف کے اظہار کے بعد اب میں کسی قدر زیادہ وضاحت سے ان میں سے ہر ایک کی کیفیت حوالہ قلم کرتا ہوں۔

پہلے ہم تہامہ سے شروع کرتے ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ ایسے میدانوں پر مشتمل ہے۔ جو تیس سے سو میل تک عریض ہیں اور مغرب و جنوب کی سمت سے کوہستان کو سمندر سے جدا کرتے ہیں۔ تمیز کے لئے میں ان کو شمالی و جنوبی تہامہ سے موسوم کرونگا۔ اوّل الذکر میں پانچ قابل ذکر بڑے شہر ہیں جو یا تو ساحل بحر احمر پر واقع ہیں۔ یا اس ضلع میں آباد ہیں۔ جو انہیں کوہستان سے جدا کرتا ہے۔ لوحیہ تقریباً مملکت اشیر میں واقع ہے۔ یہ چھوٹا سا ساحلی قصبہ ہے۔ جس پر میں بغاوت یمن کے باب میں بحث کرونگا۔ جنوب کی طرف جاتے ہوئے دوسرا ساحلی قصبہ حدیدہ ہے۔ جو اب اس حصہ یمن کا دارالحکومت ہے۔ مزید جنوب کی طرف مخا ہے۔ چونکہ حدیدہ کے بخار زدہ شہر میں ایک ہفتہ بسر کرنا میری قسمت میں لکھا تھا۔ لہٰذا اس کے متعلق ریمارک میں کسی آئندہ موقعہ پر ملتوی کرتا ہوں۔ مینے مخا کو صرف دور سے دریا سے دیکھا ہے۔ وہاں اترنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ میں اسکے عینی حالات بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ پس مخا کی تاریخ و قدرے قلیل کیفیت اسی جگہ سے بیان کر دینا بیجا نہ ہوگا۔

یقیناً عدن کے استثنائے مخا سے زیادہ یمن کے اور کسی شہر سے انگریز آشنا نہ ہونگے۔ کیونکہ عرصہ دراز تک حصول قہوہ کا یہ بندرگاہ رہا ہے۔ حالانکہ لوگوں کو

عام طور پر معلوم نہیں کہ مخہ کے مضافات میں قہوہ پیدا نہیں ہوتا ہے بلکہ دور دراز کوہستانوں سے بیرونجات میں بھیجنے کے لئے مخہ لایا جاتا تھا۔ مخہ نے جیسی ناموری حاصل کی تھی۔ اسی طرح جلد اس کی شہرت زائل بھی ہو گئی۔ انگریزوں و پرتگیزوں کے بحر احمر میں پہونچنے سے پہلے مخہ کا کوئی وجود نہ تھا۔ یمن کے اس حصہ ملک کی تجارت کے منافذ ادکیلس اور موزا سے تھے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں مخہ جہازوں کی آمد و رفت کی جگہ قرار پایا۔ بجائے کسی ذاتی وصف کے اس شہر نے محض قہوہ کی تجارت کی بدولت ناموری پیدا کی تھی۔ سترھویں صدی کے آغاز میں انگریزوں اور ہالینڈ والوں نے وہاں تجارتی کوٹھیاں قائم کیں۔ اس وقت سے آئندہ دو سال تک یہ دولت و شہرت میں ترقی کرتا گیا۔ وان ڈن بروک سنہ ۱۶۱۶ء میں اس شہر کے متعلق لکھتا ہے کہ تجارت نے وہ فروغ پایا ہے کہ ہنگری و ونیس کا سامان تجارت یہاں کے بازاروں میں پایا جاتا ہے۔ جہاں سے ان اشیا کو اہل کاروان شام عرب میں وہاں کی پیداوار کے تبادلہ کے لئے لے جاتے ہیں مزید براں وہ اس شہر کو نہایت بارونق و آباد ظاہر کرتا ہے۔ جس کے دیواروں زمین ہر قوم و فرقہ کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو اس کی شہرت و ناموری کو سنکر وہاں پہونچ گئے ہیں۔

انگریزی و ڈچ کوٹھیاں قائم ہونے کے چند سال بعد فرانس والوں نے بھی ان کی مثال کی تقلید کی۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں قبضہ عدن پر بندرگاہ عدن کی قوت اور مال و جان کی حفاظت و خوش نظمی نے مخہ کی تجارت کا رخ عدن کی طرف پھیر دیا۔ اور اول الذکر مشہور شہر پردہ گمنامی میں چھپ گیا۔ اس زمانہ سے پیشتر انگریزی رعایا پر مخہ میں بہت سے مظالم ہوتے تھے۔ انیسویں صدی کے ابتدائی چند سالوں میں حبشی باشندوں و عیسائیوں میں متواتر کشیدگیاں واقع ہوتی رہیں جب حالات سخت ناقابل برداشت ہو گئے۔ تو انگریزوں کو بھی جنگی کارروائی اختیار کرنے کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ [illegible]

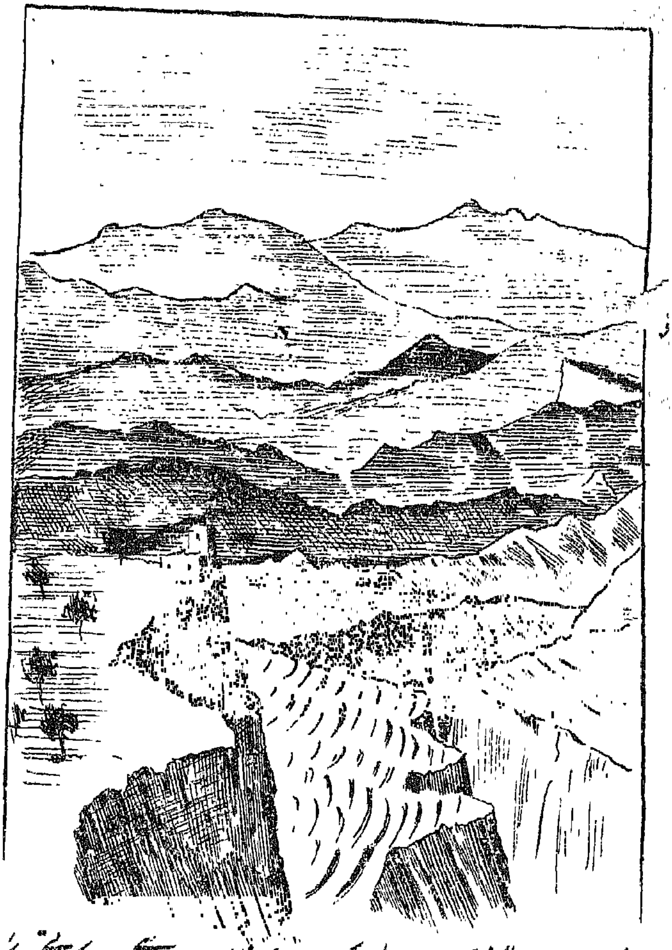

تصویر (۲) سوق الخمیس کے قریب سلسلہ کوہستان کا نظارہ (صنعا جدیدہ کو جاتے ہوئے)

سے معاہدہ کرنے گئے تھے۔ اور کمٹن لوملی نے مخہ پر گولہ باری کی۔ اور شہر میں داخل ہوگئے۔ اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا۔ انگریزی کوٹھی معزز سمجھی جائے گی۔ اور گورنمنٹ یمن سے تجارتی معاہدہ ہوگیا۔ اگرچہ مصنف مخہ میں نہیں اترا۔ تاہم جس جہاز میں حدیدہ سے عدن جارہا تھا۔ اسکا کپتان جہاز کو جہانتک ممکن تھا مخہ کے قریب لے گیا۔ شیشوں کے ذریعہ سے شہر کا بخوبی نظارہ دیکھا گیا۔ دور سے یہ اب بھی آباد نظر آتا ہے۔ لیکن قریب پہنچنے پہ معلوم ہوا ہے کہ اگرچہ دیواریں استادہ ہیں۔ مگر اکثر چھتیں گر گئی ہیں۔ مخہ آجکل صرف بربادی کا تودہ نظر آتا ہے۔ بلند مینار اب تک اس کی گذشتہ عظمت و شان کی یاد دلا رہے ہیں۔ اسکی مختلف النوع آبادی میں سے اب مٹھی بھر ترکی سپاہی اور چند بدو باقی رہ گئے ہیں۔ جن بازاروں میں زرق برق کے کپڑے پہنے ہوئے سوداگر دکھائی دیتے تھے۔ وہاں اب بھیڑ بکریاں سخت گھاس چرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

چونکہ لوہایہ اور حدیدہ کا اس کتاب میں کسی اور جگہ خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے مغربی ساحل کے بندرگاہوں کی نسبت کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جزائر کامران و پیرم کا کچھ حال لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو بحر احمر کے مشرقی کنارے کے بہت سے جزائر میں سے دو اہم جزیرے ہیں۔ اور حجاج کی آمد و رفت جدہ کے متعلق بطور قرنطینہ کے کام آتا ہے۔ یہ شمالی ۱۵ درجہ ۲۰ دقیقہ طول بلد اور مشرقی ۴۲ درجہ ۳۰ دقیقہ عرض بلد میں واقع ہے۔ ۱۰ میل طویل اور دو سے چار میل تک باختلاف عریض ہے۔ بعض حصص میں محض دلدل ہے دیگر قطعات کے پست پہاڑوں پر کھجور کے درخت اُگے ہوئے ہیں۔ لیکن باشندے سب کے سب موتی نکالنے اور کچھوے پکڑنے میں مصروف رہتے ہیں۔

دوسرا جزیرہ جس کا مقام کے ذیل میں ذکر کیا جاسکتا ہے۔ پیرم ہے یہ سٹریٹ باب المندب میں کچھ عرب سے ڈیڑھ اور ساحل افریقہ سے تقریباً دس میل کی مسافت پر واقع ہے۔ سیاہ آتش فشاں چٹان اور ریتلے میدان یہاں کی خصوصیت

یت سے محبت رکھنے والے چند پھول بھی کھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جزیرہ
بلند ترین حصہ سطح سمندر سے دو تین سو فیٹ کے مابین اونچا ہے۔ پیرم کا
یم الشان بندرگاہ اس کے بنجر اور بھیانک شکل و صورت کا کافی معاوضہ ہے
یل طویل و نصف میل عریض ہے۔ یہاں وسطاً پانچ فیدم عمیق ہونے کی
سے لنگرگاہ ہے۔ ۱۷۹۹ء میں جب فرانس نے مصر پر یورش کی۔ تو انگریزی
رمی سپاہ امیر البحر بلنکٹ کی ماتحتی میں بحر احمر کو روانہ ہوئی۔ گورنمنٹ انگلستان
ے اتفاق سے گورنمنٹ بمبئی نے بھی ایک لشکر بھیجا۔ جسنے ایسٹ انڈیا کمپنی کے
سے پیرم پر قبضہ کرلیا۔ چونکہ تازہ پانی پینے کے لئے بہم نہیں پہونچتا تھا۔
سلئے یہاں کی فوجی چھاؤنی دوسرے سال توڑ دیگئی۔ اب کوئلہ کمپنی کے
ئم ہونے کی وجہ سے نہ صرف یہاں دفاتر ہی کھل گئے ہیں۔ بلکہ ایک
ٹل بھی قایم ہے۔ اور امید ہے کہ بہت جلد یہ ایک بارونق کوئلہ کا سٹیشن
ن جائیگا۔ پانی یہاں منجمد کرکے بھیجا جاتا ہے۔ چند گورہ سپاہی مستقل طور سے
ہتے ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً عدن سے بھیجے جاتے ہیں۔ نیز یہ مقام عدن اور حدیدہ
ے بذریعہ تار پیوستہ ہے ۔

دو بڑے شہر تہامہ کے اندرونی حصے میں واقع ہیں۔ ان کا نام زبید و
ت الفقیہ ہے۔ اوّل الذکر ازمنہ وسطی میں یمن کی تاریخ میں نمایاں حصہ لے
تا ہے۔ کیونکہ یہ نہ صرف علوم و فنون کا مرکز تھا۔ بلکہ تمام خانہ جنگیوں اور مذہبی
ہنگاموں کا منبع بھی یہی ثابت ہوتا رہا ہے۔ جو وقتاً فوقتاً یمن کی بنیاد تک ہلا دیتے
تھے۔ ترکی حملہ سے پیشتر یہ گورنمنٹ کا صدر مقام تھا۔ گو اب حدیدہ نے دار الحکومت
ہونے کا اعزاز اس سے چھین لیا ہے ۔

ابن زیاد نے سنہ ۲۰۴ھ میں تہامہ فتح کرکے اس شہر کی بنیاد ڈالی تھی۔ شہر
یدہ کی کیفیت عمیرہ کے سوا اور بھی بہت سے دیسی مورخین نے قلمبند کی ہے
ر یہ سب اس کی عظمت و شان و پولیٹیکل وقعت کے قائل ہیں۔ الکراجی رقمطراز

ہے کہ یہ شہر مدور صورت کا ہے۔ اور اس کے متصل بہ سمت جنوب دریائے زبید رواں ہے۔ اور بجانب شمال وادی رمیہ ہے۔ یہ دونوں باتیں اس کی زرخیزی اور پانی کے افراط پر دلالت کرتی ہیں۔ مزید براں واقعہ ہے کہ یہ شہر کوہستان اور سمندر کے عین وسط میں واقع ہے۔ اور دونوں طرف یکساں ساخت ہے۔ یہاں سے کوہستان خواہ لب ساحل پہونچنے میں نصف دن کی مسافت طے کرنی پڑتی ہے۔

بیت الفقیہ کے متعلق زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آجکل یہ چنداں وسیع شہر نہیں ہے۔ تہامہ کے دیگر شہروں کی طرح یہاں کے مکانات بھی دھوپ میں خشک کی ہوئی کچی اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں۔ بیت الفقیہ کے نام سے اس کے مشہور ہونے کی یہ وجہ ہے کہ یہاں ایک مقدس بزرگ سید احمد بن موسیٰ کا مزار ہے۔ جس کی زیارت کے لیے دور دراز سے لوگ آتے ہیں۔ شہر تجارتی یا پولیٹکل حیثیت سے کسی قسم کی دلچسپی نہیں رکھتا۔

یمن کا دوسرا حصہ جس کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ وہ میدان ہیں جو باب المندب سے شروع ہو کر ساٹھ میل تک عدن کے مشرق میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ میدان تہامہ میں داخل ہیں۔ لیکن خاص تمیز کے لئے ان کو جنوبی تہامہ کے نام سے موسوم کرنا مناسب ہوگا۔ مغربی تہامہ کی طرح یہ کوہستان کو سمندر سے جدا کرتے ہیں۔ بہت سی صورتوں میں یہ دونوں ریگستانی حصے باہم مشابہت رکھتے ہیں۔ جنوبی تہامہ پچاس سے ایک سو میل تک عریض اور وحشی اقوام سے آباد ہے۔ جنہیں مندرجہ ذیل قبائل خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جیسے۔ ابدالی اور فضلی۔ اوّل الذکر قبیلہ خانہ بدوش ہے۔ حوطہ کے سوا ان میدان کوئی بڑا شہر نہیں رکھتے۔ جو قوم ابدالی کے سردار الملقب بہ سلطان لاہج کا دار الحکومت اور عدن طائف کے شمال مغرب میں ۲۷ میل کی مسافت پر واقع ہے۔ طائف سطح مرتفع کوہ پر آباد ہونے کی وجہ سے بمشکل تہامہ سے

متعلق کہا جا سکتا ہے۔ ابن خلدون یمن کے جغرافیہ میں طائف کو ایک بہت
بڑا شہر ظاہر کرتا ہے۔ جو مقامہ سے دکھائی دیتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ یہ مقام
ہمیشہ شاہوں کا دار الخلافہ رہا ہے۔ چونکہ راقم نے اس شہر کو نہیں دیکھا۔ اس
لئے صرف اس کی تازہ تاریخ کے متعلق چند واقعات کے اظہار پر اکتفا کرتا
ہے۔ فرمانروا خاندان کے اراکین کے باہمی رشک و حسد کی وجہ سے سید قاسم
نامی ایک شخص نے جو اس وقت کے حکمران امام علی منصور کا چچا تھا۔ دغابازی
سے یہ مقام سنہ ۱۸۳۷ء پہ مصریوں کے ہیں۔ فروخت کر دیا تھا۔ نامور محمد علی
پاشا کا سپہ سالار ابراہیم پاشا بلا مزاحمت اس پر متصرف ہو کر سنہ ۱۸۴۰ء تک قابض
رہا۔ جبکہ ایک مذہبی دیوانہ مہدی الفقیہ سعید نامی اس پر مسلط ہو گیا۔ لیکن
تھوڑے ہی دنوں کے بعد سنہ ۱۸۴۱ء میں امام سید محمد الہادی نے طائف اس
سے چھین لیا۔ یمن کی گذشتہ بغاوت میں یہ عربوں کے قبضہ میں آ گیا جس سے
پہلے ترک اس پر متصرف تھے۔ اور اب غالباً یہ پھر ترکوں کے ہاتھ آ گیا ہے۔

یمن کے ان معدودے چند میدانی اضلاع پر ریمارک کرنے کے بعد اب
کوہی اضلاع کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ جن مقامات مثلاً یریم، دھمار اور
صنعا میں راقم کو جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان کی کیفیت سفرنامہ کے ذیل میں
بیان کی گئی ہے۔ تاہم ان کے سوا اور بھی بعض مقامات ایسے ہیں۔ جن پر اس
موقعہ پر نوٹس لینے سے باز نہیں رہا جا سکتا۔ گو یہ سطح مرتفع پر واقع نہیں تاہم
بوجہ تقسیم یمن کے اس حصہ میں داخل ہیں۔ ان سب میں زیادہ مشہور شہر
اِب اور جبلاہ ہیں۔ ان دونوں سے کوہی قلعے کسی قدر قدامت رکھتے ہیں۔ اور
ملک کی تاریخ پر کچھ کم اثر نہیں ڈالتے بقول نیبر۔ اِب اس بڑی شاہراہ حجاج
پر واقع ہے۔ جو حسین ابن سلامہ نے بنوائی تھی۔ یہ غلامی سے درجہ وزارت پر فائز
ہوا تھا۔ [illegible] مذکور حضر موت (مشرق عدن) سے مکہ تک سنہ ۴۲۷ھ میں تیار ہوئی
تھی۔ عدن سے جدا ہونے کے بعد شاہراہ مذکور دو حصوں پر تقسیم ہو گئی ہے۔

ایک اِب و کوہستان کو جاتی ہے۔ جو بمقام کارئیات النگیل راقم کے راستے سے ملاتی ہوئی دوسری تھامہ کو جاتی ہے۔ جو سڑک اِب کی جانب نکالی گئی ہے صنعا سے گذر کر براہ سدرہ و طائف مقدس شہر مکہ کو جاتی ہے۔

جبلاہ یا ذوالجبلاہ (جیسا کہ یہ پہلے زمانہ میں پکارا جاتا تھا) کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ ایک یہودی جبلاہ نامی کے آدھ پہ بسایا گیا تھا۔ یہ اِب کے جنوب مغرب میں دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ابن خلدون نے اس مقام کا مختصر حال تحریر کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک قلعہ ہے۔ خاندان کے فرمانروا عبداللہ نے ۴۵۸ھ میں اسے تعمیر کروایا تھا۔ طائف کی طرح یہ بھی شاہی سکونت کی جگہ تھی۔

کوہستانی ضلع کے دیگر شہر چونکہ خاص طور سے دارالحکومت صنعا کے شمال میں واقع ہیں۔ جدھر راقم کو جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس لئے ان کی کیفیت حوالہ قلم نہ ہوگی۔

گو یہ نوٹ سرسری ہیں۔ تاہم میں امید کرتا ہوں کہ ان سے نقشہ کے سمجھنے میں مدد ملیگی۔ شہروں کے پرانے ناموں اور مواقع کے تعین کا کام نہ صرف نہایت مشکل ہے بلکہ اس کتاب کے مناسب حال بھی نہیں۔ مسٹر کے "مترجم تاریخ عرب" نے بتا دیا ہے کہ یہ کام کس قدر [illegible] ہے وہ [illegible] اور [illegible] ہے کہ یمن کے موجودہ نقشوں سے بھی اس بارہ میں چنداں مدد نہیں ملتی۔ مصنف نے غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ اسے ایسے مباحث سے احتراز کرنا چاہئے۔ جو نفس سفرنامہ سے بہت کم تعلق رکھتے ہوں۔ اور ناظرین بھی بار خاطر تصور کرینگے پس اسے جغرافیائی کوائف کو ان شہروں تک محدود رکھا ہے جہاں سے اسے خود گذرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ نیز ان مقامات پر بھی نوٹ دیئے گئے ہیں۔ جو کسی قسم کی موجودہ یا گذشتہ تاریخی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس ملک کی تاریخ کے باب میں بھی یہی اصول مدنظر رکھا گیا ہے۔ اسوق الکہمیہ کا نظارہ جو صنعا سے جنوب کی سڑک پر واقع ہے نقشہ پر سرسری نگاہ ڈالنے سے جو نوٹ مناسب نظر آئے ہیں قلمبند کرنے کے

بعد اب میدان و کوہستان سے قطع نظر عام طور پر ایک نگاہ ڈالنا غیر موزوں نہ ہوگا ۔

ابن خلدون اپنے جغرافیہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ یمن سات شاہی تخت گاہوں پر منقسم ہے۔ لیکن نیبوہر زیادہ صوبہ جات کی فہرست دیتا ہے سر لیمبرٹ پلے فیر نے ان میں اور بھی اضافہ کیا ہے۔ ملک کی یہ تقسیمیں بالکل عربی ہیں جنکو ترکوں نے اپنی سہولت کے لئے کم و بیش بدل ڈالا ہے۔ بہرکیف باشندوں سے تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ گو ترک قدیمی صوبہ جات اور اُنکے ناموں کی پرواہ نہیں کرتے۔ تاہم اہل صنعت و حرفت میں وہ نام اب تک عام طور پر مستعمل ہیں ۔

پلے فیر کے حالات یمن سے میں ترتیب مندرجہ کے ساتھ ان صوبوں کے نام ذیل میں اخذ کرتا ہوں ۔

عدن	خولان
تہامہ	ساہان (صعدہ)
صنعا	نجیران
لاہج	شہم
کوکبان	
بلد البکیل (شہید بکیل)	مشرقی خولان (چھوٹی چھوٹی ریاستیں)
ابو عارش	بلد الجہاف (یا مارب)
ایک ضلع جو ابو عارش و حجاز کے	اور
مابین واقع ہے، اور جنمیں بدو وغیرہ رہتے ہیں	یافع

پلے فیر لکھتے ہیں کہ جہاں تک پولیٹیکل تقسیم ممکن ہے۔ مندرجہ بالا یمن کے صوبے کیے جا سکتے ہیں۔ مزید براں کثیر التعداد چھوٹی چھوٹی ریاستیں اور قومیں بھی موجود ہیں۔ جنکو آسانی سے ان اضلاع سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

اور وہ اس قدر بخیر و قبیح ہیں۔ کہ ان پر جداگانہ نوٹس کی بھی ضرورت نہیں۔

ان صوبہ جات میں سے پہلے تہامہ و عدن دو کا بیان ہو چکا ہے تیسرا صوبہ صنعا کہلاتا ہے۔ صنعا یمن) کا دار الحکومت ہے۔ اور اسی نام سے یہ صوبہ بھی مشہور ہے۔ دائمی جنگ و جدل کی وجہ سے اس صوبہ کے حدود مختلف رہے ہیں۔ اس میں دھمار۔ یریم۔ ردوار۔ اِب۔ جبلاہ۔ کتابہ۔ طایف اور حیث واقع ہیں۔

لاہج کی کسی اور جگہ مفصل طور سے کیفیت لکھی گئی ہے۔ اس لیئے یہاں سرسری حدود کے اظہار کے سوا اس کے مزید ذکر کی ضرورت نہیں۔ اس ملک میں ابدالی سلطان کے قبیلہ کے علاوہ صبحیہ۔ اکرالی۔ فضلی۔ اور حوشابی قبائل بھی آباد ہیں۔ میدانی عربوں کا یہ ملک سٹریٹ باب المندب سے تقریباً اسی میل تک شرق عدن میں وسعت رکھتا ہے۔ لاہج کا صوبہ مفلوک الحال ہے اس میں ایک دو سے زیادہ شہر نہیں۔ البتہ دیہات بہت سے ہیں۔

اس کے بعد کوکبان کا صوبہ ہے۔ بلد الکبیل۔ ابو عارش اور ہی ہلدل کا ملک اس میں داخل ہے۔ موخرالذکر قبیلہ بحر احمر کے ساحلی میدان میں رہتا ہے اور بقیہ قبائل اس قطعہ ملک میں سکونت رکھتے ہیں۔ جو شمال مشرق اور ہی ہلدل کے مشرق میں واقع ہے۔ اور اس قدر فاصلہ تک مشرق میں پھیلا ہوا ہے۔ جیسا کہ ایک خط صنعا سے شمال کی طرف کھینچا جائے۔

"ایثر" ابو عارش کے شمال یعنے ابو عارش اور حجاز کے مابین ہے۔ کچھ حصہ کوہستانی اور کچھ میدانی ہے۔ کوہستانی باشندے مستقل طور سے گھر بنا کر رہتے ہیں اور موخرالذکر میدانوں میں وحشی خانہ بدوش بدو پائے جاتے ہیں۔

صنعا کے شمال میں اس سڑک پر جو صنعا کو مکہ سے ملاتی ہے۔ اور حسین ابن سلامہ کی یادگار ہے۔ صوبہ خولان میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں ساحان ہے۔ جو اس صوبہ میں داخل ہے۔ اور سابق میں سداہ کی ریاست تھی۔ یہ یمن کا

خیز ترین حصّہ ہے۔ اور میوہ جات۔ شہد اور مویشی کی افراط کے لیے مشہور
ہے۔ یہ بڑی بڑی سرسبز و شاداب وادیوں سے مرکب ہے۔ جو اس قدر بلند
ہیں کہ نہ صرف میوہ جات ہی وہاں پیدا ہو سکتے ہیں۔ بلکہ انتہا درجہ کے صحت
بخش بھی ہیں بیشتر ان قبائل کو مہمان نواز لیکن چوری کیطرف رغبت ظاہر
کرتا ہے۔ اور یہ نہایت خالص عربی بولتے ہیں۔

نجران کا صوبہ اور بھی زیادہ کوہستانی ہے۔ اور بوجہ ناقابل گذر ہونے
کے ابتک ناقابل تسخیر رہا ہے۔ اس کی وسیع وادیاں بھی زرخیز ہیں۔ جو تقریباً
ریگستان الحقاف تک پہونچتی ہیں۔ خولان کی طرح یہ بھی میوہ جات۔ اور عمدہ
گھوڑوں کے لیے مشہور ہے۔

ختان کا صوبہ نجران کے شمال میں گیارہ روز کی مسافت پر واقع ہے جو یمن
کی قابل اعتماد سرحد قرار دینے میں اور مشکلات پیدا کرتا ہے۔ بظاہر یہ یمنی لوگوں
سے آباد ہے۔ اور اپنے بانی جہان کے نام سے مشہور ہے۔ جو یہودی الاصل تھا
اور جسے یہودی جوکتان کہتے ہیں۔

مشرقی خولان شمال مشرق صنعا میں واقع ہے۔ سابق میں اس میں
یہودیوں کا ایک مشہور شہر تھا۔ جو بالکل برباد ہو گیا ہے۔ اگرچہ یہ عام طور پر
مشرقی خولان کہلاتا ہے۔ مگر دراصل چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا مجموعہ ہے۔

بلد الجہاف یمن کے شمالی حصّہ کا انتہائی مشرقی جزو ہے۔ وہ یہ صوبہ یمن
سے متعلق ہے یا نہیں۔ ایک مشتبہ امر ہے۔ یہ مشرق صنعا میں چند روز کی مسافت
سے اس ریگستان تک جو عمان کو مغربی عرب سے جدا کرتا ہے پھیلتا ہے۔ اس ضلع
میں مارب کا شہر واقع ہے۔ جو سبا کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہاں کی مشہور ملکہ
حضرت سلیمانؑ کی ملاقات کو گئی تھی۔ بعض اس کا نام ملکہ بلقیس بتاتے ہیں۔ لیکن
اختلاف سنین کی وجہ سے موخر الذکر قول صحیح نہیں۔ سبا میں وہ مشہور پشتہ باندھا
گیا تھا جس کے ٹوٹ جانے سے سنہ [illegible] میں عالمگیر تباہی واقع ہوئی۔ عدن

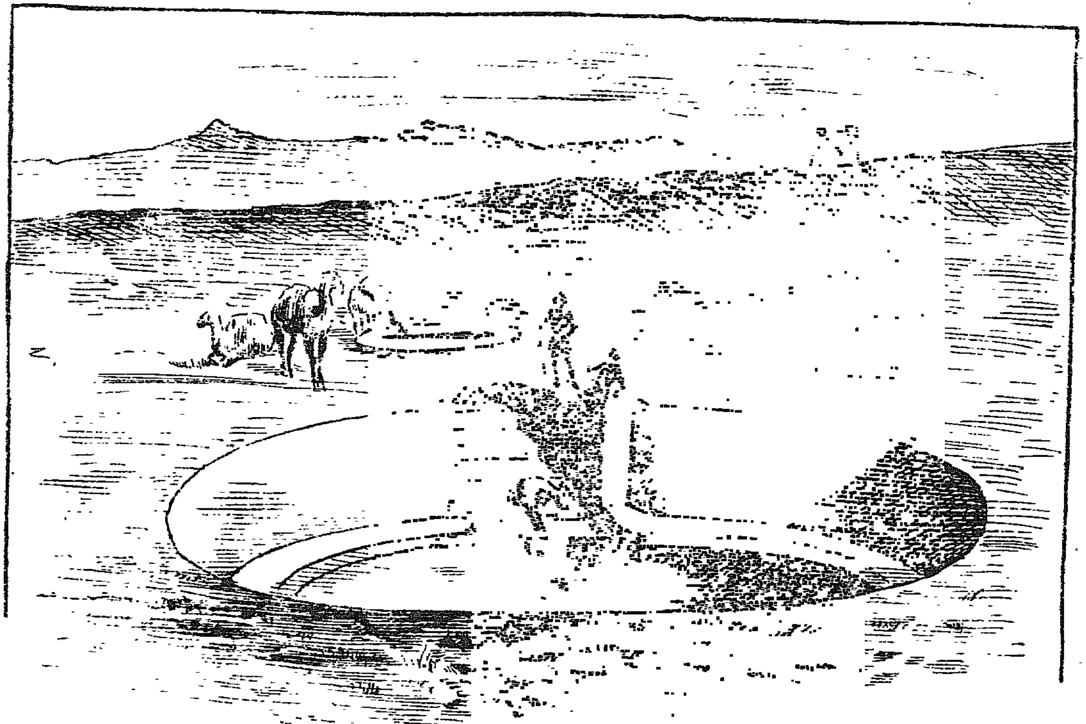

تصویر (۳) سوزہ متصل دیار میں قدیم زمانہ کا تالاب

کے حالات میں جہاں تالابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں اس [illegible] کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔

آخری صوبہ قافہ ہے۔ جو مشرق و جنوب میں حضرموت اور شمال و مغرب میں لاہج و صنعا کے مابین واقع ہے۔ دو صدیاں پہلے یہ صوبہ امام صنعا کی حکومت سے آزاد ہو گیا تھا۔ یہ ایک زرخیز ملک ہے۔ جہاں گوند، اجناس اور قہوہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ تین شہر قافہ، مدینۃ الاسفل اور عزہ نالی رکھتا ہے۔ علاقی اور یافعی قبائل جو یہاں رہتے ہیں۔ فراز و نشیبی حصص پر منقسم ہیں۔ ان کے صدر مقامات علی الترتیب انساب (میدان میں) اور ہورد (برلب ساحل) واقع ہیں۔

مندرجہ بالا خاص صوبہ جات ہیں۔ جن پر یہاں کے لوگ یمن کو تقسیم کرتے ہیں۔ لیکن یمن کے حدود کا تعین کرنا ایک ناممکن امر ہے۔

یمن کے جغرافیہ کے متعلق چند مزید الفاظ لکھنے کی ضرورت ہے تاکہ مصنف کے آئندہ صفحات پر بخوبی روشنی پڑ سکے۔ اگرچہ ترکی حکومت یمن کی کیفیت کسی اور جگہ بیان کر دی گئی ہے۔ تاہم عثمانی قبضے کے بعد سے موجودہ سرحد کا تعین کرنا بھی مشکلات سے خالی نہیں۔

ہم جنوب سے شروع کرتے ہیں۔ جنوبی تہامہ کے عرب قبائل اور ترکی یمن کی تقسیم مشرق سٹریٹ باب المندب سے تقریباً دس میل کے فاصلے شروع ہوتی ہے۔ اس طرح اس میں سیدی شیخ کا وہ قطعہ زمین داخل ہے جو جزیرہ پیرم کی طرف سے نکلا ہوا ہے۔ ڈیڑھ میل عریض ایک تنگ آبنائے سے جزیرہ مذکور سے جدا کرتی ہے۔ یہاں سے سرحد شمال مشرقی سمت کو مڑتی ہے کسی قدر مشرق طائفہ سے گزر کر سرحد مذکور [illegible] مشرق کو مڑتی [illegible] اور ماویہ کے جنوب [illegible]

قعطبہ [illegible]

و مشرق کی [illegible] رکھکر تقریباً شمال کو مڑ لیا ہے۔ قصبات یریم و دھمار فی الواقع ترکی یمن کی مشرقی حدود قائم کرتے ہیں۔ دھمار سے صنعا تک خط مذکور شمال و جنوب کی جانب چلا گیا ہے۔ اگر دونوں شہروں کے مابین ایک سیدھا خط کھینچا جائے۔ تو سرحد مذکور اس خط کے مشرق میں چالیس سے پچاس میل کے فاصلہ تک واقع ہوگی۔

صنعا سے شہران تک ترک اس خط کے مغربی علاقہ پر جو صنعا سے جنوب مشرقی گوشہ عسیر و حجاز تک کھینچا جائے۔ حکومت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگرچہ (شہر اور دیگر ناقابل گذر کوہستانی قبائل پر ان کی حکومت محض برائے نام ہے جس کو انہوں نے کبھی قرار واقعی طور پر تسلیم نہیں کیا۔

یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ مندرجہ بالا حدود کا تمام ملک کامل طور پر ترکوں کے زیر حکومت ہے۔ کیونکہ ان میں بہت سے ایسے قبائل ہیں۔ جو بابعالی کے محض برائے نام مطیع ہیں۔

یہ جغرافیائی نوٹ جیسا کہ مصنف کو معلوم ہے جغرافیہ دانوں کی نگاہوں میں غیر وقیع دکھائی دیگا۔ اگر مصنف کا سفر علمی یا تاریخی وجوہات میں ناکام رہا تو اسکی وجہ وہ شورش زمانہ ہے جس میں یہ سفر کیا گیا تھا۔ اس وقت نہ صرف بغاوت ہی برپا تھی بلکہ وہ اس سے ایک دو ہفتہ پیشتر ہی تمام صوبہ پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل چکی تھی۔ اور ترکی حکام مصنف کو جاسوس خیال کرتے تھے۔ اور عربوں کے ہاتھ سے ایک دفعہ سے زیادہ اسے ان سے واسطہ پڑ گئے۔ لہٰذا بحالات مصنف کو توقع ہے کہ اس سفر سے اہم نتائج پیدا نہ ہونے کے متعلق مصنف کو معذور رکھا جائیگا۔ مصنف یمن سے جو چیزیں لیکر [illegible] پیش کر سکتا ہے۔ وہ اس سفر کے حالات [illegible] ہے اور بہت سے فوٹوگراف ہیں جو یمن کی موجودہ حالت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ بالخصوص جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ [illegible] کوہستانی سطح مرتفع پر ترکوں کے

متصرف ہو جانے کے بعد کیا واقع ہوا؟ مصنف کا سفرنامہ شبانہ سفر اور دن کو چھپے رہنے اور ترکی قید خانے میں ڈالے جانے کی کہانی سناتا ہے جو اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ ایسے تحقیق حالات کا پورا موقعہ نہیں ملا۔ اور یہ ایک اتفاق تھا کہ اس کی سرگذشت کے نوٹ اور فوٹو گراف صنعا میں ترکوں کے ہاتھ سے تلف ہونے سے محفوظ رہے

اگر یہ صفحات عرب کے اس گوشہ کے حالات اور یہاں کے باشندوں کے عادات و اطوار پر روشنی ڈالنے میں کامیاب ہوئے۔ تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگ گئی

باب دوم

سنہ کے بعد یمن کیحالت

باب گذشتہ میں یمن کے خاص جغرافیائی خط و خال کا خاکہ کھینچنے کے بعد اب اس کی تاریخ کا تذکرہ باقی رہ گیا ہے جغرافیہ کے متعلق جو ریمارک کیے گئے ہیں۔ وہی یہاں بھی عائد ہوتے ہیں۔ بعض ازمنہ کے استثنا سے جو محققین تاریخ قدیم اور مستشرقیوں کے زیر مطالعہ رہے ہیں۔ عام طور پہ دیگر تاریخی حالات محض تاریکی میں پڑے ہوئے۔ جن عہدوں کے کوائف حوالۂ قلم ہوئے ہیں۔ ان کے درمیانی زمانے تاریخی حالات سے بالکل کورے ہیں۔ پس اسقدر کثیر التعداد صدیوں کی تاریخ کو دو ابواب میں بیان کرنا مشکل ہی نہیں۔ بلکہ جن خاندانوں اور ازمنہ کے حالات ہمیں معلوم ہو سکے ہیں۔ وہ یمن کی عام طور پہ تاریخ بیان کرنے کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتے کوشش صدیوں میں صرف مقامی فرمانرواؤں اور حکمرانوں کے شجرہ نسب ہی دستیاب ہو سکے ہیں۔ جنوبی عرب کے ناموں کے سوا ان کی عزت یا کیفیت نہیں معلوم ہو سکتی

بہرکیف اس قسم کے متفرق و پریشان تاریخی اجزا کے کالمہ سے زمانہ مابعد اسلام کے کسی تاریخی پہلو پر روشنی پڑ سکتی ہے۔

تاریخ یمن بلاشبہ ایک مختصر زمانہ یعنے اشاعت اسلام کے بعد سے اب تک کے حالات پر مشتمل ہے لیکن اس سے بھی زیادہ قدیم اور رتقان اشلوک زمانہ کی تاریخ سے بدقسمتی سے ہم واقف ہیں۔ لیکن اگر یمن کی تاریخی عمارات اور یادگاروں کی کامل طور پر چھان بین کی جائے۔ تو ممکن ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ موجودہ تہذیب کی بہت سی باتیں یمن اور حضرموت سے لیگئی ہیں اور قدیم مصری اپنے علوم و فنون کی بنیاد رکھنے کے لئے جنوبی عرب کے ممنون تھے۔ مشونا لینڈ میں مسٹر تھیوڈور بینٹ نے جو اشیاء زمین سے کھود کر نکالی ہیں ان سے جنوبی عرب کی تہذیب و شائستگی پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ کہ افریقہ کے دور دست قطعات تک ان کے قدم پہونچ گئے تھے۔ صرف وہ تعلق ہی نہ رکھتے تھے بلکہ انہوں نے وہاں مضبوطی سے اپنی حکومت قائم کر کے قلعہ اور پرستش گاہیں بنائیں۔ ان کو آراستہ کیا۔ اور افریقہ کی کانوں کو کھودا۔

حال میں یمن اور دیگر حصص جنوبی عرب کی خاص تلاش و تجسس کا کام بوجوہات سے قدرے کم انجام دیا گیا ہے۔ کہ جتنا اشیاء نسبت یمن اور حضرموت کے یہاں بخوبی بہت کچھ صرف قسمت کرنا باقی ہے۔ یہ ملک قدیمی عمارات اور یادگاروں کے لحاظ سے کس قدر معمور ہے؟ وہ ان کتبوں کی مقدار سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے جو فاضل مشہور محقق ڈاکٹر گلاسر اپنے ساتھ یمن سے لائے ہیں۔ یمن کی جسقدر ابتدائی تاریخ ہمیں معلوم ہے۔ اس کے لئے ہم اسی ڈاکٹر کے مشکور ہیں۔ فاضل مذکور کی وسیع تلاش و تجسس کی بنا پر ہم نہ صرف کسی خاص بادشاہ بلکہ تمام شاہی خاندانوں کے نام سلسلہ وار ترتیب سے بتا سکتے ہیں۔ مگر پورے حالات کا علم نہ ہو سکے۔ تاہم یمن کی ابتدائی تاریخ پر ان کتبوں سے بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔

تاریخ یمن کے ذکر سے پیشتر مختصراً چند مشہور باتوں کا بیان کرنا ضروری

معلوم ہوتا ہے۔ جنہیں یمن کے باشندے ہنوز بھی صحیح و ناقابل اعتراض تسلیم کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ باتیں اصلیت سے خالی نہیں۔ لیکن اپنے سلسلہ نسب کا شروع لگانے میں بعد کی زبانوں میں ان کو خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ امر یمن کی دو بڑی قوموں کی حالت سے ظاہر ہے۔ ان میں سے کمزور فرقے نے ناموں میں مطابقت پا کر یہ دعویٰ کیا کہ ہم اور طاقتور گروہ دونوں ایک ہی نسل سے ہیں۔ ہاں ابتدائی زمانہ سے بہت سی صورتوں میں ان دونوں قوموں میں کوئی نمایاں اختلاف و تقسیم باقی نہیں رہی؛

گو اس میں شک نہیں کہ تاریخی و داستانی زمانہ سے پیشتر بھی جنوب عرب میں ایک قوم آباد تھی۔ تاہم اسی ذریعہ سے ان کی موجودگی کا قابل قبول تحریری ثبوت یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن شریف میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ نہ تو آجکل کے عربوں میں ان کی قدرت کے متعلق کوئی داستان زبان زد خلائق ہے۔ اور نہ ازمنہ وسطیٰ کے عرب مورخین ہی کا جنہوں نے اس مضمون کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے؛

جنوب عرب کے باشندے دو بڑی قوموں میں تقسیم ہو سکتے ہیں۔ جنکو یمنی اور اسمٰعیلی اقوام سے بجا طور پر موسوم کیا گیا ہے؛

یمنی قبیلہ براہ راست قحطان کی اولاد سے ہے۔ جیسا کہ عربی کی بڑی کتابوں میں جوکتان (از خاندان شم بن نوح) لکھا ہے۔ اس کی اولاد میں سے ایک حضرموت نے اس قطعہ ملک کو اپنا نام عطا کیا۔ جو اب حضرموت کے نام سے مشہور ہے؛

دوسرا بڑا قبیلہ عدنان کی نسل سے ہے۔ جو اسمٰعیل بن ابراہیم کی اولاد سے تھا۔ کہتے ہیں کہ "عدنان" بخت نصر کا ہمعصر تھا۔ بخت نصر کی خونخوار معرکہ آرائیوں سے اسمٰعیل کی اولاد ممالک یمن میں پناہ گزین ہونے پر مجبور ہوئی۔ اگر یہی صورت ہے تو یہ امر کچھ کم قابل تعجب نہیں۔ کہ دو قومیں

جو ایک ہی ملک میں اس قدر عرصہ دراز سے رہتی چلی آتی ہیں۔ اور گذشتہ بارہ تیرہ صدیوں سے جس کا مذہب بھی ایک ہی ہو۔ باوجود ان تمام باتوں کے وہ آج ہی کسیقدر یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ کس شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض عرب قبائل سے قطع نظر جو اپنے آپ کو خطان کی اولاد بتاتے ہیں۔ عام طور پر یہی حالت ہے۔ بعض قبائل مذکور کی یہ غلطی ہے کہ خطان اور عدنان کی اولاد کے ناموں کے یکساں ہونے سے واقع ہوئی ہے

یمنی و اسماعیلی اقوام پھر فرقوں پہ تقسیم ہو گئے ہیں۔ یمنی قبیلہ ہمیار بن عبدالشمس نبیرہ خطان کے زمانہ میں مختلف شاخوں میں تقسیم ہو گیا۔ یہاں ان فرقوں کے نام گنانے کی ضرورت نہیں۔ جو خاندان ہمیار سے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ صرف ان کے تین مورث اعلیٰ کا نام لے دینا کافی ہو گا۔ (۱) ہمیار۔ (۲) ملک۔ (۳) اریب۔ موخرالذکر دو زیادہ (ابن خطان بن عبدالشمس کے بیٹے تھے ؎

اسی طرح اسماعیلیہ قبیلہ بھی کئی شاخوں پہ منقسم ہو گیا ہے۔ جو نسل ابراہیم کے تین جدا اولادوں کی نسل سے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یعنی (۱) الیاس۔ (۲) قیس ایلان۔ (۳) ربیعہ ؎

تاہم ایک اور فرقہ بھی ہے جس پر ریمارک کئے بغیر گذارا نہیں ہو سکتا مورخین کا اس امر میں اختلاف ہے۔ کہ قبیلہ مذکور کا مورث اعلیٰ کون تھا۔؟ بعض کدن کی نسل بتاتے ہیں۔ بعض ہمیار بن عبدالشمس کو ان کا مورث اعلیٰ قرار دیتے ہیں۔ اوروں کا خیال ہے۔ چونکہ یہ اسماعیلیہ خاندان سے ہیں۔ لہذا ان کو بھی اقوام عرب میں شمار کرنا چاہئے۔ اسی طرح یہ قرین قیاس ہے کہ بہت جلد یہ فرقہ دونوں قبائل میں سے کسی میں شامل ہو جائیگا ؎

جو دو بڑی قومیں یمن کی آبادی قائم کرتی ہیں۔ ان کی اصلیت اس قدر ہے۔ جو صرف تحریر میں آئی۔ اور یہ ابتک اپنے بزرگوں کی داستانوں کی

وجہ سے ایک دوسرے سے تمیز کیے جا سکتے ہیں ؛

ان داستانوں کی اصلیت کی نسبت ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی بلکہ ہر ایک پہلو سے ان کی تصدیق و توثیق ہوتی ہے۔ دوسرا دور جس پر ہم اب بحث کرنے کو ہیں۔ داستانی زمانہ نہ تھا۔ بلکہ وہ بہت سی یادگاریں اور کتبے بہم پہونچاتا ہے۔ جو اب تک موجود ہیں۔ یمن کی اس زمانہ کی تاریخ سے ہمیں سابق الذکر ڈاکٹر گلاسر کی تحریر سے آگاہی ہوتی ہے۔ جنہوں نے کامیابی سے ایکہزار سے زائد کتبوں کا ترجمہ کیا ہے۔ اور ان سے دو جدا شاہی خاندانوں کی موجودگی کا پتہ ملتا ہے۔ جو یکے بعد دیگرے یمن پر فرمانروا رہے۔ ڈاکٹر موصوف کی تلاش و تجسس نے تاریخ دنیا کا ایک نیا زمانہ عالم کے سامنے پیش کیا ہے میری مراد معینیان اور سبیان کے شاہی خاندانوں کے زمانہ سے ہے۔ نیز ڈاکٹر موصوف کی تحریروں سے منکشف ہوتا ہے کہ مصر کے قدیم زمانہ روشنی سے یمن بھی تہذیب و شائستگی اور ترقی تجارت کے لحاظ سے دعوے کی ہمچشمی رکھتا تھا۔ لہٰذا قبل از اسلام یمن کو جہالت و وحشت کی حالت میں بتانا غلط ہے بلکہ اس زمانہ کے باشندے نہایت شائستہ ماہر فنون اور اعلیٰ درجہ کے دستکار ہوتے تھے۔ ہم یہاں قدیم دنیا کی تاریخ تہذیب پر کچھ کلام [illegible] ؛

ان دو عظیم الشان شاہی خاندانوں (جو گو تمام ساحل افریقہ پر [illegible] تاہم کم سے کم یمن پر حکمران تھے) میں سب سے پہلا معینان تھا جسے " معین " بیان کیا گیا ہے۔ اس خاندان کے ۲۶ بادشاہوں کے نام ابتک دریافت ہو چکے ہیں۔ اس امر کے ثبوت ہیں کہ وہ تب بڑی طاقت رکھتے تھے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے یادگار [illegible] گئے ہیں۔ جو اس سڑک پر واقع ہے۔ جو دمشق سے عقبہ کو جاتی ہے۔ وہاں ایک جنوب عرب کا ایک کتبہ " اسٹاری " کے فرمانرواؤں کے کارناموں سے [illegible] اپنے شہر کو ان لوگوں سے صحیح و سلامت بچ جانے پر شکریہ ادا کرتا ہے۔ یہ کتبہ

ور شیران زار اور اشور نے نصب کیا تھا۔ جس سے مترشح ہے کہ سامان منیان
سقدر وسیع ملک پر حکمران تھے کیونکہ ان قصبوں میں ایک اس مقام پر واقع
تھا جہاں سے اب نہر سویز گذرتی ہے۔ سرحد کی یہ وسعت بلاشبہ مشرق
ومغرب کی تجارتی سڑکوں کی اہمیت پر مبنی ہوگی۔ لیکن ان کے مہذب و
شائستہ ہونے اور تجارت میں یدطولیٰ رکھنے کے علاوہ سب سے عجیب تر
یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ لکھنا بھی جانتے تھے۔ حال میں جن میں جو کتبے
دستیاب ہوئے ہیں۔ وہ اس زمانہ میں کندہ کیے گئے تھے۔ جبکہ مصر میں طغرا
ونقوش کے پیرایہ میں لکھا جاتا تھا۔ اور بابل میں کیونی فارم رسم الخط مروج
تھا۔ کتبہ مذکور فنیشین حروف کے کسی معلوم کتبہ سے بھی پہلے زمانہ کے ہیں۔

خاندان منیان کے ۲۳ بادشاہوں کے بعد خاندان سبیان فرمانروا ہوا لیکن
لسٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں خاندانوں کی حکومت کے مابین بہت
سا زمانہ گذر چکا ہوگا۔ جبکہ ابتدائی سنہ تحریر میں صرف دس کو پورے طور پر
ملحوظ رکھا گیا ہے۔ موخر الذکر تحریر اس درجہ تک مکمل نہیں ہے۔ خاندان سبیان
یقین کے ساتھ حضرت سلیمان کا ہمعصر تھا۔ موخر الذکر حضرت مسیح سے ایک ہزار
برس پیشتر فرمانروا تھے۔ یہ یقین کرنے کی کافی دلائل موجود ہیں کہ خاندان سبیان
عرصہ دراز تک برسر اقتدار رہا۔ طرز تحریر کے اہم اختلافات سے ظاہر ہے۔
اول الذکر فرمانروا خاندان کے دور حکومت کو کس قدر مدت مدید گذر گئی ہوگی؟
باوجودیکہ ہمیں اس زمانہ کی نسبتاً کم کتبے دستیاب ہوئے ہیں۔ تاہم ہمارے پاس
کم سے کم ۲۶ منیان فرمانرواؤں کی فہرست موجود ہے [illegible]
[illegible] کہ کوئی ایسا کتبہ بھی نکل
[illegible] اول [illegible]
[illegible]
[illegible]

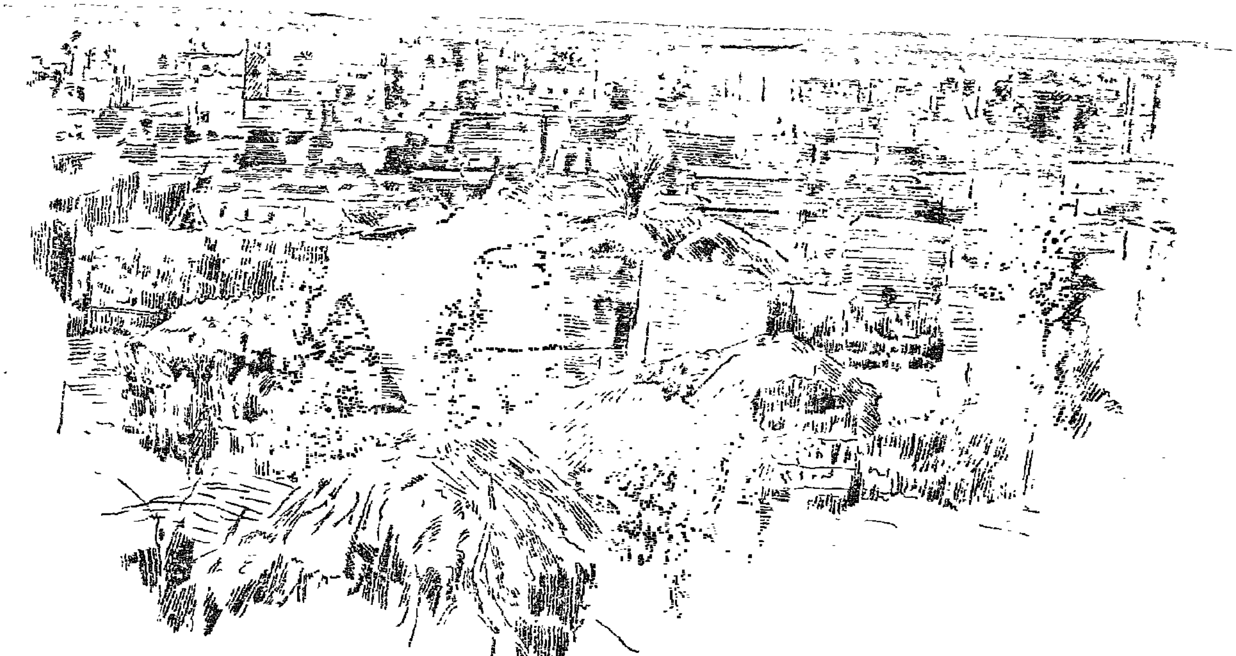

تصویر (۴) حوطہ صدر مقام سلطان لاہج

کرتی ہیں۔ کہ تمام تہذیب وشائستگی یمن اور اس کے گرد ونواح کے صو
سے دُنیا میں پھیلی ہے " (پروفیسر سیس کا مضمون " قدیم عرب اور مشرق
قدامت کے نتائج " مندرجہ کنٹمپریری، ریو)

اس دلچسپ امر کے علاوہ ایک اور بات بھی ہماری توجہ کو مائل کرتی ہ
وہ فونیشین کتبوں سے پہلے جنوب عرب کے لوگوں میں حروف تہجی کا موجو
ہونا ہے۔ یقین کیا جاتا تھا کہ فونیشیہ والوں نے مصری طرز تحریر کا جو اشکال
ونقوش کی صورت میں ہوا کرتی تھی۔ اپنی تحریری تقلیدی خاکہ اُڑایا تھا۔
لیکن اب یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ جنوب عرب کی تحریر ہی سے فونیشیہ والوں نے
حروف تہجی اخذ کیئے تھے۔ فونیشیہ کے سوا مزید براں تمام جدید اقوام حتیٰ کہ
یونانیوں اور رومیوں کی طرز تحریر کی ماخذ یہی ہے ◆

سردست تو یہ خیال ہی خیال ہے۔ تاوقتیکہ مزید دریافتوں سے اسکی
تصدیق نہ ہو۔ ہر کیف سیمٹک مصری (Semitic) لوگوں کا اصلی گھر ہمیں
یمن ہی میں تلاش کرنا چاہیئے۔ گذشتہ باب میں جہاں یمن کی دو بڑی قوموں
کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں یہ بھی حوالہ قلم ہوا ہے۔ کہ حضرت محمدؐ کی اُمت میں جو
خیال تھا" جسکا قرآن میں بھی مذکور ہے۔ یہاں کے باشندوں کو قدیمی بیان
کیا گیا ہے۔ جو سیمٹک نسل کے مبداء ومنبع تھے۔ سیمٹک اقوام کا اصلی گھر عرب
ہی ہے۔ اور وہیں ہمیں انہیں ڈھونڈنا لازم ہے۔ نبات کے پہلے بادشاہوں
کے پیشتر جبکہ سنگی اشیاء کے استعمال کی بجائے۔ دھاتوں کی چیزیں مستعمل
ہونے لگیں۔ اور شکاری وماہی گیر تاجر وکاشتکار ہوگئے۔ اُسوقت اقوام
مذکورہ کا مولد وماویٰ یہی خطہ معلوم ہوتا ہے۔ یمن قدیم کے تمام حالات سے قطع نظر
میں ایک واقعہ کو پیش کرتا ہوں۔ جسپر یقیناً سب کی توجہ مائل ہوگی۔ میری
مراد ملکہ سبا کا حضرت سلیمان سے ملاقات کرنا ہے۔ " سبا " سلطنت سبیان
کا دارالسلطنت تھا۔ اور موجودہ ترکی صدر مقام صنعا کے شمال مشرق میں

ت روز کی مسافت پر واقع تھا۔ ملکہ سبا و حضرت سلیمانؑ کا فسانہ غایت رت سے محتاج بیان نہیں۔ یہاں صرف یہ ظاہر کرنا کافی ہوگا کہ یہ فسانہ ب یہودی مورخ نے لکھا ہے۔ جو قدرتاً حضرت سلیمانؑ کے جاہ و جلال، شان و وکت ان کے حیرت انگیز دارالخلافت کی عالیشان عمارات اور عبادت گاہوں تعریف میں مبالغہ کو کام میں لایا ہے۔ اور حضرت سلیمانؑ کے مرکز خلافت میں سبا کے پہنچنے پر ملکہ کے حسن و جمال اور مراسم استقبال کا شاندار الفاظ میں کیا ہے۔ تاہم یہ غیر اغلبیات سے نہیں کہ ملکہ سبا ہی کو ظاہر نہیں کیا گیا لیکن ضرت سلیمان کس طرح مہتمم بالشان حالات رکھتے تھے۔ جبکہ حضرت سلیمانؑ کی کوئی رتی یادگار باقی نہیں رہی بخلاف اسکے سبا میں ایک حیرت انگیز بند اب تک وجود ہے جو حضرت مسیح سے سترہ سال پیشتر تعمیر کیا گیا تھا۔ بند مذکور گو اب منہدم چکا ہے۔ مگر شاہی خاندان سبیان کی عظمت۔ طاقت کو بخوبی ظاہر کر رہا ہے۔ ضرت سلیمانؑ کے حالات جو نہایت آب و تاب سے بیان کئے گئے ہیں ہم کسی ے کام کی نسبت کوئی ذکر نہیں پاتے۔ جو اس بند کی مانند مہتمم بالشان اور ابل یادگار ہو۔ بند مذکور تین سو ہاتھ موٹا ایک سو فیٹ بلند اور دو میل لمبا ہے پیمائش مذکور مانٹیور ڈی آرنوڈ نے سنہ ۱۸۴۳ء میں کی تھی) ملکہ سبا جو تحائف حضرت لیمانؑ کے واسطے لائی تھی۔ ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنوبی عرب کی ہنے والی تھی۔ کیونکہ اسکے تحائف یا تو اپنے ملک کی پیداوار پر مشتمل ہے۔ یا ایسی شیاء تھیں جو سبا کے وسیع سلسلہ تجارت کی وجہ سے مزید جنوب و مشرقی ے وہاں پہونچتی تھیں ؛

اگرچہ اس وقت تک کے برآمد شدہ کتبہ جات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح سے آٹھ سو برس پیشتر سبا ایک عظیم الشان اور مہذب سلطنت کا صدر مقام تھا س کے علاوہ اس عجیب و غریب پشتہ کی موجودگی جس کی بنا کا فخر بکمال کر دیا جاتا ہے۔ جو حضرت عیسیٰ سے ۱۷۵۰ برس پیشتر گذرا ہے۔ اور ملکہ سبا کا حضرت سلیمانؑ کی

ملاقات کو جانا اس ملک کی مزید قدامت پر دلالت کرتا ہے۔

اہل سبا کے مذہب کا مسئلہ اسقدر وسیع ہے کہ یہاں اس پر بحث نہیں کیجا سکتی خصوصاً اس حالت میں کہ منیان اور سبیان خاندانوں کے زیر حکومت سبا کے مذہب نے کئی پلٹے کھائے۔ بتوں کو پوجتے پوجتے ستارہ پرست ہو گئے بعض حالتوں میں خدا کی ہستی کے بقائے روح اور جزا و سزا کیلئے آیندہ حالت (قیامت) کو مانتے تھے۔ بعض تناسخ کے قائل تھے۔ مذہبی تغیرات صرف ترقی تہذیب و شائستگی کا نتیجہ نہ تھے۔ بلکہ اہل کالدیہ کے نجومیوں اور ہیئت دانوں کا بھی بہت کچھ اثر پڑا۔ نیز وہ بزرگوں کی بھی پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ ہم مختلف تحریروں میں دیوتاؤں اور آدمیوں کے نام پڑھتے ہیں۔ شہر سبا کو اس نام کے ایک دیوتا سے موسوم کیا گیا تھا۔ مزید برآں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس شہر کا بانی سبا بن عبد الشمس تھا۔ جو خاندان حمیار کا مورث اعلیٰ تھا۔

بوجہ عدم گنجائش ہم اس مضمون پر کہ یمن کے اصلی باشندے کون تھے کامل طور پر بحث نہیں کر سکتے۔ ایسا کرنے سے ہمارے لئے یہی بہتر ہوگا کہ ہم صرف انہی باتوں پر قناعت کریں۔ جو تحقیقات کی روشنی میں ثابت ہو چکی ہیں مثلاً منیان اور بعدہٗ سبیان، خاندان کی حکومت۔ عہد قدیم میں جنوب عرب میں تہذیب و شائستگی و تجارت کا عروج کمال پر ہوا۔ ایک تحریری زبان کی موجودگی جو ممکن ہے کہ فونیشین زبان کی ماں ہونے کی وجہ ہے۔ تمام یورپین طرز تحریر کی ماخذ ہو۔ مزید براں یہ مبہم سا نشان خیال بھی پیدا ہوا ہے کہ شاید جنوب عرب ہی مصری قوم کی جائے پیدائش اور ان کے علوم و فنون کا سرچشمہ ہو۔

سنہ عیسوی شروع ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مصر رومی صوبہ ہو گیا۔ چند سالوں کے بعد ایلیس گالس کی ماتحتی میں ایک مہم اندرون عرب و حبش کے تحقیق حالات کے واسطے بھیجی گئی۔ اس کام کے مشکلات کا اندازہ اسی امر سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ کہ جب ہم نارکو زکلیوپٹریس (جدید سویز)

ہ روانہ ہوئی تھی۔ تو یہ اسی جنگی جہازوں ایک سو تیس جہازات بار برداری
س ہزار رومن اور پندرہ ہزار دیگر سپاہیوں سے مرکب تھی لیکن مہم مذکور
نتیجہ تباہی کے سوا اور کچھ نہ نکلا۔ اگرچہ یہ جنوب عرب میں غالباً نجران تک
تو پہنچ گئی۔ لیکن قحط اور عوارض نے سپاہ کو برباد کر ڈالا۔ اور صرف مٹھی بھر سپاہی
پس لوٹے؛

تاریخ یمن کے ان ابتدائی صفحات کا مطالعہ کرتے ہوئے ہر ایک شخص
س امر سے حیران رہ جائیگا۔ کہ اس زمانہ کی عورتیں ملکی معاملات میں کسقدر
احصہ لیتی تھیں۔ یمن میں باوجود اسلام کے پھیل جانے اور عورت کا رتبہ[ف]
ہو جانے کے پھر بھی وقتاً فوقتاً کوئی نہ کوئی عورت پرانی رسم کے مطابق پبلک
ندگی میں نمودار ہوتی رہتی ہے۔ اور زمام حکومت اپنے ہاتھوں میں لیتی ہے؛
زنانہ اقتدار کی پہلی مثال ملکہ سبا (یا شیبا) تھی۔ ایلیس گالس کی مہم کی
کامیابی کے چند سال بعد دوسری نظیر ملکہ بلقیس کی صورت میں نظر آتی ہے
س کا اصلی نام بلکاما یا پلکاما تھا۔ جو اس قدر عالی حوصلہ اور عقلمند تھی۔ کہ
پنے رقیب سے شادی کرکے بعدہٗ زہر سے اس کا کام تمام کرکے دو سلطنتوں
فرمانروا ہوئی؛

تقریباً سنہ ۱۲۰ء میں سبا یا مارب کا مستحکم بالشان پشتہ ٹوٹ گیا جس کے
اتھ ہی یمن کی زرخیز وادی پر تباہی آگئی۔ اس زمانہ میں بھی یہاں کا
شاہ [illegible] سمرقند تک فوج لے گیا تھا۔ وہاں سے چین روانہ ہوا۔

[ف] مصنف کا یہ خیال غلط ہے کہ اسلام نے عورتوں کے رتبہ کو کم کر دیا ہے حالانکہ اسلام نے
م مذاہب سے زیادہ عورتوں کو حقوق عطا کئے ہیں۔ اور زن و مرد کو یکسانیت کے پلیٹ فارم پر لائے
یں کسی پرانی رسم کی پابندی سے نہیں۔ بلکہ عورتیں اسلامی علوم و منزلت عنان حکومت ہاتھوں میں لے
چکی ہیں۔ ہندوستان میں سلطانہ رضیہ۔ نورجہان بیگم اور دکن کی ملکہ خدیجہ سلطانہ کے حالات پر نظر ڈالو موجودہ
ریاست بھوپال کی زمام حکومت بھی تین پشتوں سے عورتوں ہی کے ہاتھوں میں ہے۔ مترجم

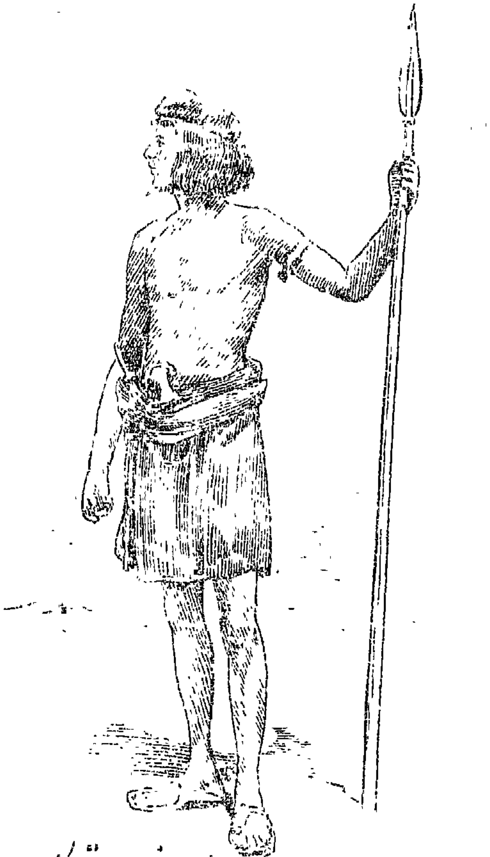

تصویر یکی از اکیه باشنده قبایل

سنہ ۲۰۶ء میں ابو کریب جو حمیار خاندان کا ایک نامور تاجدار تھا۔ چالدیہ پر حملہ آور ہوا۔ اور آذربائجان کے تاتاریوں کو شکست دی۔ پھر شام کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا۔ مگر حجاز فتح کر کے یمن کو واپس لوٹ آیا۔ جہاں کہتے ہیں کہ اس نے بت پرستی چھوڑ کر مذہب یہود اختیار کیا۔

سر لیمبرٹ پلے فیر نے اپنی تاریخ یمن میں اس سلطان کے عہد میں یہودی مذہب کی اشاعت کی ایک حکایت لکھی ہے۔ پجاریوں نے یہودی مذہب اور تپ پرستی کی صداقت کی آزمائش کا مسئلہ پیش کیا۔ دونوں مذہب کے پجاری ایک خاص مقام پر گئے۔ جہاں آگ زمین سے نکلتی تھی یہودی پجاری تو آگ کے شعلوں سے صحیح وسلامت گذر گیا۔ اور بت پرست اسمیں جل مرا۔ لیکن اس بات سے دونوں فرقوں میں اتحاد پیدا نہوا۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے باہم آتش جنگ مشتعل ہو گئی۔ اگرچہ مذہب عیسائی سنہ ۳۴۲ء میں یمن پہونچ گیا تھا۔ لیکن سنہ مذکور میں اسنے خوب فروغ حاصل کیا۔ شاہ ٹوبا بن حسن کے عہد میں مذہب عیسوی ابیسینیا میں شائع ہوا۔ ساڑھے تین سو سال کے بعد شہنشاہ کونسٹنٹیس نے ایک بشپ تھیوفلس انڈس نامی اہل یمن کو عیسائی بنانے کے لئے بھیجا۔ جہاں کا بادشاہ اسقدر بے تعصب اور متحمل مزاج تھا۔ کہ گو اسنے خود عیسائی مذہب قبول نہ کیا تاہم اسے گرجوں کے بنانے کی ممانعت نہ کی۔ چنانچہ ایک گرجا ظفر متصل یریم تعمیر کیا گیا۔ دوسرا عدن میں تیسرا بحرہ عرب کے ایک بندرگاہ میں۔ جسکا نام ہرمز فرض کیا گیا ہے۔ بنایا گیا۔

مشرقی ممالک کی معمولی تیزی کے ساتھ دوسرا بادشاہ سریر آرا ہوتا رہا یہاں تک کہ سنہ ۴۸۲ء میں لکھنا (یا لکھنیا) ثانوف نے تخت غصب کر لیا۔ شاہی خاندان کے باقیماندہ اراکین اس کے مظالم کی کیفیت ایک سے زیادہ مؤرخین نے لکھی ہے۔ خاندان مذکور کے ایک نوجوان اسعد ابو کریب (یا ذو نواس) نامی نے غاصب کے پیٹ میں خنجر بھونک کر انتقام لے لیا۔ قوم نے اسے

بالاتفاق بادشاہ بنایا۔ تخت نشین ہوکر اس نے یہودی مذہب اختیار کیا۔ اور اپنا نام یوسف رکھا۔ بہت سے جدید مذہب اختیار کرنیوالوں کی طرح یہ بھی مذہب یہود میں نہایت غلو رکھتا تھا۔ اور اس کا تعصب دیوانگی کے درجہ تک پہونچا ہوا تھا۔ چنانچہ نئے تاجدار نے عیسائیوں پر ایسے مظالم کئے کہ جنکی نظیر تاریخ میں مشکل سے ملسکتی ہے۔ ذونواس نے نجران کے عیسائیوں پر حملہ کیا۔ باوجودیکہ اسنے وعدہ کیا تھا۔ کہ انہیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچایا جائیگا۔ اس پر بھی نواس نے عیسائیوں کو مجبور کیا۔ کہ وہ یہودی مذہب یا موت دونو میں سے ایک چیز منتخب کرلیں۔ کہتے ہیں کہ بیس ہزار عیسائی آگ کے شعلوں میں جلائے گئے۔ قرآن ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے۔ جنہوں نے مذہب پر جان قربان کردی۔ اور ظلم کرنیوالے پر لعنت بھیجتا ہے۔

نواس کو اپنے مظالم کا پھل اٹھانا پڑا۔ چند باقیماندہ عیسائیوں نے بھاگ کر مشرقی عیسائی شہنشاہ کے دربار میں پناہ لی جس نے انہیں خطوط سفارش کے ساتھ ابیسینیا کے عیسائی بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔ تاکہ وہ ظالم سے مظلوم عیسائیوں کا انتقام لے۔

چنانچہ ۵۲۵ء میں اہل ابیسینیا یمن پر حملہ آور ہوئے۔ پہلی لڑائی میں نواس نے شکست کھائی۔ اور دریا میں غرق کیا گیا۔ بعدہ سپہ سالار ابیسینیا ارباط کمزور مزاحمتوں کا قلع قمع کرتا ہوا۔ ملک کے قلب میں جا گھسا۔ جہاں جہاں سے یہ گذرا شہروں کو تباہ و منہدم کرتا گیا۔

اس طرح حمیار خاندان کی حکومت دو ہزار سال کے بعد نیست و نابود ہوگئی۔ اس کے بہت سے بادشاہ فنون جنگ میں ید طولے رکھتے تھے۔ اور تہذیب و شائستگی میں مشہور تھے۔ لیکن اب انہیں اپنے بزرگوں کے مظالم کا جو عیسائیوں پر کئے گئے تھے۔ معاوضہ برداشت کرنا پڑا۔

مذہبی اختلافات کی خونریزیوں کی کثیر التعداد تمثیلوں میں سے ایک

مثال ہے - جو معرض بیان میں آئی ساسی کی وجہ سے یمن میں عیسائی حکومت قایم ہوئی - بعد اسکے باعث سے چند سال بعد عیسائی سلطنت کو بھی منتقل ہونا پڑا - اریاط یمن کو فتح کرنے کے بعد شاہ ابیسینیا کی طرف سے وہاں کا گورنر مقرر ہوا - اور چھٹی صدی عیسوی کے تقریباً نصف تک حکمراں رہا - جسے ابراہا قتل کرکے فرمانروا ہوا ؛

اس اثنا میں حکم و جبر و تشدد وغرضیکہ ہر طرح سے مذہب عیسائی کو پھیلانے کی کوشش کی گئی - آخرکار ظفر میں ایک بشپ متعین ہوا - جس کا نام اب ولیوں کی فہرست میں داخل ہے - اور سینٹ گریگنٹیس کہلاتا ہے - اسنے ابراہا کو ہدایت کی کہ وہ اشاعت عیسویت میں اپنے پیشروؤں سے زیادہ نرم وسائل اختیار کرے - اب مصنفین عرب بھی ابراہا کو ایک رحمدل اور منصف مزاج بادشاہ تسلیم کرتے ہیں - تاہم اسمیں شک نہیں - کہ مذہب کے بارے میں وہ بھی خبطی تھا - مکے کے ایک عرب نے صنعا کے گرجے کی اہانت کی تھی جس پر ابراہا نے قسم کھائی - کہ وہ کعبہ کو تباہ کر ڈالیگا - اور ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ حجاز کو روانہ ہوا - مکے کے قریب پہونچنے پر وہاں کے باشندے بھاگ گئے - ابراہا - دیو ہیکل سفید ہاتھی پر سوار تھا - لیکن وہ اپنے ارادہ میں ناکام رہا - کہتے ہیں کہ ہاتھی نے شہر کی طرف قدم بڑھانے سے انکار کر دیا - ایک اور معجزہ یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے - کہ پرندوں نے قوم مخالف کے سپاہیوں اور ہاتھیوں پر سنگریزے مار مار کر ہلاک کر ڈالا - لیکن اس معجزہ کی اصلیت یہ بیان کی جاتی ہے - کہ فوج میں چیچک کی وبا پھوٹ پڑی تھی - بہرکیف خواہ کچھ سمجھ لیجئے ابیسینیا کی سپاہ کو بکمال اضطراب و پریشانی یمن کی طرف مراجعت کرنی پڑی - جہاں پہونچکر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ابراہا انتقال کرگیا ؛

جنگ اصحاب الفیل جیسا کہ عرب مورخ اسے موسوم کرتے ہیں - اس وجہ سے بھی مشہور ہے کہ اسی سال حضرت محمدؐ پیدا ہوئے ؛

کچھ عرصہ کے بعد ابیسینیا کی حکومت یمن کا بھی اس کے ظلم و ستم کی وجہ سے خاتمہ ہوگیا۔ آخری تاجدار جاسکوم نامی سنہ ۵۷۵ء میں فوت ہوا۔ خاندان ہمیار اپنی طاقت سے تخت پر مسلط ہونے کے ناقابل ہو کر آدمیوں سے خواہان اعانت ہوا۔ جب انہوں نے بھی صاف جواب دیدیا۔ تو والئے ایران کسریٰ سے التماسِ امداد کی گئی۔ کسریٰ نے ایک ایسی فوج روانہ کی۔ جو زیادہ تر جیلخانوں کے قیدیوں سے مرکب تھی۔ سپاہ مذکور معدی کرب (از خاندان ہمیار) اور ایرانی سپہ سالار رہ زار کی ماتحتی میں عدن وارد ہوئی۔ ابیسینیا والوں سے لڑائی واقع ہونے پر عیسائی بادشاہ نے (کیونکہ یہاں کے وائسرائے عرصہ سے شاہی خطاب اختیار کر چکے تھے) مارا گیا۔ صنعا کے دروازے ایرانی سپاہ پر کھل گئے۔ جہاں معدی کرب کے نائب السلطنت ہونے کا اعلان کیا گیا۔ اسنے بھی والئے ایران کی اطاعت اور ادائے خراج کا اقرار کیا۔ اس طرح خاندان ہمیار کی اولاد میں سے ایک شخص کے پھر تخت حکومت پر قائم ہونے کے واقعہ پر بہت سے مورخین اور شاعروں نے طبع آزمائی کی ہے۔

جو سفرا اور نامور اشخاص جو دربار صنعا میں فراہم ہوئے۔ ان میں حضرت محمد ﷺ کے دادا عبدالمطلب بھی تھے۔ جنہیں نہایت اعزاز سے قبول کیا گیا کیونکہ یہ مکّہ کے فرمانروا۔ طاقتور۔ قبیلہ قریش سے تھے۔ لیکن معدی کرب کو اس کے حبشی گارڈ نے دغابازی سے مار ڈالا۔ اس پر بدنظمی پھیل گئی۔ اور حکومت کے واسطے باشندوں اور ابیسینیا والوں میں لڑائیاں ہونے لگیں۔ خسرو پرویز فرمانروائے ایران نے مجبور ہو کر سپاہ بھیجی۔ جسنے ابیسینیا والوں کا خوب قلع وقمع کیا۔ حتّٰی کہ دوغلے بچے بھی قتل کر ڈالے۔

حبشی اور ایرانی اپنی حکومت کی یادگار یمن میں چھوڑ گئے ہیں۔ چنانچہ ایک خاص قوم اب بھی وہاں موجود ہے۔ جو اخدام (خادم کی جمع) کہلاتی ہے مورخین کا اسبارہ میں اختلاف ہے کہ یہ ایرانیوں کی نسل سے ہیں۔ یا حبشیوں

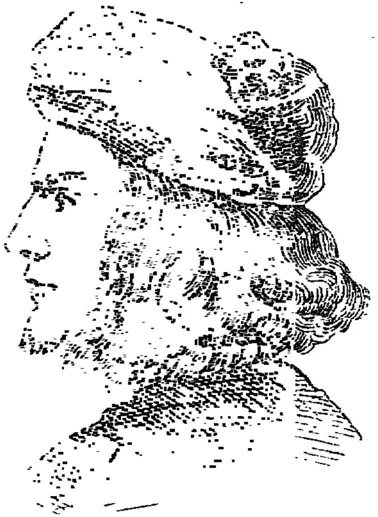

تصویر (۶) ایک یمنی

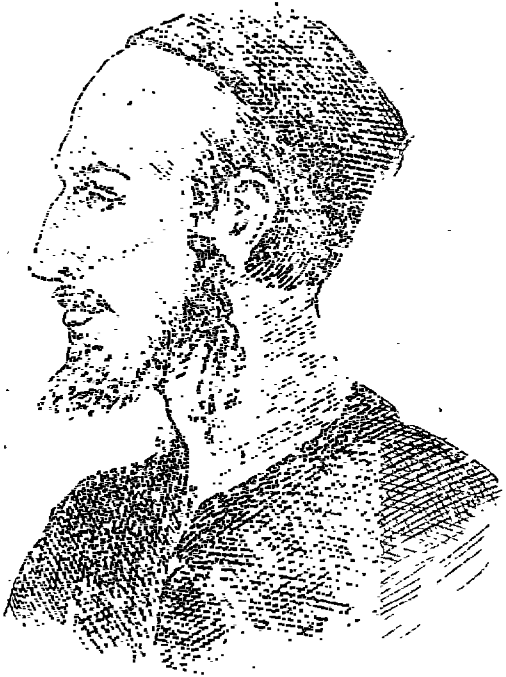

تصویر (۷) ایک یمنی یہودی -

کی۔ بہرکیف ان ہر دو بیرونی قوموں کی سفاکیوں اور کثرت و خون کی وجہ سے اخدام نہایت ذلت و حقارت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں ٭

کچھ عرصہ تک یمن میں ایرانی حکومت کا طوطی خوب بولتا رہا۔ اگرچہ بعض قبائل مقامی افسروں کی ماتحتی میں اب بھی آزاد رہے۔ تمام مذاہب سے شفقت کا برتاؤ ہونے لگا۔ نجران کے عیسائیوں کو بھی امن ملا۔ چنانچہ اس عہد میں ہم وہاں کے گریگنٹوس نامی ایک بشپ موجود پاتے ہیں ٭

اس زمانہ میں عرب کی حکومت اور مذہب میں ایک بہت بڑا انقلاب وقوع میں آنے کو تھا۔ مکہ میں حضرت محمدؐ نے جو قبیلہ قریش سے تھے۔ اپنی اشاعت کا اعلان کیا۔ جس نے نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کی تاریخ پر اثر ڈالا ٭

باب سوم

سنہ ھ کے ابتدا میں یمن کی حالت

حضرت محمدؐ نے عرب کی تمدنی اور مذہبی کایا پلٹ دی۔ لیکن یمن ابتدا میں اس نئے مذہب کے قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ تھا۔ کچھ عرصہ تک وہ ایرانی مذہب و مقاصد کا حامی رہا۔ ایرانی نائب السلطنت باذان نے بھی اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا۔ جب تک کہ حضرت محمدؐ کے [illegible] دیکھکر اسے کامل اطمینان نہ ہوگیا ٭

عیسائیان یمن میں اس وقت [illegible] اختلاف و نفاق پھیلا ہوا تھا۔ [illegible] نئے مذہب کی اشاعت میں کچھ مزاحمت ثابت نہیں ہوا۔ تاہم اسلام ابتدائی زمانہ میں عیسائیوں سے ہر قسم کی سہولت برتی گئی۔ نجران کے عیسائی بادشاہ اور حضرت محمدؐ کے مابین جو معاہدہ ہوا۔ وہ بہ نوع اول الذکر کے مفید مطلب تھا۔ اس میں ایک [illegible] کی گئی کہ عیسائیوں سے [illegible] لیا جائے [illegible]

اور کبھی عیسائی کو زبردستی مسلمان نہ کیا جائے گا؛

لیکن حضرت محمدؐ یمن کو مسلمان کرنا چاہتے تھے۔ الغرض انہوں نے ۱۰ھ میں اپنے بھتیجے و داماد حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو ادھر بھیجا۔ تمام مورخین متفق ہیں کہ حضرت علیؓ نے صرف بیس جانوں کے اتلاف سے یمن میں اسلام کی بنیاد مستحکم طور پر قائم کر دی؛

تاہم اسلام کا راستہ ہموار نہ تھا۔ دیگر جھوٹے مدعیان رسالت سے قطع نظر دو اسی زمانہ (۶۳۲ء) میں یمن میں نمودار ہوئے۔ جنہوں نے اپنے پیغمبر ہونے کا اعلان کیا۔ یہ دونوں مسلمان تھے۔ ان میں سے ایک نے حضرت رسول خدا کی بھی زیارت کی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت محمدؐ کی مہتم بالشان کامیابیوں سے ان کے دہان طمع میں پانی بھر آیا تھا۔ جس پر یہ بھی پیغمبری کے میدان میں اتر آئے؛

پہلا جھوٹا مدعی رسالت مسیلمہ نامی قبیلہ حنفیہ کا سردار تھا۔ چونکہ یہ ملکی توڑ جوڑ سے خوب واقف تھا۔ اس لئے اس نے حضرت محمدؐ سے اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی۔ دونوں میں خط و کتابت ہوئی۔ جو یہاں ذکر کرنیکے لائق ہے؛

"مسیلمہ رسول خدا کی جانب سے (حضرت) محمدؐ رسول خدا کی طرف" اور دنیا کو ہم نصفا نصف باہم تقسیم کریں؛

(حضرت) محمدؐ کا جواب گو مختصر تھا۔ لیکن معنی خیز تھا۔ "(حضرت) محمدؐ پیغمبر خدا کی طرف سے جھوٹے مسیلمہ کے نام زمین خدا کی ملکیت ہے جسے وہ اپنے ان بندوں کو وراثت میں عطا کرتا ہے۔ جنہیں پسند کرتا ہے۔ جو لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ اُن کے اچھے نصیب ہیں؛"

لیکن مسیلمہ اس جواب سے بیدل نہوا۔ حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد تک اپنے دعوے پر اڑا رہا۔ جبکہ خلیفہ ابوبکرؓ نے خالد کی ماتحتی میں ایک مہم اس کے خلاف بھیجی۔ اکربہ کے متصل لڑائی میں مسیلمہ قتل ہوا۔ اور اسکے

رفقا پھر اسلام میں عود کر آئے۔

دوسرا جھوٹا مدعی الاسود قبیلہ انس کا سرگروہ تھا جو بت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہوا تھا۔ ابتداء میں ہر قسم کی کامیابیاں حاصل کر کے صنعا میں تخت نشین ہوا۔ اور تقریباً تمام صوبہ یمن نے اس کے آگے سر جھکا دیا۔ لیکن (حضرت) محمدؐ کی تحریک سے جو اس وقت زندہ تھے۔ اس کی بیوی اور رفقا نے اسے قتل کر دیا۔

ان دو جھوٹے مدعیان رسالت کے زمانے نے گو تاریخ یمن پر کچھ اثر نہیں ڈالا۔ تاہم یہ عرب کی تمام روایات میں مشہور ہے جنہیں انہیں "کذاب" کا خطاب دیا گیا ہے۔

تاہم انہیں پر یمن میں اختلافات کا خاتمہ نہیں ہوا۔ ہر ایک سابقہ شاہی خاندان ملک میں عنصر اختلاف و رقیب خون چھوڑ گیا تھا۔ چنانچہ ابتدائی خلفا کے زمانہ میں عرصہ دراز تک یمن جنگ و جدل و کشت و خون کا مرکز بنا رہا۔ مدعیان تخت ایک دوسرے کے بعد نمودار ہوتے رہے۔ سالہا سال کے بعد یمن میں کہیں امن و امان قائم ہوا۔

۶۵۵ء میں حضرت عثمانؓ کی وفات پر حضرت علیؓ تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ خانگی اختلافات و فسادات میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے وہ عرصہ تک یمن کی طرف توجہ مبذول نہ فرما سکے۔ حضرت علیؓ و معاویہ حاکم شام کی لڑائی کے بعد موخر الذکر کی سپاہ کے ایک دستے نے سرکردگی بشیر بن اردب حضرت علیؓ کے حامیان یمن پر سخت مظالم کئے۔ لیکن انتقام بھی قریب ہی تھا۔ چنانچہ ۳۹ھ میں حضرت علیؓ نے کوفے سے چار ہزار سپاہ اس طوفان بدتمیزی کے انسداد کے لئے بھیجی۔ جسنے رفقائے بشیر کا قلع قمع کر دیا۔ اور حضرت علیؓ کے لڑکے کی گورنری کا اعلان ہوا۔ اس زمانہ میں اسلام نے یمن میں ایسی مضبوط جڑ پکڑ لی تھی کہ باوجود عیسائیوں اور یہودیوں کے باہمی اختلاف کے

یہاں کے صرف مسلمان فرقات ہی ہر قسم کے پولیٹیکل مصائب کے ہدف رہے
حضرت علیؓ کے انتقال کے بعد یمن خاندان امیہ کے تصرف میں رہا۔ یہاں
تک سنہ ۱۳۲ھ میں عباسیوں نے غیر معمولی خونریزی و مظالم سے ان کا چراغ اقبال
گل کر دیا۔ محمد ابو سعید محمد نے یمن کا ملک عباسیوں کی طرف سے فتح کیا۔ اس شخص کے
ظلم و ستم کے متعلق سر آر۔ ایل۔ پلے فیر اپنی تاریخ یمن میں لکھتے ہیں کہ اکثر اہل
یمن کو اس مرض میں جو اب دنبل یمن کہلاتا ہے۔ اور یہاں کا ایک عام مرض
ہے۔ مبتلا دیکھ کر اسنے حکم دیا کہ وہ تمام اشخاص جنہیں اس بیماری کے علامات
پائے جائیں۔ بطور نجس و ناپاک کے زندہ تربت میں دفن کر دئیے جائیں لیکن
خوش قسمتی سے یہ خود اس مرض سے انتقال کر گیا۔ اس طرح اسکے حکم پر عملدرآمد
نہ ہو سکا۔ سنہ ۱۹۸ھ میں اہل یمن نے المامون بن ہارون الرشید کی اطاعت کا
اقرار کیا جو اس وقت اپنے بھائی امین کے ساتھ سلطنت میں شریک تھا۔
اس خاندان کے وقت میں محمد بن زیاد یمن کا گورنر تھا۔ جسنے تہامہ (مغربی میدان)
فتح کیا۔ اور تمام صوبہ کا بادشاہ بن گیا ۔

اس زمانہ میں بنی یافر کے نام سے ایک قوم صنعا میں رہتی تھی جو قدیم
شاہان حمیار کی نسل سے تھی۔ بنی یافر [illegible] صنعا سے کے تابع تھے۔ ابن
زیاد نے انہیں جبراً و قہراً اپنا مطیع و منقاد بنایا۔ لیکن اسعد بن یافر جو اس
خاندان کا آخری نامور شخص تھا۔ یمن میں قرامطیین کی بغاوت سے فائدہ اٹھا
کر خود مختار ہو گیا۔ اگرچہ خاندان مذکور دو سو سال تک فرمانروا رہا۔ تاہم وہ کوئی
بڑی طاقت حاصل نہ کر سکا۔ [illegible] اسے کمزور
رہا تھا ۔

زیاد کے انتقال کے بعد یکے بعد دیگرے اس کے خاندان کے کئی ممبر فرمانروا
ہوئے۔ زیاد کے پوتے ابو الجیش نے خلیفہ المتوکل کی موت اور خلافت کے انتشار
کے وقت سے مستقل ہو کر لقب شاہی اختیار کیا۔ خلفاء کے مقتول و مستعفی

ہونے کی تاریخوں میں کس قدر اختلاف کی موجودگی سے گمان ہوتا ہے کہ شاید یہ واقعات ابوالجیش کے تخت نشین ہونے سے پہلے ظہور میں آچکے ہونگے۔ اگرچہ ان کے پیشروؤں نے خلافت بغداد کو خراج بھیجنا بند کر دیا تھا تاہم ابوالجیش پہلا حکمران معلوم ہوتا ہے۔ جو بالکل مطلق العنان بادشاہ بن گیا۔

ابوالجیش بڑا طاقتور شخص تھا۔ اپنی قوت و طاقت سے وہ کل یمن پر حکمران تھا۔ اور اس کی آمدنی بہت بڑی مقدار تک پہونچ گئی تھی۔ اسی کے عہد میں زیدیہ خاندان نے نشو و نما حاصل کیا جس سے فرمانروا یا سلاطین یمن پیدا ہوئے۔ اگرچہ ترکوں نے اب اس خاندان سے حکومت چھین لی ہے۔ تاہم تازہ بغاوت کا سرگروہ اس شخص سے کم وقیع نہ تھا۔ جسنے سنہ ۲۸۸ھ میں سداہ میں خاندان زیدیہ کی حکومت قائم کی تھی حضرت محمدؐ بانی اسلام سے لیکر تک (جو سنہ ۲۸۸ھ میں ہندوستان سے یمن واپس آکر خاندان زیدیہ کی خلافت کا بانی ہوا) کے شجرہ نسب کا اندراج دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

(حضرت) محمدؐ

(حضرت فاطمہؓ و (حضرت) علیؓ

حسنؓ

حسنؓ

ابراہیم

اسماعیل

اسماعیل طباطبا

قاسم الرسّا

حسینؓ

الہادی یحییٰ (سنہ ۲۹۸ھ میں فوت ہوا)

اگرچہ یحییٰ نے "صنعا" اسعد ابن یا فور سے چھین لیا۔ تاہم وہ اسے سنبھال نہ سکا۔ اور آخر کار سداہ چلا گیا۔ جہاں اس کی اولاد اب تک سکونت پذیر ہے ؛

اسوقت سے ہم خاندانوں کو جلد جلد عروج حاصل کرتے و زوال پذیر ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ امامان سداہ کبھی غالب اور کبھی مغلوب ہو جاتے تھے۔ یمن کے مختلف حصص میں نئے نئے نمودار ہوتے اور غائب ہو جاتے بعض اوقات یمن بہت سی ریاستوں پر منقسم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ان میں سے دو خاندان صلاحیہ اور ذریہ مشہور گذرے ہیں۔ جنمیں سے موخرالذکر صدیوں تک صوبہ عدن پر حکمران رہا۔ اسی اثنا میں شمال میں امام نہایت تیزی سے پیمانہ ہائے حکومت کے ساتھ یکے بعد دیگرے فرمانروا ہوتے رہے۔ پانچویں صدی میں ہم خاندان ابیسنیا کو زبید پر حکمراں پاتے ہیں۔ جو اس وقت تہامہ کا بڑا شہر تھا ؛

خاندان زیدیہ سداہ میں بلا کسی اہم رکاوٹ کے برابر حکمراں رہا ؛

۵۶۳ھ میں فرمانروا صنعا نے اپنا تخت توران شاہ برادر صلاح الدین (از خاندان ایوبیہ) خلیفہ مصر کے حوالے کر دیا۔ اور سلطان المنصور خاتم کا لڑکا علیؓ اس شہر کا گورنر مقرر ہوا ؛

آیندہ دو صدیوں کے گورنران و فرمانروایان یمن کے طویل شجرات کا اقتباس یہاں غیر موزوں سمجھا جائیگا۔ ان حکمرانوں میں سے چند نام اب تک یادگار ہیں۔ جو نہایت طاقت اور اسکے ساتھ ہی نہایت فاضل گذرے ہیں۔ مثلاً المظفر جسنے یمن کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو زیر کرکے کل ملک کو تابع فرمان بنایا۔ اور تیرھویں صدی عیسوی کے آخر میں انتقال کر گیا۔ دوئم عبدالوہاب جو سولہویں کے آغاز میں حکمراں تھا۔ اسنے صنعا۔ کاکفن اور زبید میں کالج قایم کئے۔ اور جہاں جہاں پانی نایاب تھا۔ حوض۔ تالاب اور نہریں کھدوائیں ؛

یمن کے دوسرے تاریخی زمانہ کے دوران میں ہم پہلی مرتبہ یورپین سوداگروں اور ترکوں سے ملاقی ہوتے ہیں۔ جنہوں نے ملک کی آیندہ حالت پر کچھ کم اثر نہیں ڈالا

تقریباً سنہ ۱۴۴۵ء میں ابیسینیا کے عیسائی بادشاہ نے فلورنیس کو مشن بھیجا۔ نیز یروشلم کے پادریوں کے نام مشہد چٹھی لکھی۔ بادشاہ مذکور تاریخ میں صرف انہی دونوں باتوں کیوجہ سے مشہور ہے۔ اور اب پرسٹر جان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا اس سفارت نے یورپ کی حرارت مذہبی کو تیز کر دیا۔ یا وہاں کے فرمانرواؤں کے دلیں ملک گیری کی حرص کو مشتعل کرنے کا باعث ہوا۔ تاہم سفارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ پرتگال نے مشرق بعید میں ایک مہم روانہ کی۔ لیکن مہم مذکور کا لیڈر ڈی کو دلہام مقام شوا میں سکونت پذیر ہو گیا۔ اور یہیں اسنے شادی بھی کر لی ؛

میں خیال کرتا ہوں۔ یہاں ان یورپین مہمات کے تذکرہ کی چنداں ضرورت نہیں۔ جو باوقات مختلف روئے زمین کے اس قطعہ میں بھیجی گئیں جو مہمات زیادہ تر عدن کے متعلق تھیں۔ وہ اس باب میں بیان کیگئی ہیں۔ جو عدن کے متعلق ہے۔ کسی دوسری جگہ مخہ کی تجارتی کوٹھیوں کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے ؛

سولھویں صدی کے آغاز میں سلطان سلیم اوّل فرمانروائے قسطنطنیہ نے مصر کی مملوکی حکومت کو مستاصل کر دیا۔ سلیم بذات خود عرب کو فتح کرنا چاہتا تھا لیکن بوجہ علالت اس ارادہ سے باز رہا۔ اس کا لڑکا سلیمان اعظم تسخیر ہند کا نہایت شائق تھا۔ اس غرض کیلئے اسنے سنہ ۱۵۲۰ء میں جہازوں کا ایک بیڑہ مرتب کیا۔ ۲۷ جون سنہ ۱۵۳۸ء کو بیڑہ مذکور سویز سے روانہ ہوا۔ چند ماہ کے بعد عدن پہونچا۔ جس پر قبضہ کر لیا گیا۔ ہندوستان جاتے ہوئے وائسرائے گوا کے حملہ آور ہونے کی وجہ سے سلیمان پاشا عدن کو لوٹ آنے پر مجبور ہوا جہاں جہاں حفاظت کے لئے قلعہ میں کافی سپاہ چھوڑ کر مخہ کو چلا گیا۔ یہاں سے گورنر

زبید کے نام حکم بھیجا کہ وہ فوراً ساحل کو [illegible] ہو جائے۔ لیکن شریفی گورنر
کے انکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ جان سے مارا گیا۔ چنانچہ چند روز بعد ترکوں نے زبید
فتح کر لیا۔ کچھ باشندے تلوار سے قتل کئے گئے۔ اس طرح سلیمان اعظم کی
فتوحات تکمیل کو پہنچیں۔ اور تمام ساحل عرب اس کے زیر فرمان ہو گیا۔
اور ترکی پاشا یمن صنعا میں رہنے لگا۔ اگرچہ ترکوں کا قدم یمن میں مستحکم
طور پہ جم گیا تھا۔ تاہم وہ کثیر التعداد قبائل سے جن میں سے اکثر عمداً آزاد ہیں۔
خراج وصول نہ کر سکے۔ سنہ ۱۵۵۱ء میں عدن میں بغاوت برپا ہوئی۔ جسے پیری
پاشا نے فرو کیا۔ اور اس قصبہ کو پرتگیزوں کے ہاتھ سے جسے باشندوں نے
حوالے کر دیا۔ واپس لیا۔

آٹھ سال کے بعد ایک اس سے بھی بڑی بغاوت تمام یمن میں برپا
ہوئی۔ تاہم ترکوں نے حسن پاشا کی سرکردگی سے اس کا بھی قلع قمع کر دیا۔
اور یمن پہ برابر حکمران رہے۔

سترھویں صدی کے شروع میں انگریزوں نے پہلی مرتبہ دنیا کے اس
حصہ میں قدم رکھا۔ بحیرہ احمر میں پہلا تجارتی جہاز ایسٹ انڈیا کمپنی کا "اسنشن"
نامی پہنچا۔ اس کا کپتان شارپلی دونوں ممالک میں تجارتی تعلقات قائم کرنے
میں ناکام رہا۔ بعدہٗ دیگر کئی جہازات بھیجے گئے۔ جن کی کیفیت باب عدن
میں بیان کی جائے گی۔

سنہ ۱۶۳۰ء میں ترک یمن سے چلے گئے۔ اور یہاں کی حکومت حضرت محمد
کی نسل سے ایک شخص کے ہاتھ میں آ گئی۔ جس کا پورا نام منصور بالقاسم الاکبر تھا
اس کے بزرگ الہادی یحییٰ نے سنہ ۲۸۵ھ میں خاندان رسی کی بنا ڈالی تھی۔
سنہ ۱۸۷۱ء میں ترکوں کے مکرر تسلط کرنے تک قاسم کا خاندان یمن میں
فرمانروا رہا۔ اور اماموں کی حکومت کا قائم سلسلہ بنا رہا۔ صنعا کے اماموں
کی فہرست اس کتاب کے آخر میں دی گئی ہے۔ تاہم یہاں مختصراً اماموں کے

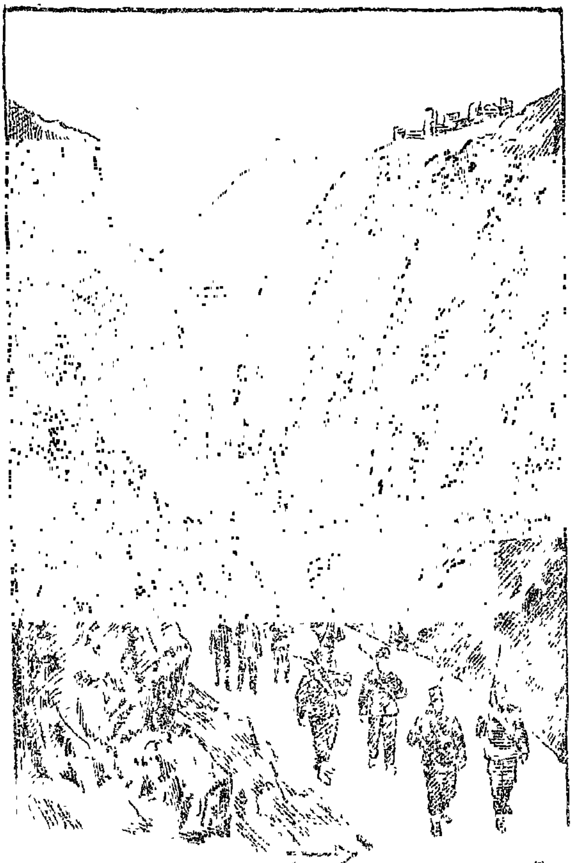

تصویر (۹) ترکی فوج کوچ کر رہی ہے ۔

متعلق چند الفاظ گذارش کرنا بیجا نہ ہوگا۔ جس سے فرمانروایان یمن اس قدر عرصہ دراز تک مخاطب رہے۔ امام کے لفظی معنے اس شخص کے ہیں۔ جو مسجد میں آگے کھڑا ہو کر لوگوں کو نماز پڑھوائے۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ عہدہ محض دنیاوی نہ تھا۔ بلکہ اس پر مذہبی رنگ بھی چڑھایا گیا تھا کیونکہ خاندان مذکور حضرت محمدؐ کی نسل سے تھا۔ چونکہ یہ خلیفہ کا خطاب اختیار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا نسبتاً چھوٹے خطاب "امام" پر قانع رہے۔ تاہم مراسم شاہی اور ہر ایک نئے تاجدار کا تخت نشین ہونے کے وقت خطاب جدید اختیار کرنا۔ اور دیگر طور و طریقوں کے لحاظ سے ان میں اور خلفائے عباسیہ میں کوئی فرق نہ تھا۔ یہ عہدہ موروثی تھا۔ اور ہمیشہ بڑا لڑکا بشرطیکہ وہ فرائض شاہی ادا کرنے کے قابل ہوتا۔ باپ کا جانشین ہوا کرتا تھا۔

نیبھر نے اپنے سفرنامہ میں اماموں کے خاص افسروں کی دلچسپ کیفیت تحریر کی ہے۔ جسکا ایک حصہ اقتباس کیا جاتا ہے۔ مختلف صوبے گورنروں کے زیر حکم تھے۔ جو "دولہ" کہلاتے تھے۔ انہیں فوجی افسر کہا جا سکتا ہے۔ یہ اپنے اضلاع کے ذمہ دار تھے۔ ٹیکس جمع کرنے کے علاوہ فوج کی کمان کرتے اور مقامی امور کا تصفیہ کرتے تھے۔ علی العموم یہ ایک قاعدہ سا تھا۔ کہ ہر ایک شخص صرف چند سالوں کے واسطے اس عہدہ پر مامور رہتا تھا۔ کیونکہ اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بہت سی دولت فراہم نہ کرلے یا اسکا اثر غیر معمولی طور پر وسیع نہ ہو جائے۔ یہ عہدہ ہمیشہ غیر متیقن تھا۔ ان کے بہت سے دشمن ہو جاتے تھے جو مرکز حکومت میں ریشہ دوانی کرکے انہیں نقصان پہونچاتے تھے۔ ان کے پاس ایک ایک کاتب (یا سکرٹری) ہوا کرتا۔ جسے امام مقرر کرتا تھا۔ تاکہ بطور جاسوس کے وہ گورنر کی حس و حرکت و کارروائیوں کا نگران رہ کر ہمیشہ حسب فرمان رپورٹ کرتا رہے۔ شریعت اسلام کے متعلق تمام قضایا کا قاضی فیصلہ کیا کرتے تھے۔ بنادر تین افسروں کے زیر حکم تھے۔ یعنے امیر البحر (کپتان بندرگاہ (

امیر السوق (افسر بازار) اور شیخ البلاد (جو ٹیکس فراہم کیا کرتا تھا) القاسم کے بعد اس کا لڑکا المؤید محمد فرمانروا ہوا۔ بعدہٗ المؤید کا بھائی اسماعیل تخت پر بیٹھا جسنے نہایت سادگی سے زندگی بسر کی۔ اور عرصہ دراز تک حکمران رہا۔ اس کی موت کا تمام ملک نے خلوص قلب سے سوگ کیا۔

اسطرح یکے بعد دیگرے امام جانشین ہوتے گئے۔ لیکن ان میں سے کسی سے کوئی ایسا کارنامہ ظہور میں نہیں آیا۔ جس سے ملک کی عظمت و شان میں اضافہ ہوتا۔ غالباً ان کی زندگی گرد و نواح کے سرکش قبائل میں امن و امان قائم رکھنے میں صرف ہوئی۔

۱۷۰۹ء میں فرنچ پہلی مرتبہ بحیرۂ احمر میں نمودار ہوئے۔ اور انہوں گورنر مخا کو امام کا قائمقام سمجھکر اس سے معاہدہ کیا۔ جس کی خاص دفعات یہ تھیں۔ کہ کسی قسم کی مذہبی مزاحمت نہ کی جائے۔ سامان تجارت کا محصول منصفانہ ہو۔ اور فرنچ رعایا میں سے کسی کی اہانت کرنے پر اس کا معاوضہ ادا کیا جائے۔ باوجود اس معاہدہ کے ۱۷۳۸ء میں فرانس والوں نے مخا پر گولہ باری کی۔ کہ وہاں کا گورنر فرنچ سوداگروں کا قرض ادا نہیں کرتا۔ قصبہ پر قبضہ کر لیا لیکن بعد میں امام سے زر قرض وصول کر کے مخا واپس دے دیا گیا۔ اس پر دوسرا معاہدہ ہوا۔ جس میں تجارتی سامان درآمد و برآمد کا محصول کسیقدر کم کیا گیا۔

اس کے بعد بیس سال تک یمن میں کم و بیش امن رہا۔ وقتاً فوقتاً قبائل علم آزادی بلند کرتے رہے۔ تاہم اماموں پر کوئی باقاعدہ حملہ نہیں ہوا۔ اگرچہ اگرچہ فرمانروا خاندان میں جانشینی کے لئے سازشیں بدستور زور و شور پر تھیں۔ بہرکیف ۱۷۵۸ء میں عبد الربیع ابن احمد کی سرکردگی سے جو ایک چھوٹے سے صوبہ کا نائب امام (گورنر تھا) ایک اہم بغاوت واقع ہوئی۔ امام کے خاندان کے بعض لوگ عبد الربیع کے دشمن ہو گئے تھے۔ جنکی تحریک امام نے عبد الربیع کو واپس طلب کیا۔ اسنے تعمیل حکم سے انکار کر دیا۔ امام نے تین ہزار سپاہی اس

کی گرفتاری کے لئے بھیجے۔ تاہم یہ کتابہ کی دیواروں کے اندر تقریباً ایکسال تک دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ آخر کار ایک شب بھاگ کر اپنے دوست قبیلہ ہجریہ میں پناہ گزیں ہوا۔ عبد الربیع کی گرفتاری میں ناکام رہ کر امام نے سلطان عدن سے اعانت چاہی۔ عبد الربیع یہ سنکر لحج پہونچا۔ اور [illegible] کا محاصرہ کرلیا۔ بہرکیف عبد الربیع کی [illegible] میں فریب کا شکار رہے۔ لکھا ہے۔ اسوقت امام شہر طائف کی تسخیر میں مصروف تھا۔ اس حکمت عملی سے ایک ہی تیر سے دونوں دشمنوں کو نشانہ بناتے۔ اسنے عبد الربیع کو اپنی امداد کیلئے طلب کیا۔ آخر کار عبد الربیع کی کمک سے شہر فتح ہوگیا۔ بعدہٗ امام نے اسے صنعاء میں طلب کیا۔ جہاں پہونچتے ہی مار اگیا۔

سنہ ۱۷۶۲ء میں شاہ فریڈرک خامس فرمانروائے ڈنمارک نے کارسٹن نیبھر کی ماتحتی میں سرزمین عرب کے تحقیق حالات کے لئے ایک مہم روانہ کی۔ ڈنمارک کے تین اور باشندے بھی نیبھر کے ساتھ تھے۔ یہ تینوں دوران مہم یا اسکے اختتام پر مرگئے۔ اگرچہ اس مہم کو ایک صدی سے زائد عرصہ گذر چکا ہے۔ تاہم کوئی اور اہل قلم نیبھر کے سفرنامہ سے بڑھکر یمن کے دلچسپ حالات بہم نہیں پہونچا سکا۔ نیبھر نے یمن کی قدرتی حالت کا خوب خاکہ کھینچا ہے۔ بہرکیف یمن کے متعلق نیبھر کی کتاب قیمتی سمجھے جانے کے قابل ہے۔ اسنے دوران قیام صنعا میں دو مرتبہ امام سے ملاقات کی۔ ملاقات ثانی میں اس نے اپنے علمی آلات کی نمائش سے امام کو حیرت میں ڈال دیا۔ نیبھر نے امام اور اس کے درباریوں کے جو حالات تحریر کئے ہیں۔ وہ نہایت دلچسپ ہیں لیکن ان کے اقتباس کی یہاں گنجائش نہیں۔

سنہ ۱۷۷۰ء میں انگریزی تجارتی کوٹھی واقع مخہ پہ حملہ ہوا۔ جس پر دو جنگی جہازات بھیجے گئے۔ تاوان ادا کر دیا گیا۔ جو بعد میں معلوم ہوا کہ امام کے افسروں نے ہندوستانی تاجروں سے وصول کرکے انگریزوں کو دیا تھا۔ حالانکہ

یہ تاجر انگریزی رعایا سے تھے۔ اس زمانہ میں چند یورپین قسمت آزما یمن پہونچگئے تھے۔ جو مسلمان ہوکر امام کی خدمت میں داخل ہوئے۔ ان میں ایک سکاٹ لینڈ کا رہنے والا کیمبل نامی تھا۔ جو امام المہدی عباس کے توپخانہ کا افسر تھا۔ ایک بغاوت میں باغیوں نے صنعا کے متصل ایک قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ قلعہ میں پانی موجود ہونے کے علاوہ سامان رسد بھی بافراط جمع کرلیا گیا تھا۔ وہاں کے لیکن ان یورپین نومسلموں کا ایسا خوف غالب تھا کہ جب باغیوں نے صنعا کے قلعہ کے اڑانے کے لئے یورپین افسر توپخانہ گولے ڈھال رہا ہے۔ جسکے طریق ساخت سے باغی ناواقف تھے تو انہوں نے چپ چاپ قلعہ خالی کردیا۔ اس مثال سے ظاہر ہے کہ اس قسم کے امور میں اہل عرب اہل یورپ کی فوقیت کے قائل ہیں۔

سنہ ۱۷۹۹ء میں انگریزی بحری سپاہ بحیرہ احمر میں گشت کرنے کیلئے بھیجی گئی۔ کیونکہ فرانس مصر پر متصرف ہوگیا تھا۔ انگریزوں نے جزیرہ پیرم پر جو ابنائے باب المندب میں واقع ہے۔ قبضہ کرلیا۔ اگرچہ پانی کی نایابی کی وجہ سے برٹش تسلط چار ماہ سے زائد نہیں رہا۔

ابتک بحیرہ احمر کی ہندوستان سے تجارت بہت زیادہ تھی۔ لیکن امامان صنعا کی ناقابلیت اور سوداگروں کے جان ومال کی غیر محفوظ ہونیکی وجہ سے گذشتہ چند سالوں میں بہت کم ہوگئی تھی۔ اسپر سر ہوم پوفام خاص سفارت پر سنہ ۱۸۰۱ء میں یمن بھیجے گئے۔ اور جنوبی عربی ریاستوں کے سفیر مقرر ہوئے۔ کلکتہ سے مراجعت کرتے ہوئے سنہ ۱۸۰۲ء میں مخہ پہونچے۔ یہ طائف تک گئے۔ تمام راستہ میں ان سے نہایت حقارت آمیز سلوک ہوتا رہا۔ امام نے ظاہر کیا۔ کہ سفیر سے بدسلوکی کئے جانے کا اسے مطلق علم نہیں۔ اگر ایسا کیا بھی گیا ہے۔ تو صریحاً خلاف حکم ہوا ہے۔ نیز اس نے اہانت کرنیوالوں کو سزا دینے کا وعدہ کیا۔ بہرکیف اسوقت کا امام علی منصور سرکش قبائل کو زیر حکم

رکھنے کے قابل تھا۔ اور اسبات کا یقین کیا گیا ہے۔ کہ اس کی فضول خرچی کی وجہ سے اضلاع ملحقہ کے سرداران قبائل کے وظائف مد بقایا میں پڑے رہتے تھے۔ سیٹے کیپس اور وہابی (اہلحدیث) فرقہ کا ذکر کیا ہے جو عبدالوہاب النجدی کی سرکردگی میں اٹھارھویں صدی میں پیدا ہوا۔ زمانہ حال سے پہلے یمن میں اس کا وجود محسوس نہیں ہوا۔ مکہ و مدینہ کی فتح سے فرقہ وہابی کو بہت بڑا عروج حاصل ہوا۔ ۱۸۰۵ء میں وہابیوں کے حملوں سے یمن میں بڑی ابتری پھیلی۔ اس فرقہ کے سرگروہ زیادہ تر یہی اشراف اور ان قبائل کے سردار تھے۔ جو حجاز و یمن کے مابین رہتے ہیں۔ لیکن اندر ہی اندر سازش اپنا کام کر رہی تھی۔ بعض شرفاء جو برائے نام وہابی عقائد کے پابند تھے۔ اور در اصل اماماں صنعا سے ہمدردی رکھتے تھے۔ وہابیوں کو غالب نہ آنے دیتے تھے اس طرح انہوں نے وہابیوں کو عرصہ تک کم وبیش روکے رکھا۔ اسی اثناء میں امام علی منصور کو اسکے لڑکے احمد نے معزول کر دیا۔ اور خود تخت نشین ہوا۔ لیکن شہر مخا نے احمد کی حکومت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کہ جبتک علی منصور زندہ ہے۔ احمد امام تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اسپر احمد نے وہاں کے گورنر کے خلاف فوج بھیجی۔ دوران لشکر کشی میں جو بدقسمتی سے علی منصور بھی مر گیا۔ اسطرح جانشینی کے مسئلہ کا قدرتاً فیصلہ ہو گیا۔

وہابیوں کی طاقت اسقدر بڑھ گئی تھی۔ کہ ۱۸۱۲ء میں محمد علی پاشا نے ترکی کے نام سے حجاز پر حملہ کیا۔ اور مکہ و مدینہ کو پھر قلمرو سلطانی میں داخل کرنیکا باعث ہوا۔ نیز امام صنعا کے پاس قاصد بھیجکر وہابیوں کے قلع وقمع میں اعانت چاہی۔ یہ درخواست بلا تامل منظور ہوئی کیونکہ امام کو معلوم ہو گیا تھا کہ اسپر محمد علی کی آنکھوں میں کھٹکتا رہا ہے۔ اگرچہ اسنے عذر کیا کہ وہ خود جنگ و جدل کا سامان نہیں رکھتا۔ تاہم اسنے سفیر کو گورنر کے نام اس مضمون کے خطوط دیئے۔ کہ وہ محمد علی کی امداد کو جہازات سازو سامان

انہ کرے۔ حالانکہ وہ بخوبی جانتا تھا۔ گورنر کے پاس نہ تو کوئی جہاز ہی ہے۔ اور نہ جنگی سامان ؛

۱۸۱۴ء میں محمدؐ علی کی سپاہ نے قصبہ کونفودہ پر قبضہ کیا۔ جو شمال وہابیہ میں ہے۔ لیکن چند ماہ کے بعد قبیلہ اشیر کے لوگ دفعتًہ آپڑے۔ اور ترکوں کو نکالدیا۔ بہت سا مال غنیمت وسامان حملہ آوروں کے ہاتھ آیا۔ ترکی سپاہ طویل لڑائیوں سے اسقدر تنگ آگئی تھی۔ کہ محمدؐ علی کو بذات خود تسخیر یمن کا عزم آخرکار فسخ کردینا پڑا۔ اور ابراہیم پاشا اپنی جگہ جنگ جاری رکھنے کیلئے چھوڑکر خود قاہرہ چلاگیا۔ ابراہیم نے ان وہابیوں کو اچھی طرح مستاصل کیا۔ ابراہیم کی نائب السلطنتی کا زمانہ ہرقسم کے ظلم وجور سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ ۱۸۱۹ء میں جب وہ جدّہ سے روانہ ہوا۔ تو لوگوں نے بڑی خوشی منائی۔ محمدؐ علی نے امام سے معاہدہ کرلیا جسمیں موخرالذکر نے اقرار کیا کہ وہ سالانہ ایک لاکھ ڈالر خراج ادا کیا کریگا۔ اس کے معاوضہ میں امام نے اپنے کھوئے ہوئے صوبہ جات جنپر ترک قابض ہوچکے تھے۔ معہ کانفودہ ولوہایہ واپس حاصل کئے ؛

لفٹننٹ ڈومائسٹی پر جبکہ وہ اپنے کمرہ میں بخار میں مبتلا پڑے تھے۔ اور انگریزی کوٹھی کے ملازمین پر وحشیانہ حملہ کیا گیا۔ جسپر ۱۸۱۹ء میں کلب معاوضہ اور انگریزی رعایا کے مفید مطلب معاہدہ کئے جانے کی غرض سے سپاہ بھیجی گئی۔ کیپٹن بروس نے دسمبر ۱۸۲۰ء میں مخہ پر گولہ باری کی۔ اس پر گورنر نے پورا ہرجانہ ادا کردیا ؛

اس اثناء میں بابعالی محمدؐ علی پاشا کی متواتر عظیم الشان کامیابیوں سے کسقدر مضطرب ہوا۔ ایک مملوک محمدؐ آغا جو عام طور پر ترکچی بلماس کہلاتا تھا۔ اور محمدؐ علی پاشا سے باغی تھا۔ بابعالی نے اس کے ذریعہ سے فائدہ اٹھانے کیلئے اسے گورنر جدّہ مقرر کردیا۔ بہ سمت جنوب کوچ کرکے ترکچی

بلہاس نے ۱۸۳۲ء میں حدیدہ فتح کیا۔ اس کے بعد زبید مسخر ہوا۔ یہاں سے مخا کی جانب بڑھا۔ یہ شہر بھی حوالہ کر دیا گیا۔ لیکن دفعتہً سیلاب کا رخ پھر گیا۔ ایک سال کے بعد صرف مخا ترکچی کے قبضہ میں رہ گیا۔ جہاں ایک بڑی سپاہ نے سرکردگی احمد پاشا دریا کی جانب سے اور قبائل اشیر کے بیس ہزار سپاہیوں نے خشکی کی طرف سے حملہ کیا۔ ترکچی بلہاس بھاگ کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز ٹگرس میں پناہ گزیں ہوا۔ جو اسے بمبئی لے آیا۔

۱۸۳۳ء میں امام کے چچا سید قاسم نے دغابازی سے ظائف مصریوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ لیکن اہل مصر وہاں بہت تھوڑے عرصہ تک رہے۔ چنانچہ ۱۸۴۰ء میں مصریوں نے یمن خالی کر دیا۔ جس پر پھر یہاں جھگڑے پیدا ہوگئے۔ اگرچہ ابراہیم پاشا نے پہلے تہامہ کا ملک شریف محمد بن عون کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن ابوعریش کا شریف اس میں مزاحم ہوا۔ شریف مکہ نے سپاہ ساحل کی جانب بھیجی۔ جس نے اسی روز جبکہ ابراہیم پاشا حدیدہ سے نکلا۔ شہر پر قبضہ کر لیا۔ لیکن حدیدہ صرف چند روز شریف مکہ کے آدمیوں کے پاس رہا۔ ایک ماہ کے بعد ہی اشیر کے سپاہی شہر میں داخل ہوگئے۔ محمد المکادی کے بھائی شریف حسین نے گورنر مخا مقرر ہو کر برٹش رعایا کو ستانا شروع کیا۔ اسی اثناء میں ایک اہانت آمیز خط کے ذریعے اس نے انگریزوں سے عدن کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

امام پہلے پہل ان معاملات پر متوجہ نہ ہو سکا۔ کیونکہ الفقیہ سعید کی ماتحتی میں ایک بڑی بغاوت برپا ہوگئی تھی۔ جو اپنے آپ کو مہدی منتظر کہتا تھا۔ جو تہیں یہ دغاباز لڑائی کے بعد مارا گیا۔ امام نے تہامہ کی طرف توجہ کی۔ انگریزوں کی امداد حاصل کرنے میں ناکام رہ کر اسنے برٹش گورنمنٹ کی رعایا سے یہ معاملہ تصفیہ کیلئے بابعالی کے سپرد کیا۔ بابعالی نے شریف سے مشورہ کرنے کے لئے ایک کمشنر روانہ کیا۔ بقول پلے فیئر شریف حسین نے

مشنر کو رشوت دیکر اپنا ہوا خواہ بنا لیا۔ جو بلا کسی نتیجہ کے قسطنطنیہ واپس چلا گیا۔ اس سفارت کا نتیجہ ایک سال کے بعد معلوم ہوا جبکہ سلطان نے ستر ہزار ڈالر سالانہ خراج پر شریف حسین کو تہامہ کا گورنر مقرر کر دیا۔

امام الہادی محمد سنہ ۱۸۴۴ء میں انتقال کر گیا۔ علی منصور جو سابق میں معزول ہو چکا تھا۔ اسکا جانشین ہوا۔ جسکی بڑی کوشش یہ تھی کہ پیشرووں کے نقصانات کو پورا کرے۔ چنانچہ فوراً جنگ شروع ہو گئی۔ امام کی سپاہ کو ہر جگہ بہت کم کامیابی ہوئی۔ چیچک سے بہت سے آدمی ضائع ہو گئے۔ چند ماہ کے بعد ایک بغاوت برپا ہوئی۔ امام معزول کیا گیا۔ اس کا چچازاد بھائی محمد یحییٰ تخت نشین ہوا۔ والیِ تہامہ کی نسبت اپنے پیشرووں کی آرزو کو درجہ تکمیل پر پہونچانے کے لئے اسنے شریف حسین سے طرح جنگ ڈالی۔ اور آخرکار بمقام بجیل متصل حدیدہ شکست فاش دی۔ شریف خود گرفتار ہو گیا۔ حدیدہ، زبید بیت الفقیہ امام کو تفویض ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اسنے مخا پر بھی قبضہ کر لیا۔ جہاں اسنے سنا کہ شریف حسین کی سپاہ کے دوسرے حصے نے پھر زبید کو مسخر کر لیا ہے۔ امام صنعا کو بھاگ گیا۔ اور چند ہفتوں کے بعد مخا پھر شریف حسین کے تصرف میں آگیا۔ ترکوں نے جنوب عرب میں حصول فوائد کا عمدہ موقعہ دیکھکر ایک سپاہ حدیدہ روانہ کی۔ جسکے پہونچنے پر شریف حسین نے شہر نوواردوں کے حوالے کر دیا۔ امام بمقام حدیدہ پاشا سے ملاقات کرنے پر مجبور ہوا۔ ایک معاہدہ لکھا گیا جس کے خاص دفعات یہ تھے۔

(۱) جس ملک پر امام فرمانروا ہے اُس پر بدستور حکمراں رہیگا لیکن اپنے آپکو باب العالی کا تابع فرمان سمجھیگا۔

(۲) ملک کی آمدنی امام و باب العالی میں برابر حصوں پر تقسیم کیجائیگی۔

(۳) صنعا کے قلعہ میں ایکہزار ترکی سپاہ موجود رہے گی۔

(۴) تقسیم آمدنی سے پیشتر امام ۲۴ ہزار ڈالر ماہوار خزانہ سے لیا کرے گا۔

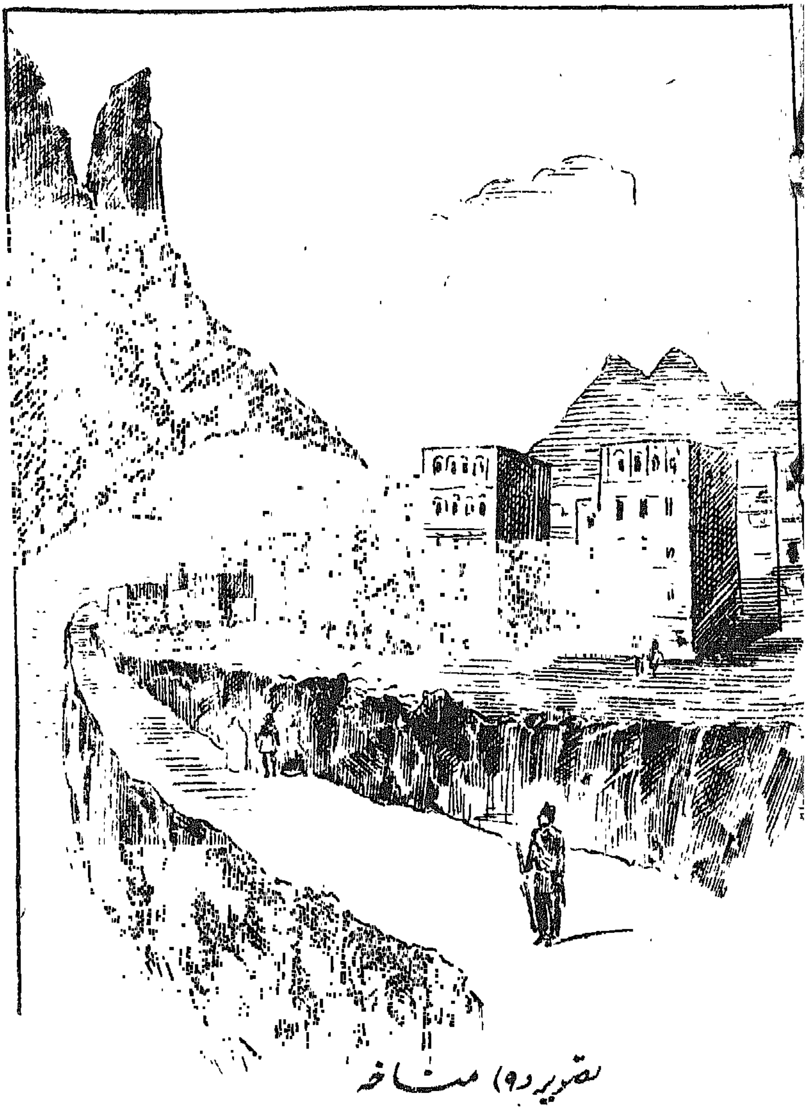

تصویر (۹) مناخه

ترک اور امام دونوں کو اس معاہدہ کے نتائج سے نقصان پہونچا۔ اوّل الذکر صنعا تک پہونچنے میں تقریباً بہت زیادہ ہو گئے۔ اور موخر الذکر معزول و قتل کیا گیا۔ اماموں کی طاقت جاتی رہی۔ ترک اگرچہ یمن کے پہاڑوں اور سطوح مرتفع سے بھگا دیئے گئے۔ تاہم وہ سواحل پر برابر قابض رہے۔ اور بہت سی سمتوں میں اُنہوں نے بے ترتیب لڑائیاں جاری رکھیں سالہا سال کی لڑائیوں اور کشت و خون کے بعد بھی ملک عام بدنظمی میں مبتلا رہا۔ امام کی اولاد سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جرأت و حکومت شجاعت کی فنا ہو گئی ہے۔ وہ صنعا میں پرائیویٹ طور پر زندگی بسر کرنے۔ اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گئے۔ اور اس کے ساتھ ہی یمن کی قومی عظمت و اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

باب چہارم

یمن پر اسلام کا اثر

حضرت محمدؐ کے وقت سے یمن پر اسلام کے مختلف اثرات کو بیان کرنے سے پیشتر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر اسلام کے متعلق کچھ ذکر کر دیا جائے۔ کیونکہ مطالعہ کنندگان عقائد اسلام کے سوا یہ معمولات دیگر تمام عالم کے لئے بمنزلہ ایک بند کتاب کے ہے۔ صرف یہ کہنا صحیح نہیں کہ عیسائیت کو اسلام پر ترجیح ہے کیونکہ دنیا اب اس حالت پر پہونچ گئی ہے جب کہ لوگ محض دعوؤں پر قناعت نہیں کرتے۔ بلکہ مسئلہ کے دونوں پہلوؤں کو سننا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان سے وہ خود اپنے لئے نتیجہ اخذ کر لیں۔ جن لوگوں نے اسلام کا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ایسے اشخاص کے ذہن سے نکلتی ہیں۔ جو اپنی راؤں کو بخیال خود بعض عملی نتائج پر مبنی بتاتے ہیں۔ مصنف کا یہ ارادہ نہیں کہ وہ اس بارہ میں کوئی طول طویل بحث کرے۔ بالفعل کے ساتھ ان بہت سے مغالطوں کو بتا دیئے جنکو یورپین رعایائے انگلستان کا بہت بڑا حصہ غلطی سے اسلامی عقائد میں داخل سمجھتا ہے۔

مذہب اسلام کو کم درجہ کا ثابت کرنے کے لئے جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑی دلیل بمقابلہ ممالک یورپ کے موجودہ اسلامی ممالک کی نسبتاً ابتر حالت ہے۔ اس سے بڑھکر اہل یورپ کے پاس کوئی دلیل نہیں جس سے وہ بلا حجت کمال محبت کیساتھ بولیں۔ اور جسے بڑے شد و مد سے پیش کیا جاتا ہو۔ لیکن دلیل مذکورہ کی اصلیت ثابت کرنے کے لئے ہمیں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ مسلمان سلطنتوں کی تنزل حالی کا ذمہ دار مذہب اسلام نہیں ہے جسقدر کہ ان لوگوں کی طبیعت رنجیدہ کو اسکا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے۔ بالفاظ دیگر بہت سے اسلامی ممالک کے کم رتبہ ہونے کا باعث بہ نسبت اعتقادات کے وہاں کے باشندوں کی اصلیت و مادہ سے علاقہ ہے۔ ہم اچھے بیان کی بناء پر یہ قوی ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ ایشیائی حالات نسل و آب و ہوا میں ہم عیسائیوں کو مسلمانوں سے بھی زیادہ ضعیف و ذلت میں گرا ہوا پاتے ہیں۔ مثلاً ابی سینیا کو لو۔ جہاں ۳۳۰ء کے مابین مذہب عیسائی شائع ہوا۔ ابی سینیا کیا وجہ ہے کہ باوجود اس قدر عرصہ دراز سے عیسائی مذہب کے پیرو رہنے کے آج ان کی حالت گرد و نواح کے اسلامی ممالک سے بھی بدتر ہے؟ وہ تہذیب و شائستگی میں ممالک یورپ یا کم سے کم مشنری پادریوں ہی کا کیوں مقابلہ نہیں کر سکتے؟ ہم کیوں آج ابی سینیا کو وحشت و جہالت میں غرق پاتے ہیں۔ جبکہ وہاں کے لوگ باقاعدہ گرجے میں جاتے ہیں؟ ہم کیوں ان لوگوں کو خس پوش جھونپڑوں میں زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں

اور جنکا لباس وہی ہے۔ جو غالبًا عیسائیت کے زوال پکڑنے کے وقت تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی طبیعت ہی اس قسم کی ہے۔ کہ مذہب خواہ اس کے مقاصد کیسے اعلیٰ درجہ کے کیوں نہ ہوں۔ اور دلوں میں کیسی ہی بڑی آرزوئیں اور اُولوالعزمیاں کیوں نہ پیدا کرتا ہو۔ لیکن ان کے قلوب پر اثر نہیں ڈال سکتا۔ کیا حبشی اپنے رنگ و چمڑے کو بدل سکتا ہے؟ اور چیتا اپنے جسم کے داغوں کو دور کر سکتا ہے؟ یقینًا نہیں۔ خواہ کتنا ہی رنگ و روغن استعمال کیا جائے۔ نہ تو حبشی سفید ہو سکتا ہے۔ اور نہ چیتا اپنے جسم دھبوں کو معدوم کر سکتا ہے۔ مگر ہم مصر میں کیوں قبطی عیسائیوں کو اپنے عیسائیوں سے علم و عقل و شائستگی میں بڑھ کر نہیں پاتے؟ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی عیسائیت اصلی عیسائیت نہیں ہے۔ یہی اسلام کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ آج کا اسلام اصلی اسلام نہیں ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ بہ نسبت عیسائیت کے آج کا اسلام بہت کچھ اپنے اصلی اپنے اصلی نمونہ کے قریب تر ہے۔ ہم اپنے مذہب کو کانٹ چھانٹ کر اور توڑنے مروڑنے سے اپنی ترقیات اور ذاتی آرام و آسائش کے مطابق بناتے جاتے ہیں۔ عیسائی ناظرین! قبل اس کے کہ تم اپنے مسلمان ہمسائے پر قہر کی نگاہ ڈالو۔ پہلے اپنے گرد و پیش کو دیکھ لو۔ غیر کی آنکھ سے تنکا نکالنے سے پیشتر اپنی آنکھ کا شہتیر نکال لو۔ یورپ کی بڑی بڑی افواج پر نگاہ ڈالو۔ جو ایک دوسرے کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر آمادہ ہے۔ بڑے بڑے شہروں کے بازاروں کو دیکھو۔ جو کسبی اور فاحشہ عورتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہمارے شہروں اور قصبوں کی [illegible] آبادی پر نگاہ کرو۔ ہمارے مالی سرقوں۔ اور اہل ملک کی [illegible] نظر پر غور کرو۔ جب تم ان نقائص کو دور کر لوگے۔ تب تم اپنے ہمسایہ کی طرف برادرانہ حیثیت سے پھیرو اور اس کی امداد کرو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر [illegible] ہے۔ اگر کوئی شخص کسی [illegible]

ڈنا اٹھانا چاہتا ہے۔ تو اسے چاہیئے کہ اسوقت تک سوٹا ہاتھ میں نہ لے جبتک کہ اسے فتح کا یقین نہ ہو جائے۔ اور اس بات پر پہلے اچھی طرح غور نہ کرلے کہ کس کے خلاف ہم لڑنا چاہتے ہیں؟ مذہبی تحمل انگریزوں کا فخر ہے پس انہیں احتیاط رکھنی چاہیئے کہ کہیں یہ شیخی فضول ثابت نہ ہو؛

نیز کہا جاتا ہے کہ باوجود اس احتیاط سے قوانین اسلام مقرر کئے جانیکے وہ اپنے پیروؤں کو کسی قسم کا مادی پیمانے سے قاصر رہے۔ میں پوچھتا ہوں یہودیوں کی کیا کیفیت ہے؟ ان کے قوانین بھی ویسے ہی ہیں۔ گو وہ اس زیادہ واضح اور مضامین کے لحاظ سے ان کی ایسی تقسیم نہیں کی گئی۔ جیسی کہ قرآن میں ہے۔ اس پر بھی یہودی تمام مادی و مالی معاملات میں دنیا کے سرتاج ہیں؛

اس میں شک نہیں کہ عیسائیت بہ نسبت اسلام کے زیادہ عمدہ مذہب ہے۔ عیسائیت اپنی سادگی میں خوبصورت ہے۔ نیز اس لحاظ سے خوبصورت ہے کہ وہ دنیاوی امور سے چنداں تعلق نہیں رکھتا۔ تاہم بلاشبہ یہ مذہب مغربی و شمالی (یورپ) کے باشندوں کے لئے وضع ہوا ہے۔ فلسطین سے آئے ہوئے جب عیسائیت نے یورپ کا راستہ اختیار کیا۔ تو وہ گویا اپنے فطرتی و موزوں سرزمین میں جا پہنچا۔ پس کیوں عربوں اور باشندگان ایشیا نے اسے قبول کیا۔ جو اس زمانہ میں بعض یہودیوں کے استثنا سے ذلیل بت پرست تھے۔ جنوب کے رہنے والے جو صحراؤں کے وحشی اور سرکش لڑکے تھے۔ عیسائیت کے لئے غیر موزوں تھے۔ انکے لئے کچھ اس قسم کا اعتقاد ہونا چاہیئے تھا۔ جو ان کے دلپر زیادہ موثر ہو۔ اور ان کے فہم میں آسکے یعنی کوئی ایسا مذہب جو انکی طرز زندگی کو باقاعدہ بنادے۔ اور آئندہ زندگی کی بھی توقع دلائے۔ عقلاً و جسماً وہ ہم سے مغائر ہیں۔ انکی طبائع کی [illegible] سے مختلف ہے۔ وہ ایک مختلف دنیا میں رہتے ہیں۔ اور ان کے خیالات

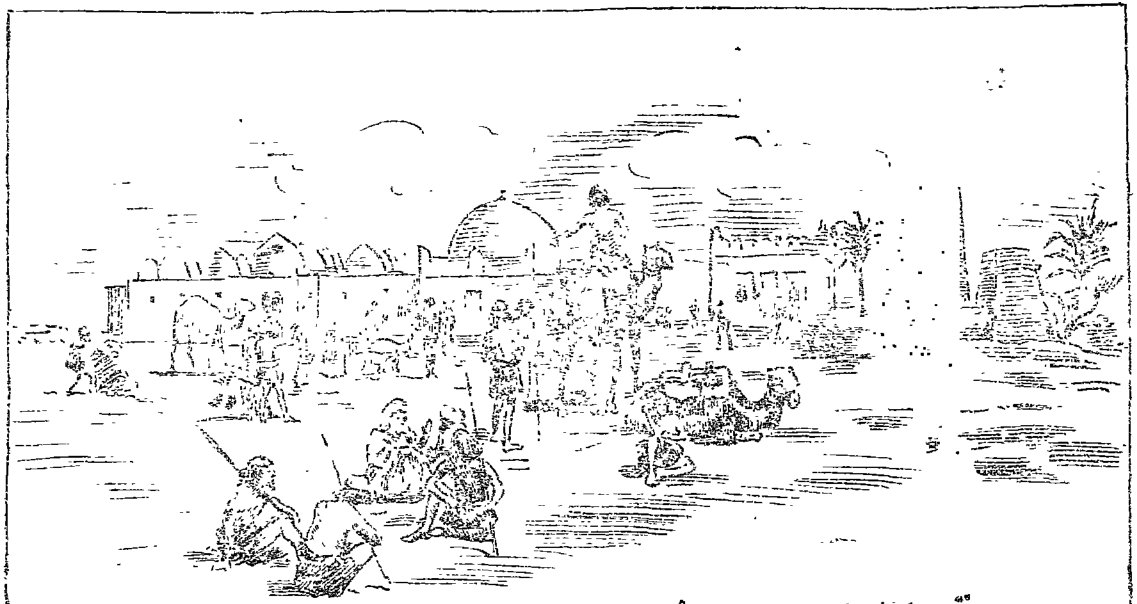

تصویر (۱۰) مقبرہ و مسجد شیخ عثمان متصل عدن

کبھی جداگانہ نہیں سپین بھی دنیا تھی۔ جس پر اسلام نے اثر ڈالا ٭

معترضین کہتے ہیں کہ اسلام نے لوگوں کو لوٹ کھسوٹ و مال یغما کی طمع دی تعصب کا شوق دلایا۔ دوسری دنیا میں حوروں کا لالچ دیا۔ کیا انہیں پوپوں نے بار بار یورپین طاقتوں کو ترغیب نہیں دلائی۔ کیا عیسائی ممالک کی تاریخ تاریک تعصب کی ایسی مثالوں سے قاصر ہے۔ کہیں بیرونی دنیا پہ نظر ڈالنے کی ضرورت واقع ہوئی ہے۔ کیا سینٹ جان نے بہشت کی ایسی تشویش انگیز تصویر نہیں کھینچی کہ خود بخود ہمارا دل اس میں حصہ لینے کے لئے قائل ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ جواب میں سینٹ جان کی گلکاریوں کو تمثیل سے موسوم کیا جائے۔ لیکن کیا چند صدیاں پیشتر ایسا کہنے والا آگ میں جلا نہ دیا جاتا تھا؟ جو لوگ کہ لائق و قابل ہیں۔ وہ عام طور پر عیسائیت کے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ان کے لئے یہ مذہب کامل اور اعلیٰ درجہ کا ہے۔ عیسائیت ایک ایسا بلند قصر ہے۔ جہانتک بہت کم اشخاص کی رسائی ہوئی ہے۔ اسلام ایک ایسی منزل ہے۔ جہاں تک رسائی ہو سکتی ہے کیونکہ اس کا معیار ممکن اللمس و قابل فہم ہے یہ مذہب ایک نہایت وسیع دماغی طاقت رکھنے والے شخص نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے قائم کیا ہے۔ اسبارہ میں عیسائی مذہب کی پیچیدگیاں اہل عرب کے حد فہم و عقل سے باہر تھیں۔ ان کے لئے تثلیث ناممکن ہے۔ ہمارے لئے گو یہ ناقابل فہم ہے۔ تاہم اسے تسلیم کیا جاتا ہے۔ صرف یہ فقرہ کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے تھے۔ ایک عرب کو ہم سے دور بھگانے کے لئے کافی ہے۔ جو یہ تو مانتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش معجزے سے مملو اور خلاف فطرت تھی لیکن خدا سے اسکا فرزندانہ رشتہ قائم کرنا اس کے خیالات کی برہمی کا باعث ہوتا ہے ٭

اہل سپین کے دلوں پہ اسلام نے جو اعلیٰ طاقت حاصل کی۔ وہ اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت محمدؐ کے مبعوث ہونے وقت یہاں بہت سے عیسائی آباد تھے

نجران کے وسیع صوبہ پر عیسائی خاندان حکمران تھا۔ جہاں کوس نامی ایک بشپ بھی رہتا تھا۔ جو ساتویں صدی کے آغاز میں فوت ہوا۔ غالباً (حضرت) محمدؐ کی زندگی ہی میں اس بشپ کا انتقال ہوا تھا۔ لیکن چند سال کے بعد ہی یمن میں عیسائیت کے تمام علامات مفقود ہو گئے۔ لیکن ابیسینیا میں یہ مذہب جوں کا توں قایم رہا۔ جہاں عیسائیت ابتک موجود ہے۔ اس کے پیرو کم سے کم ایک برائی یعنے بیہوشی میں گرفتار ہیں۔ اسلام لانیکی صورت میں یہ اس برائی سے مبرا ہوتے۔ اگر یورپ ایک اسلامی سلطنت ہوتی۔ تو اسمیں کوئی شک نہیں۔ کہ ہم تہذیب و شائستگی کے اس درجہ پر نہ ہوتے۔ جس پر کہ آجکل ہیں۔ ترک ایک مشرقی قوم ہے۔ اس لئے تمثیل کے طور پر انہیں نہیں لیا جاسکتا۔ تاہم عیسائی طاقتوں کے نمونہ کی ترکوں نے اسقدر پیروی کی ہے کہ آج ہم انہیں زر وپیہ کے لئے رعایا کا خون نچوڑتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ تاکہ اس سے جنگ کے تباہی انگیز آلات خریدے جائیں۔ اور یہ کسیقدر تہذیب و بیہوشی کی حالت میں ہیں +

نہیں۔ حبشی اپنے چمڑے کو نہیں بدل سکتا۔ جسطرح عیسائی مذہب شمالی باشندوں کے لئے نہایت موزوں ہے۔ اسطرح اسلام اہل عرب اور جنوب کے لوگوں کے مناسب حال ہے۔ دونوں مذاہب کے لئے قدرت نے ایسے ممالک انتخاب کئے ہیں۔ جہاں وہ عمدہ طور سے پھل پھول سکتے ہیں۔ ایک ملک کے مذہب کو دوسرے ملک میں پھیلانے کے متعلق کسی قسم کی کوشش گویا قانون قدرت کی خلاف ورزی اور عام طور پر دنیا کے لئے مضر ہوگی +

اسلام کی تعلیم کے متعلق چند الفاظ حوالہ قلم کرنا بیجا نہ ہوگا +

یہ امر فراموش نہ ہونا چاہیئے۔ کہ سنہ ۱۲ھ میں یعنے (حضرت) محمدؐ کے انتقال کے ایک سال بعد زید نے قرآن جمع کیا۔ لہذا اس میں شبہ نہیں کہ تسلسل

اس طرح قرآنی اجزا میں قرآن میں وہ ترتیب و تسلسل نہیں رہا جس طرح کہ وہ آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ پارہ ہائے قرآن مجید ہر ایک ذریعہ سے جمع کئے گئے۔ لیکن موجودہ صورت میں اسکی ترتیب تاریخی طور سے باقاعدہ نہیں ہے۔ اس کمزوری و بے ترتیبی سے قطع نظر بلاشبہ قرآن کے الفاظ وہی ہیں جو (حضرت) محمدؐ نے بیان فرمائے۔ ایک نیا مذہب قائم کرنے میں اسے ہر ایک طبقہ و سوسائٹی کے قابل بنانا ناممکن تھا۔ اسلئے مسلمانوں بالخصوص سنیوں کا اعتقاد ہے کہ قرآن کے بعد تقدس و پاکیزگی میں احادیث دوسرے درجہ پر ہیں جنہیں (حضرت) رسول کی زبانی ہدایات اور تمثیلات مندرج ہیں۔ بجائے قرآن کے ان کی سند صحابیوں سے لی جاتی ہے جنہوں نے وہ کلمات خود (حضرت) رسول سے سنے۔ ان احادیث کی بنا پر اسلام میں بہت سے فرقے قائم ہو گئے ہیں۔ حدیثیں ایسے مضامین پر روشنی ڈالتی ہیں جنکا قرآن میں واضح طور سے بیان نہیں کیا گیا۔ یا انکا ذکر خلاف کر دیا گیا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ احادیث کا ذخیرہ بے شمار ہے۔ اور بسا اوقات اختلاف کا باعث ہوا ہے۔ بہت آیات قرآنی کے احادیث [illegible] اسلام میں اختلاف کا موجب ہیں۔

اسلام کا سب سے بڑا اصول خدا کی وحدانیت کا اقرار ہے۔ کسی اور کو اس میں شریک کرنا سخت گناہ ہے۔ ان میں راہبوں اور جوگیوں کی طرح زندگی بسر کرنا جائز نہیں۔ یہ مذہب لوگوں کا مذہب ہے جس کے اصول شیخ الاسلام و علماء لوگوں کو بتاتے ہیں۔ قاضی صرف مذہبی قانون اسلام کا عامل ہوتا ہے اور اسکو یہ قانون میں تغیر و تبدل کا اختیار نہیں۔ اسلام بت پرستی کو نیست و نابود کرتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ اگرچہ یہ بے اثر و غیر موزوں الفاظ معلوم ہوں۔ لیکن صرف ان کا دہرانا مسلمانوں کے قلب کو جوش سے معمور کر دیتا ہے۔ کسی غیر مذہب والے کو مسلمان ہونے کیلئے صرف ان کا کہہ دینا

کافی ہے۔ یہی کلمہ ہے جو سنّی و شیعہ کو ایک رشتہ میں منسلک کرتا ہے ۔

مذہب اسلام کے خاص اصول جن پر وہ زیادہ تر مبنی ہے۔ یہ ہیں کہ روح کا غیر فانی ہونا۔ اجسام کا پھر زندہ کیا جانا۔ جزا و سزا۔ بہشت و دوزخ قضا و قدر پر اعتقاد۔ ملائکہ۔ شیطان وغیرہ یہ اصول بہت بڑے حد تک ہمارے عقاید کے مشابہ ہیں۔ لیکن اس موقعہ پر قرآن ہم سے آگے بڑھ جاتا ہے جبکہ وہ مے نوشی کی ممانعت کرتا ہے۔ قمار بازی و لحم خنزیر کو حرام قرار دیتا ہے سود خوری سے روکتا ہے۔ ایسے جانور کے گوشت کو جس کا گلا مروڑ گیا ہو یا اجل طبعی سے مر گیا ہو۔ ناجائز ٹھہراتا ہے۔ یہ ہدایتیں مسلمان اقوام کے لئے کس قدر مفید ثابت ہوئی ہیں؟ اور ہو رہی ہیں۔ روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں سے مسلمانوں کا میل جول ہوا تو یہ ہدایتیں نظر انداز ہو گئیں ۔

(حضرت) محمدؐ نے اپنے پیروؤں کو جو دیگر حقوق عطا کئے۔ اور قیود و عاید کئے۔ ان کی نسبت بھی چند الفاظ تحریر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اسلام میں ازدواج جائز ہے یہی امر ہے جس پر اہل یورپ سب سے زیادہ معترض ہوتے ہیں۔ ہر ایک مسلمان کو چار عورتوں تک سے شادی کرنے کی اجازت ہے لونڈیوں کی کوئی تعداد معین نہیں جس قدر وسعت ہو رکھ سکتا ہے۔ یہ بہت قابل افسوس ہے؟ لیکن کیا ہم اپنے گرجوں کی کھڑکیوں کو حضرت داؤد و حضرت سلیمان کی تصاویر سے آراستہ نہیں کرتے۔ کیا ہم انکے الفاظ اپنی پرستش گاہوں میں نہیں پڑھتے۔ مجھے شبہ ہے کہ حضرت داؤد و حضرت [illegible] ان میں سے کوئی بھی صرف چار عورتوں و چند کنیزوں کی قلیل تعداد پر قناعت کر سکتا۔ کیا وہ [illegible] کی ایک حد تک ہم حضرت مسیح کے اہل یورپ سب سے زیادہ [illegible] کر سکتے ہیں۔ [illegible]

لیکن [illegible]

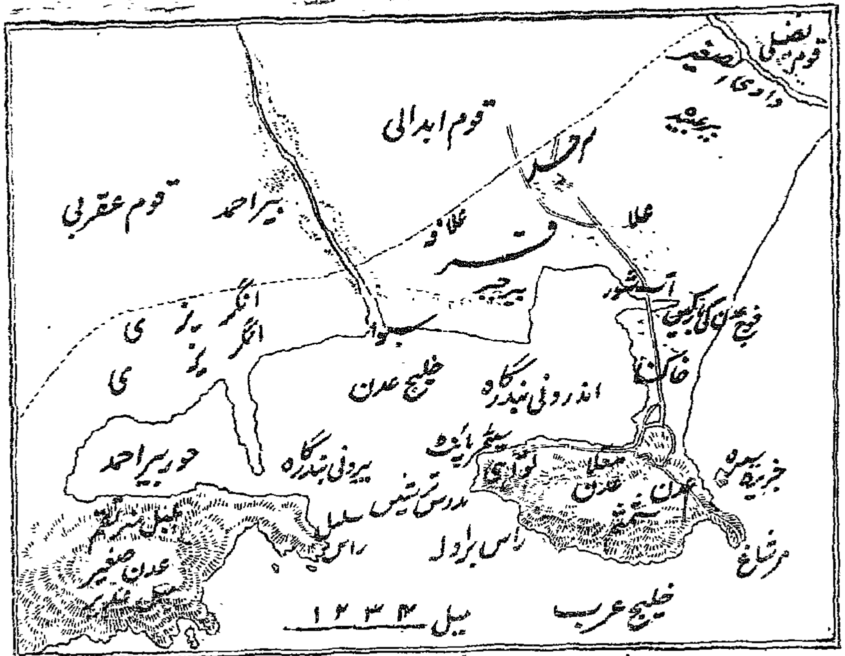
قوم فضلی
وادی صغیر
بیر عیشہ
قوم ابدالی
علا
بیر احمد
قوم عقربی
بیر جیبہ
آب شور
خاکنا
انگریزی
انگریزی
خلیج عدن
اندرونی بندرگاہ
بیرونی بندرگاہ
حو بیر احمد
سٹیمر پائنٹ
راس برادل
معلا
عدن
جزیرہ سیرہ
مرشاغ
عدن صغیر
خلیج عرب
میل ۴ ۳ ۲ ۱

تصویر (۱۱) عدن اور اسکے مضافات کا نقشہ (مصنف کے سفرنامہ کی رہنمائی کے لئے)

مارے جاتے تھے۔ کہ بہت سی عورتیں بیوہ ہو جاتی تھیں۔ اس طرح مردوں سے عورتوں کی تعداد بڑھی رہتی تھی تاہم بہت سے اسلامی ممالک کی معزز جماعتوں میں کثیر الازدواجی معدوم ہے۔ اور وہ صرف ایک ہی بیوی رکھتے ہیں۔ ہم قانوناً ایک بیوی پر قناعت کرنے پر مجبور ہیں۔ اور وہ مذہباً و قانوناً چار تک شادیاں کر سکتے ہیں۔ باوجود اس کے وہ یہ قسم کھانے کا حق رکھتے ہیں کہ ان کی رسم نہایت عمدہ ہے۔ جیسا کہ ہم اپنی رسم کو سمجھتے ہیں ؛

یہ درست ہے کہ اقوام مغرب میں قانون کلاں نرم ہے۔ لیکن مردوں و عورتوں کے اخلاق کا اقتضا ہی اسی قسم کا ہے۔ آؤ ہم پھر مصر کے قبطیوں یا ابیسینیا کی عیسائی قوم پر نظر ڈالیں۔ مزید براں اسلامی ملکوں کے نہایت غریب لوگ زیادہ تر قانون کلاں سے مستفید ہوتے ہیں۔ بخلاف اس کے انگلستان میں فقرا کا جوڑا جو باہم اختلاف و نفاق رکھتا ہو۔ ایک دوسرے سے علیحدگی کا کوئی علاج نہیں رکھتا۔ یہاں تک کہ ایک روز شوہر اپنی بیوی پر جھپٹتا ہے۔ اور اسے مار ڈالتا ہے۔ تعلیمات اسلامی میں اس حالت میں مرد عورت کو طلاق دے دیتا ہے۔ اور دونوں جلد ہی دوسری شادیاں کر لیتے ہیں ؛

حالت تو یہ ہے جو بیان کی گئی ہے۔ اسلام کو عیسائی نقطۂ نگاہ سے دیکھنا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ عیسائیت کو اسلامی نقطۂ نگاہ سے پرکھا جائے۔ ہم اسلام کے اصول قوانین سے حرف کھاتے ہیں۔ وہ ہماری تثلیث گرجوں کی آرائش کفارہ، عشائے ربانی، پوپ، تنخواہ دار پادریوں اور سینکڑوں دوسری باتوں سے گھبرا اٹھتے ہیں۔ اسلام پر نکتہ چینی کرنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ اسلام کو خود اس کے ملک میں دیکھا جائے۔ اور بے تعصب آنکھوں سے ؛

ایک اور مثال لیجئے غلامی کی [illegible] پیش کرنا مناسب ہو [illegible] مشرق کے غلاموں کے متعلق ایسی [illegible] مبالغہ آمیز رپورٹیں اور افواہیں [illegible] نہیں پہنچیں جیسی کہ آج کل سننے میں آتی ہیں پہلے تو اسے سمجھنے کی کوشش کرنی

چاہیئے کہ مشرق میں دراصل غلامی کیا ہے؟ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ اس سے یورپ کی طرح زراعتی غلامی مراد نہیں۔ بلکہ اسے تمام و کمال خانگی غلامی سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ وقتاً فوقتاً غلاموں کے ہر قسم جور و ستم ہونے کے متعلق مسالے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ گو وہ صحیح ہیں۔ لیکن مستثنیات میں سے ہیں جس طرح انگلستان میں بچوں سے ظالمانہ سلوک مستثنیات میں سے ہے۔ غلام بازار میں پہونچ جانے کے بعد مورد آلام و مصائب نہیں ہوتے۔ البتہ بازار تک پہونچنے کے لیئے اندرونی ریگستانی ممالک کے طول و طویل سفروں کے مابین انہیں انواع و اقسام کی تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ ایک اور امر کیطرف بھی انگلستان میں کبھی خیال رجوع نہیں ہوا۔ کہ مشرقی ممالک میں فیصدی ننانوے وہ غلام ہوتے ہیں۔ جو غلام والدین کے گھروں میں پیدا ہوتے ہیں اور سوڈان سے نہیں لائے گئے۔ اس حالت میں وہ بچوں کی طرح اپنے آقاؤں کے گھروں میں پرورش پاتے ہیں۔ اور آقا ان سے اپنی اولاد سے کچھ کم محبت نہیں کرتے۔

ہر ایک شخص تسلیم کرتا ہے کہ غلامی قانون اور منشائے قدرت کے خلاف ہے۔ اور فی الواقع اسے نیست و نابود کر دینا چاہیئے۔ لیکن اسکے روکنے کا کونسا ذریعہ موثر ہو سکتا ہے؟ [illegible] سامان کا اندرون افریقہ میں انسداد ہونا چاہیئے۔ جہاں سے غلام لائے جاتے ہیں۔ تمام اسلامی ممالک میں غلاموں کو آزاد کروا دینے کی کوشش بیجا ہے۔ جہاں غلاموں کی ہر قسم کی تکالیف کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اگر یہیں غلاموں کی آزادی [illegible] تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہزاروں غلام اپنے ذریعہ معاش سے محروم ہو کر چور رہزن اور [illegible] بن جائیں۔ یا بھوکوں مریں اور گھروں سے نکالی ہوئی ہزاروں لونڈیاں [illegible] پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ کاروائی ہے جو ہمیشہ انسانیت اور تہذیب کے نام سے انجام دی رہی ہیں۔

اہل عرب کی بت پرستی سے مذہب اسلام کس قدر عظیم الشان تھا۔ اس پر یہاں بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور تمام بت پرستی کے خوفناک مراسم انجام دینے انسانی قربانیاں کرنے اختلاف اور قبائل کی خانہ جنگیوں کے مقابلہ میں (حضرت) محمدؐ کے مشن نے اہل عرب کو نسبتاً اعلیٰ ترین مقصد کی طرف مدعو کیا۔ مذہب اسلام انکے وہم وگمان سے بھی اعلیٰ تھا۔ باوجود منتشر کوششوں کے عیسائی مذہب معدودے چند لوگوں کے سوا عام طور پر ان کی توجہ کو کھینچنے میں قاصر رہا۔ یہودیوں کا مذہب تقویم پارینہ ہوچکا تھا۔ اور ان کے مناسب حال نہ تھا۔ اہل عرب ایک نئے مذہب کی قبولیت کے لئے تیار تھے۔ (حضرت) محمدؐ نے ایک جدید مذہب رائج کیا۔ بت پرستی کے خوفناک مراسم اور عیسائیت کے چند غیر موزوں پیروؤں اور مذہب یہود جس سے لوگ دل برداشتہ ہو رہے تھے کے تابعین میں حضرت محمدؐ نے ایک نیا ولولہ انگیز مذہب پھیلایا۔ جو توحید کا اعلیٰ ترین مسئلہ رکھتا تھا۔ اور اہل عرب کے خیال وگمان سے کہیں برتر و اعلیٰ تھا۔

لیکن اس سادہ وحدانیت کے مسئلہ سے بھی بہت سی شاخیں پیدا ہوئیں جسطرح عیسائیت بہت سے فرقوں پر منقسم ہے۔ اسطرح اسلام میں بھی بہت سے فرقے پیدا ہوگئے۔ ان فرقات میں سے صرف چند سے ہمیں کے حالات تحریر کرنے کے دوران میں بحث کیجائیگی۔ اگرچہ ابتدا میں بھی اختلاف مذہب نمودار تھا۔ لیکن بعد میں واضح طور پر یہ کثیر التعداد فرقے قائم ہوگئے۔ جو اب تک بھی پائے جاتے ہیں۔ ان فرقوں کا چند کے استثنیٰ سے ملک کی پولیٹیکل حالت پر نہایت کم اثر پڑا۔

اسلام میں پہلا بہت بڑا اختلاف تقریباً ۳۵ھ میں واقع ہوا۔ اول ہی اوّل (حضرت) علیؓ کے خلاف بغاوت ہوئی۔ جو (حضرت) رسول خدا کے بھتیجے و داماد تھے ہم اس اختلاف وفساد کو تاریخ اسلام میں بار بار ایسی وحشیانہ تیزی سے جو مشرقی ممالک ہی میں پائی جاسکتی ہے نشو ونما پاتے ہوئے دیکھتے ہیں

خوارج کے ابتدائی مقاصد بفرض محال خواہ اچھے ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن بعد میں حصول طاقت و ثروت کا کام انسے لیا جانے لگا۔ اس خبطیانہ جوش کے فرو کرنیکے لیئے دنیاوی اور دینی متحدہ طاقت کے استعمال کی ضرورت واقع ہوئی۔ خوارج ہی کئی فرقوں پر منقسم ہو گئے۔ کم و بیش ان سب کے اعتقاد میں خفیف سا گناہ بھی کفر ہے۔ ان امور پر تفصیل سے بحث کرنے میں ہم اپنے مقصد سے دور جا پڑینگے۔ اگرچہ خوارج سب سے پہلے اختلاف پیدا کرنے کے باعث ہوئے۔ لیکن بعد میں اسلام کے دو بڑے فرقوں سنی و شیعہ نے اس اختلاف کو اور بھی زیادہ کر دیا۔ ترکی بہت سے مسلمانان ہند سنّی ہیں۔ اور جنوب غرب۔ ایران و شمالی افریقہ کے اقطاع عقاید شیعہ کے معتقد ہیں۔ سنّی انتخاب خلفا کے جواز کو تسلیم کرتے ہیں۔ بخلاف اسکے شیعہ خلیفہ چہارم (حضرت) علیؓ کو (حضرت) رسول خدا کا خلیفہ بلا فصل مانتے ہیں۔ شیعوں میں پھر اختلاف واقع ہوا۔ چنانچہ ایک گروہ جو اپنے آپ کو شیعہ کے نام سے موسوم کرتا ہے کہتا ہے کہ (حضرت) علیؓ اعلیٰ اوصاف کے لحاظ سے حضرت رسول خدا کی جانشینی کے مستحق تھے۔ زیدیہ فرقے کا قول ہے کہ (حضرت) علیؓ (حضرت) پیغمبر کے جائز جانشین وارث تھے۔ نہ صرف اعلیٰ صفات کے لحاظ سے بلکہ اپنے رشتہ کے لحاظ سے بھی اس عہدہ کے سزاوار تھے۔ لہٰذا انکا خیال ہے کہ جانشین رسول یعنے خلیفہ یا امام (جیسا کہ یمن میں کہتے ہیں) خاندان نبوت سے ہونا چاہیئے۔ خواہ کسی شخص کو بلحاظ اوصاف و قابلیت اس عہدے کے لئے منتخب کیا جائے۔ مگر ضروری ہے کہ اسکی رگوں میں (حضرت) رسول خدا کا خون آ رہا ہو۔ شیعوں کا اوّل الذکر گروہ امامیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اور موخر الذکر زیدیہ دیگر کئی ماتحت فرقوں اسماعیلیہ وغیرہ [illegible] فرقہ اسماعیلیہ کی تیسری صدی ہجری میں بنیاد رکھی گئی تھی۔ مصر کا فاطمیہ خاندان اسی شاخ سے تعلق رکھتا ہے جسکی [illegible] کوہستان لبنان میں دروز کے نام سے موجود ہے۔ اور اپنے امام حاکم

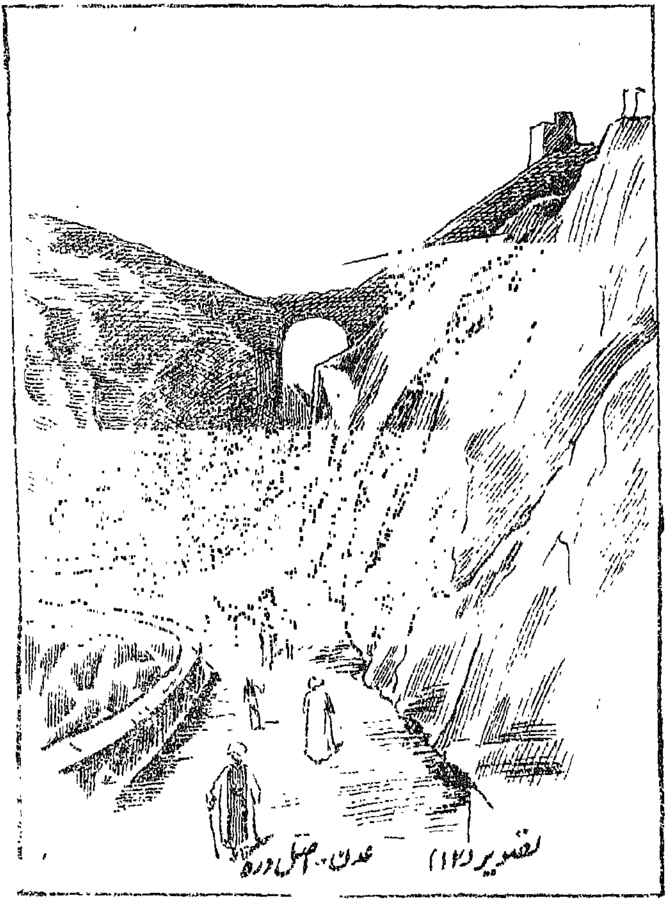

تصویر (۱۲)   عدن ۔ جبلی درہ

کے آنیکی منتظر ہے۔ زیدیہ و اسماعیلیہ میں یہ اختلاف ہے کہ وہ ایک فرقہ ایک شخص کو حضرت علیؓ کے پوتے کا جانشین بتاتا ہے۔ اور دوسرا دوسرے شخص کو بعد کے زمانہ میں ہم عرب و ایران کے زیدیوں کو دو جداگانہ علاقوں کے ماتحت پاتے ہیں جنمیں سے ایک عرب میں اور دوسرا ایران میں فرمانروا تھا۔

آجکل بھی سنیوں اور شیعوں میں سخت اختلاف موجود ہے جسکی اس سے بہتر مثال نہیں ملسکتی۔ کہ جب روس ٹرکی سے جنگ میں مصروف تھا۔ جو یورپ میں اسلام کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا تھا۔ لیکن ایک بھی تلوار شیعہ مسلمانوں کی طرف سے ٹرکی کی تائید میں نہ ئی۔ ایران اور دیگر حصص عالم جو سلطان عبد الحمید کو اسوجہ سے کہ اُسکی رگ یں حضرت رسول خدا اسکا خون نہیں دوڑتا۔ اپنا جائز خلیفہ نہیں مانتے زی دلچسپی کی لڑائی کے نتیجہ کو دیکھ رہے تھے۔

سنیوں نے اپنا نام عربی لفظ سنت
کے طریق۔ زندگی و اقوال و احادیث
ابو بکر کو جو اُن کے خاندان سے نہ
خلیفہ کا خاندان رسول سے ہی ضرو
کو اپنا خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔
مسئلہ میں اور اسلام کے
ڈال سکتے ہیں۔ بیز یہ کہ خوا
سے متفق نہیں ہو سکتے
یہ مذہبی اختلاف ہی بہ
سنہ ۲۸۰ ھ میں
گروہ کی ایک شاخ

ں
مو
گئی لیا ہے۔ اور حضرت رسہ۔
اور یہ کہ خود رسول خدا نوط
بعد
سے نکلا لیا تھا۔ پس ان کا ہے۔
جاتی ہے اس لئے وہ سلطان حرام ہے
سلامی غیر قول
خلیفہ المستقۃ
تھا کہ اس غیر قر پر مندرجہ بالا اپنا ہے۔ اسکا
نے اپنا مذہب چھ ن مذہبی طوسا میں سیواہ کے
سے خطرات برداش ستانی وجہ ہے۔ وہ اس کی
انہوں نے جان تک ں کا موجب عیسائیت کے
بمبئی۔ رنجبار اور لبا کے نام [illegible] اسکی اصلیت
دہابیوں اہلحدیث روش ہیر، سیام میں [illegible] کہ

سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ دو طاقتور سرداران علی بن فضل اور منصور بن حسن کی سرپرستی میں اس فرقہ نے ترقی حاصل کی۔ اول الذکر پہلے ایک گوشہ نشین عابد تھا۔ جب مرید بکثرت ہو گئے۔ تو ملک گیری کی سوجھی۔ آخرکار بادۂ فتوحات سے سرشار ہو کر اسنے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ اور بغداد میں ممبر پہ کھڑا ہو کر اسنے مینوشی اور محرمات سے ازدواج کے جواز کا اعلان کیا۔ دھمار اور صنعا اسکے قبضہ میں آ گئے۔ موخرالذکر عام میں اسکی زیادتیاں حد شمار سے افزوں ہیں۔ سترہ سال کی حکومت کے بعد ابن فضل ایک قاتل کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ جسنے فصد لینے کیوقت زہر ہلاہل اپنے بالوں میں پوشیدہ رکھ لیا۔ اور نشتر کے پاک و صاف ہونے کا یقین دلانے کے لیئے اسے پہلے منہ میں چوسا پھر اسے ان بالوں میں رگڑ کر جہاں زہر رکھا تھا۔ خشک کیا۔ اسطرح زہر آلود نشتر سے رگ کھولی۔ اور ابن فضل زہر کے اثر سے جاں بر نہ ہو سکا۔
خ الجنیدی بیان کرتا ہے کہ اسکی موت پر یمن میں بہت بڑی خوشی منائی
اس کے پیرو جو بے زر و پابند قانون ہیں۔ ابتک بہٹی میں رہتے ہیں۔
رہ دوسرا بڑا فرقہ نزاریہ یا اساسین کا تھا۔ اساسین کا لفظ حشاشین
ہے۔ بھنگ کو عربی میں حشیش کہتے ہیں۔ جو مشرق میں بہت پائی
۔ انگریزی کا لفظ اساسین (قاتل) اسی سے نکلا ہے۔ یہ فرقہ نزار بن
کے انتقال کے چند سال بعد پیدا ہوا۔ جسکی نسبت انکا خیال
مفانہ طور سے باپ کے جانشین ہونے سے روکا گیا ہے انہوں
بلانے کی قسم کھائی۔ اور اس غرض کے لئے انہوں نے بہت
ت سے کئے۔ اور اپنے حلف کے پورا کرنے میں بسا اوقات
گنوا دی۔ اس خوفناک فرقہ کے پس ماندگان بھی ابتک
ن میں پائے جاتے ہیں۔

م کا آخری گروہ قدیم عربی فرقہ خوارج کی طرف میلان

ظاہر کرتا ہے۔ شیعوں میں معتزلہ وہبوقی فرقے پیدا ہوگئے ہیں ؛

ان فرقوں کا نہ صرف یمن ایک نہایت عجیب جو اہم اثر پڑا۔ اس کو کما حقہ بیان کرنا مشکل ہے۔ تمام و کمال فرمانروا خاندان انہیں سے پیدا ہوتے رہے اسلام کے ابتدائی زمانہ سے ہم ان فرقوں کو باہم لڑتے جھگڑتے دیکھتے ہیں۔ اہل سنت تو خیر البتہ شیعہ سینکڑوں فرقوں پر منقسم ہوگئے ہیں۔ اور ہر ایک کا اعتقاد جداگانہ ہے ؛

ان فرقوں میں سے ایک جو اسوقت یمن میں اپنی موجودگی کو محسوس کروا رہا ہے نیز دیگر اسلامی دنیا پر بھی اسکا اثر پڑ رہا ہے۔ وہ المہدی سنوسی کا جدید مذہب ہے۔ اس کے پیرووں کی کثرت کے لحاظ سے اسکا آیندہ اسلامی طاقت بن جانا ممکن ہے۔ سنوسی کے بارے میں چند الفاظ بیجا نہ ہوں گے شیخ سنوسی کی کوشش یہ ہے کہ اسلام پھر اپنی اصلی سادگی و پاکیزگی پر آجائے۔ اسکی تمدنی۔ اخلاقی۔ اور مذہبی اصول از سر نو زندہ کئے جائیں۔ اس بارہ میں سنوسی کی تعلیم شیعہ و سنّی دو مذہبوں سے مشابہت رکھتی ہے۔ اوّل الذکر سے حکومت الٰہیہ کی خواہش میں اور موخر الذکر سے سنت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ بعض خاص نمازوں کے ادا کرنے سے بھی یہ فرقہ امتیاز رکھتا ہے۔ نیز وہابیوں کی مانند موسیقی۔ ناچنا۔ گانا۔ اور قہوہ اس مذہب میں حرام ہے فی الواقعہ شیخ سنوسی نے اسلام کے از سر نو زندہ کرنے میں پہ اسنے اسلامی فرقوں کی اکثر ہدایتیں اور تعلیمیں شامل کرلی ہیں۔ خود شیخ کا انتقال ہو چکا ہے اسکا لڑکا بجائے اسکے اب سرگروہ ہے۔ ریگستان مابین مصر و ٹریپولی میں سیواہ کے متصل رہتا ہے۔ جو امر اس فرقہ کو اسقدر مہتم بالشان بناتا ہے۔ وہ اس کی پولیٹیکل قوت ہے۔ اور پیشین گوئی کی جا سکتی ہے۔ افریقہ میں عیسائیت کے خلاف اسلام کی آیندہ شورش خواہ وہ کسی صورت میں ظہور پذیر ہو۔ اسکی اصلیت کا منبع اسی تحریک پر منتہی ہوگا۔ مصنف نے چند ماہ کے قیام میں دیکھا کہ

شمالی لینڈ اور مراکو میں مذہب سنیوسی کا وعظ کہا جاتا ہے۔ ان دونو ملکوں نیز ٹیونس۔ ٹریپولی اور ریاست فیضان میں بھی سنیوسی ازم مضبوطی سے جڑ پکڑ گیا ہے۔ اگر اسلام میں ایک نئی تحریک کے پیدا ہونے کا امکان ہے۔ تو حامی سنیوسی ازم ہے۔ جو اپنی اصلی جگہ سے دور دراز مقامات میں پھیل رہا ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ دلوں پر کیسی بڑی طاقت رکھتا ہے؟ یہ افریقہ میں یورپین اولوالعزمیوں کا سخت مزاحم نظر آتا ہے۔ بلاشبہ یہ مذہبی خبط کی رگ جو اندر ہی سلگ رہی ہے۔ شرر رو شعلہ فشاں ہوگی۔

پانچواں باب

یمن میں بغاوت

بابعالی کو کم از کم اپنے مقبوضات میں سے ایک طرف سے کبھی آرام نصیب نہیں ہوا۔ اگرچہ ترکی گورنمنٹ نے بغاوت یمن کے فرو کرنے کے دوران میں ہر طرح یورپ کی نگاہوں میں خاک جھونکنے کی کوشش کی لیکن وقتاً فوقتاً قرائن سے ظاہر ہوتا رہا ہے۔ کہ بابعالی یمن کے ہنگاموں کو کسقدر اہم اور نازک تصور کرتا رہا ہے۔ خبروں کے اس قسم کے غیر مسلسل اجزا سے بغاوت یمن کے حالات کا پورا سراغ لگانا ناممکن ہے۔ لیکن راقم جسنے دوران بغاوت میں یمن میں چارسو میل کا سفر کیا ہے۔ چند یونانی دکانداروں کے سوا اکیلا یورپین تھا جس نے بچشم خود شورش کی کچھ کیفیت دیکھنے کا موقع ملا۔ اور اس طرح اس نے اس مضمون کے متعلق معلومات بہم پہونچائیں۔

حالات بغاوت پر خامہ فرسائی کرنے سے پیشتر یہ دکھانا ضروری ہے

شیخ الاسلام [illegible] (۱۱۱) [illegible]

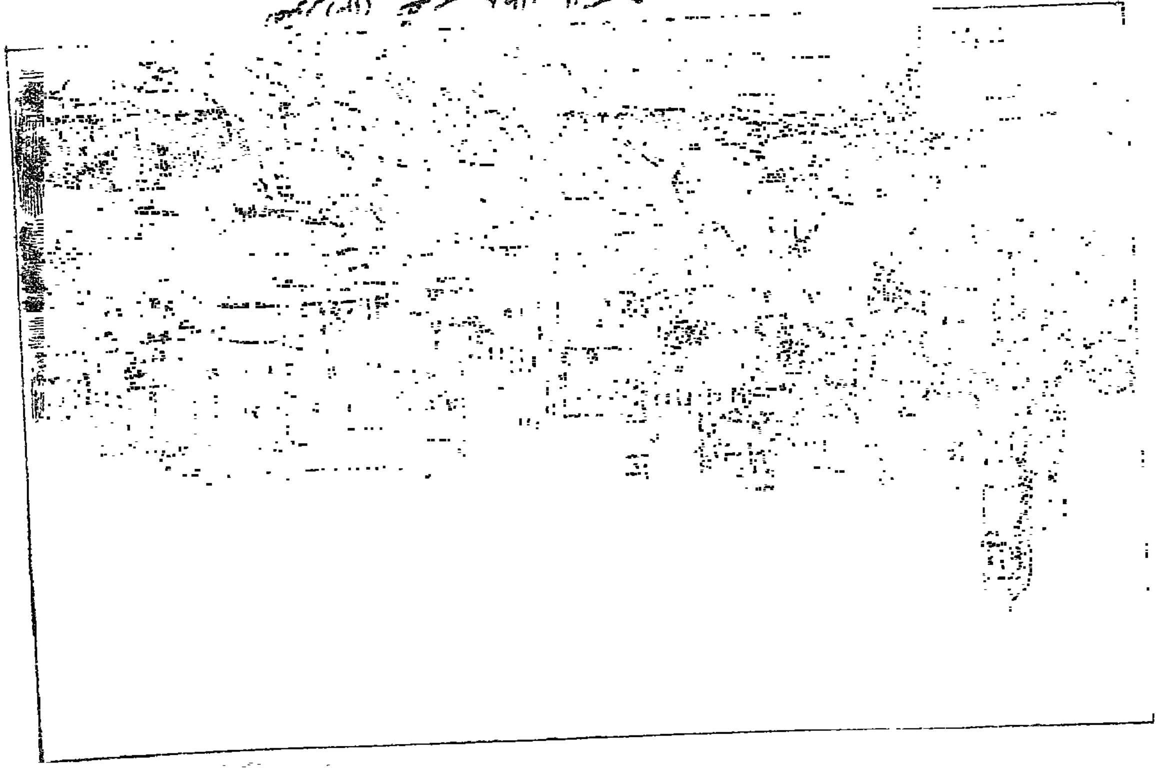

کہ سلطان ترکی مقبوضات عرب کو کسقدر قیمتی و گرانبہا تصور کرتا ہے۔ بالصرف انہیں مقبوضات پر اسکی خلافت کا دعویٰ مبنی ہے۔ اور انہیں کی بدولت مسلمانوں کی نگاہوں میں اسکا اعزاز و احترام ہے۔ مسلمان شہنشاہوں میں وہ سب سے عظیم الاقتدار ہے گو بعض اسلامی فرقے اسے مذہبی مقتدا نہیں مانتے۔ تاہم مکہ و مدینہ جیسے مقدس شہروں پر تسلط اس کے وقار کو بہت کچھ بڑھانیکا موجب ہے۔ ہر سال دنیا کے ہر ایک حصہ سے حاجی مکہ جاتے ہیں۔ وہاں فرمانروا ترکوں سے ملاقی ہوتے ہیں مساجد میں روزانہ خلیفۃ المسلمین کے واسطے دعا مانگی جاتی ہوئی دیکھتے ہیں۔ پس ان کی نگاہوں میں سلطان اور مقدس مقامات لازم و ملزوم نظر آتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ ایک وسیع قطعہ ملک کے ذریعہ سے جنہیں قبائل اثیر آباد صوبہ حجاز جس میں مکہ و مدینہ واقع ہیں۔ صوبہ یمن سے جدا ہے۔ لیکن قبائل اثیر صوبہ یمن کے مذہبی امور سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ اور ایک طرح سے شیعہ ہیں۔ وہ سلطان کو جائز خلیفہ نہیں مانتے۔ پس اقوام اثیر نہ صرف اہل یمن سے گوشت و خون کا رشتہ رکھتے ہیں۔ بلکہ مذہباً بھی متحد ہیں۔ جو تمام ریاستوں سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہے۔ پس یمن میں بغاوت اقوام اثیر سے جنگ کا پیش خیمہ ہوگی۔ کوہستان اثیر میں ترکی حکومت ہمیشہ برائے نام رہی ہے۔ پس انکا عثمانی گورنمنٹ کو ناجائز بتانا ترکی کے لئے کچھ کم خطرناک نہیں۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ کہیں اسکا اثر صوبہ حجاز تک نہ سرایت کر جائے۔ اگرچہ خاندان شریفیہ جو مکہ میں حکمران ہے۔ سلطان کا وظیفہ خوار ہے۔ لیکن اگر اسے کامیابی کی توقع ہو۔ تو وہ کبھی اپنی خود مختاری کے اعلان میں توقف نہ کرے۔ کیونکہ وہ حضرت رسول خدا کے خاندان سے ہے۔ اسکی خود مختاری سے گویا خلافت خاندان نبوت میں آجائیگی۔ حجاز کے بدو اور دیگر شہروں کے باشندے ایسی حالت میں شریف کی امداد و اطاعت کو ترجیح دیں گے۔

پس یمن کی کامیاب بغاوت کا صرف یہی نتیجہ ہوگا۔ کہ ترک اپنے انتہائی

جنوب کے عربی مقبوضات کو کھو بیٹھیں گے۔ بلکہ صوبہ حجاز بھی ہاتھ سے نکل جائیگا اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی نگاہوں میں سلطان کی عظمت و وقعت کم ہو جائے گی۔ لاکھوں مسلمان روزانہ مساجد میں خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید کیواسطے دعا کرتے ہیں۔ جس کا سلسلہ مسدود ہو جائیگا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فرمانروائے استنبول اپنے دنیاوی اختیارات سے زیادہ مذہبی اقتدار اور خطاب خلیفۃ المومنین کی قدر کرتا ہے۔ بحیثیت خلیفہ وہ تمام سنیوں کی نگاہوں میں دنیائے اسلام کا سلطان اور حضرت رسول کا جانشین ہے۔ دوسری صورت میں وہ محض ایک سلطان ہے۔ اور ایک اجنبی شخص ہے۔ حتیٰ کہ عربی قوم سے بھی نہیں۔ ہاں اس کے بزرگ بزور شمشیر ملک فتح کرکے اسکے لئے حکومت چھوڑ گئے ہیں؛

ان بیانات سے بخوبی واضح ہو گیا ہوگا کہ سلطان و بابعالی ترکی مقبوضات یمن کا بحال رکھنا کسقدر ضروری ہے؛

گو سنہ ۱۸۹۱ء سے پیشتر بغاوت یمن ظاہر طور پر مشتعل نہیں ہوگی۔ لیکن ترک بہت عرصہ پہلے سے جانتے تھے کہ عربوں سے آپکو تعلقات روز بروز نازک ہوتے جاتے ہیں۔ کیونکہ حکام دارالخلافت سے دور رہکر جبر و تشدد پر برابر عامل تھے۔ وہ جانتے تھے کہ حکومت چند روزہ ہے۔ دوسرے گورنر یا حاکم کے آنے سے پیشتر جسقدر روپیہ ممکن ہوسکے جمع کرلیا جائے۔ اگر بغاوت کا الزام عاید ہوگا تو ہمارے جانشینوں پر ہوگا۔ ہم لیکر چلتے بنیں گے۔ "سورج کی روشنی ہی میں اپنی گھاس فراہم کرلو" ایک مشہور مقولہ ہے۔ ترکی حکام کے لئے سورج صرف تھوڑی ہی دیر تک چمکتا ہے۔ یہ انکی کوتہ اندیشی ہے کہ ذمہ داری جانشینوں پر ڈالدیتے ہیں۔ پس یہ ترکی حکام کا سب سے بڑا نقص ہے۔ اکثر خیال کرتا ہے کہ "میں جلد دولتمند ہوجاؤں۔ ورنہ ایک دو ماہ کے بعد مجھے موقعہ نہ ملیگا۔ اس قلیل زمانہ حکومت میں مجھے اسقدر روپیہ فراہم کرلینا چاہئے۔ جس پر میں کنارہ کشی کے بعد گذارہ کرسکوں۔ کیا ہوگا! میری پالیسی کا نتیجہ کسقدر مضر نکلیگا۔ مجھے اسکی ذرا بھی

پرواہ نہیں۔ اور نہ مجھے اس سے کوئی تعلق ہے۔

اسی قسم کی خود غرضانہ پالیسی پر عملدرآمد نے اہل عرب میں بغاوت کی رگ مشتعل کر دی۔ بغاوت ناگہانی طور پر پیدا ہوئی۔ اب سے چند سال پہلے ہی عربوں نے ترکی حکام سے خونخوار انتقام لینے کی ٹھان لی تھی۔ اگرچہ اگرچہ عربوں کی کارروائیاں سخت ظالمانہ اور سفاکانہ تھیں۔ تاہم ناقابل برداشت ظلموں کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ مظالم زیادہ ستانے کے خلاف عربوں نے صنعا میں فریاد کی۔ قسطنطنیہ تک پہنچے۔ لیکن بے سود۔

عربوں کے متعدد انتقامی کارروائیوں میں سے میں یہاں ایک کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ دہمار میں جو یمن کا ایک بہت بڑا شہر ہے۔ محمد رشتی پاشا سپہ سالار رہتا تھا۔ اسکی ایک ہمسایہ قبیلہ سے مقدار ٹیکس کے بارے میں بگڑ گئی۔ پاشا پوری رقم مانگتا تھا۔ اس پر عرب شیخ اور پاشا میں جنگ شروع ہو گئی۔ شیخ شہر سے بھاگ گیا۔ لیکن اسنے انتقام لینے کی قسم کھا لی۔ چند روز کے بعد جب رشتی پاشا کسی دوسرے مقام پر طلب کیا گیا تھا۔ تو مفرور شیخ نے پاشا کی غیبت میں اسکا مکان بارود سے اڑا دیا۔ اسکی بیویاں۔ بچے اور ملازم جنکی تعداد گیارہ بتائی جاتی ہے۔ ہلاک ہوئے۔ پاشا نہایت تیزی سے دہمار واپس آیا۔ اور شہر کی موجودہ فوج سے قبیلہ مخالف کا قلع و قمع کر ڈالا۔ اپنی تلف شدہ بیوی بچوں کی قبروں کے متصل ایک مسجد بنوائی۔ اور قبروں پر ایک گنبد تعمیر کروایا۔ جسے اندر کی طرف ریشمی پردوں وغیرہ سے آراستہ کیا۔ پاشا موصوف یہاں جاتا۔ اور تنہا بیٹھتا۔ گذشتہ نومبر میں عربوں نے دہمار پر قبضہ کر کے اس مقبرہ کو لوٹ لیا۔ جب راقم جنوری میں اس شہر میں تھا۔ جب کہ ترک مکرر دہمار کو اپنے قبضے میں لے چکے تھے۔ تو یہ قبر و مسجد انہدام کی حالت میں تھی۔

غرضیکہ ترکوں کے خلاف اہل یمن کا غبار اسقدر زبردست تھا۔ کہ اس

قسم کے وسایل انتقاماً استعمال کرنے کی ضرورت پڑتی۔ جن میں سے ہمنے ایک کا ذکر کیا ہے۔ حکام کو ان باتوں سے مجتنب ہونا چاہیے تھا۔ لیکن قسطنطنیہ کے خزانے بھرنے کی کوشش، پاشاؤں کے عیش وعشرت و جرم سزاؤں کے اخراجات نیز مذہبی اختلاف سے تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق شہریوں کو برانگیختہ کر دیا۔ چنانچہ گذشتہ سے پیوستہ سال کے موسم گرما میں بغاوت بپا ہو گئی۔ سنہ ۱۸۷۲ء میں یمن کے فتح کرنے سے پیشتر گو ترک سواحل پر قابض تھے۔ لیکن مملکت اندرونی میں اہل یمن کی اپنی حکومت تھی۔ اور امام ان پر فرمانروا تھا۔ جو ان کا ہم مذہب یعنی زیدیہ فرقہ کا شیعہ تھا۔ اہل یمن کے اعتقاد کے مطابق سلطان ایسا شخص ہونا چاہیے تھا جسکا سلسلہ نسب حضرت علیؓ بن ابو طالب کی رسالت سے حضرت رسول خدا تک پہنچتا ہے۔ چونکہ یہ شرائط ان کے امام میں موجود تھیں۔ لہٰذا وہ اس کے تخت کا ادب کرتے تھے۔ اگرچہ بادشاہت مختلف یمن میں غیر ملک کے لوگ بھی فرمانروا رہے ہیں۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یمن کا اصلی حکمران خاندان مفقود نہیں ہوا۔

صنعا جو اب ترکی یمن کا دارالحکومت ہے۔ امام کا تخت گاہ تھا۔ یہ ایک بڑا شہر ہے۔ جو شمال عدن میں تخمیناً دو سو چالیس میل اور حدیدہ کے مشرق میں ایک سو ساٹھ میل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہاں امام مشرقی حکمرانوں کیطرح خلوت میں عیش وعشرت سے زندگی بسر کرتا تھا۔ جسے عرب اپنا روحانی مقتدا مانتے تھے۔ لیکن امام اقوام کی خانہ جنگیوں۔ قطاع الطریق اور چوریوں کے روکنے کے ناقابل تھا۔ جو مشرقی طریق پر ایک دوسرے فرقوں کو نیست و نابود کرنے میں اپنی کوششوں کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے۔ جبتک روپیہ ملتا رہا۔ امام نے بیرونی امور کی طرف توجہ نہ کی۔ اور اپنے خانگی کاروبار ہی میں منہمک رہا۔ جو عرب اسکی زیارت کو آتے تھے۔ ان سے نذر و نیاز وصول کرتا رہا۔ مذہبی تعلیم کے علاوہ اسے اور کسی قسم کی دنیاوی تعلیم نہ ہوئی تھی۔

نہ تو وہ حکومت ہی کی نیابت رکھتا تھا۔ اور نہ اُسے بطور سپاہی اور منتظم سپاہ ہی کی شہرت حاصل کی تھی۔

ملک کی حالت اسقدر ابتر ہوگئی کہ کاروانوں کے لوٹے جانے سے تجارت بند ہوگئی۔ صنعا کے عرب سوداگروں کو تباہی کے سوا کوئی چیز نظر نہ آئی۔ انہوں نے محض اپنے فائدے کے خیال سے زراعت پیشہ گروہ کی بہبودی کو نظر انداز کرکے ترکوں کو بلایا۔ کہ یمن پر قبضہ کریں۔ چنانچہ سنہ ۱۸۷۲ء میں ترکی سپاہ نے حدیدہ سے آکر یہ کام تکمیل پہ پہونچایا۔ امام معزول کیا گیا۔ لیکن عربوں پر بہت بڑا اقتدار رکھنے کی وجہ سے اسے صنعا میں رہنے کی اجازت دیگئی۔ نیز اس شرط پر کہ عثمانیہ گورنمنٹ کے فوائد میں ساعی رہے اسے پنشن بھی مرحمت ہوئی۔ شرط مذکور ان کو آخر دم تک پورا کیا۔ اسکے بعد اسکا عزیز احمد الدین جانشین ہوا۔ اور ترکوں سے وظیفہ لیتا رہا۔

گذشتہ سال تک ترکی قبضہ یمن کی یہ تاریخ تھی جو حوالہ قلم ہوئی۔ امام کے زمانہ میں اقوام کاروبار زراعت و باہمی جنگ و جدل کیلئے آزاد چھوڑ دی گئی تھیں اور وہ اپنی صدہا سال کی آزادی پر نازاں تھیں۔ لیکن ترکی حکومت کے بعد وہ علاقوں سے کچھ بہتر رہ گئے۔ ایسے مظلوم کہ ہر چیز پر ٹیکس لگایا گیا۔ غرضیکہ مفلس و قلاش ہوکر یہ لوگ ترکوں کی حمایت سے بیزار ہوگئے۔ اگرچہ وہ اسکے ہم خیال تھے۔ لیکن مذہبی خیالات میں انکا اتفاق نہ تھا۔

اسطرح اندرونی آگ مشتعل ہوگئی۔ گو اسکی قسمت میں آخر کار ٹھنڈا کر بجھ جانا لکھا تھا۔

گورنر لوہیہ کی درخواست پر چار سو ترکی سپاہیوں کا دستہ بنی مروان سے جو قبیلہ اشیر کی ایک شاخ ہے۔ و دیگر لوگوں سے زبردستی ٹیکس وصول کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ لحیہ شمال حدیدہ میں بحر احمر کی ایک بندرگاہ ہے اس فوج کا افسر وہی محمد رشدی پاشا تھا۔ جسکا گھر دھار میں جلایا گیا تھا۔ ہم

ترکوں میں صریحاً ناکامی ہوئی۔ عربوں کی ایک بھاری فوج ان پر دفعتہً آ پڑی۔ ایک قلعہ میں پناہ گزین ہونے سے پیشتر تمام ترکی فوج تقریباً برباد ہوگئی۔ اور ان تلف شدگان میں رشدی پاشا بھی تھا ؛

یمن جیسے ممالک میں چیزیں نہایت سرعت سے ایک مقام سے دوسرے مقام میں پہنچتی ہیں۔ عربوں نے جب اس ترکی دستہ کی ناکامی کی مبالغہ آمیز افواہیں سنیں تو انہیں یقین ہوگیا کہ اب آزادی کا وقت آگیا ہے۔ اور یہ کہ یمن و حجاز کے مابین تمام قبائل اشیر بغاوت پہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اور ترکوں کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں جہاں افواہ پہنچی۔ لوگ علم بغاوت بلند کرتے گئے "خدا امام کو فتح و نصرت دے" کی صدائیں یمن کے کوہستانوں اور وادیوں میں گونجنے لگیں ؛

اس اثناء میں باغیوں کا ہیرو احمد الدین واقعات سے بے خبر امن و امان سے ترکی وظیفہ پہ صنعا میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ وہ کسی روز اپنے کو فرمانروا ہونیکو ممکن سمجھتا تھا۔ اور بخوبی جانتا تھا۔ کہ ہنوز علانیہ بغاوت کا موقعہ نہیں۔ تقریباً اپنی خواہش کے خلاف یہ دارالحکومت سے بھاگ گئے اور باغیوں کے سرگروہ ہونے پہ مجبور کیا گیا۔ گو یہ مشرق قبل از وقت تھی۔ تاہم اسکے رفقا کی مستعدی و سرگرمی اسے حکمرانوں کچھ نہ کچھ توقع دلا رہی ہوگی ؛

(رب اپنا روحانی

پس اب نیا جہاد شروع ہوگیا۔ ترکوں کو خارج یا نیست ترقی اور چوریوں محبوب قلوب احمد الدین کو دوبارہ مسند نشین کرنے کا۔ یہ فرقوں کو نیست بجائے ذاتی لیاقت کے صرف حضرت محمدؐ کی نسل ہونے سے تھے۔ جبتک روپیہ محبت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ یکے لی۔ اور اپنے خانگی کاروبار دیکھتے ہوئے۔ البتہ تہامہ اور جنوبی ریگستانیوں کے ان سے نذر و نیاز و صوابت کے سوا کوئی جایداد نہ رکھتے تھے۔ نیز خانہ بدوش ہونیکی وجہ سے ترکوں یا

عربوں کو یکساں سمجھتے تھے۔ بہ[illegible] نتیجہ تک دونوں سے علیحدہ رہے بہت سے سوداگروں اور ایسے شہ[illegible]ں نے بھی یہی پالیسی اختیار کی جو حکام سے رسوخ رکھنے کی وجہ سے غیر منصفانہ ٹیکسوں۔ اور جبر و تشدد سے محفوظ تھے۔ بلکہ وہ ترکوں سے بعض اضلاع سے ٹیکس وصول کرنیکا اجارہ بھی لے لیا کرتے تھے۔ کیونکہ یمن میں ٹیکس لگانے کا کام محض تجارتی اصول پر مبنی ہے۔ جو وقتاً فوقتاً نیلام کے ذریعے سے فروخت کیا جاتا ہے۔ گو اس طریقہ سے گورنمنٹ بہت سی تکالیف سے بچ جاتی ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی وہ گویا اجارہ دارادہ کو ظلم و تشدد کی جسارت دلاتی ہے؛

اس بغاوت کو فرو کرنے کے وقت ترک کس حالت میں تھے؟ ملک میں سپاہ کی تعداد سولہ ہزار تخمینہ کیگئی تھی۔ حالانکہ دراصل اس سے بہت کم تھی کیونکہ گذشتہ دو سالوں میں ہیضے نے فوج میں خوب تباہی پھیلائی تھی۔ لشکر مذکور ترکی باقاعدہ دستہ۔ باشی بزوق۔ اور عربی سپاہیوں سے مرکب تھا۔ موخر الذکر سپاہی مشارک اور حضرموت واقع مشرق یمن سے تعلق رکھتے تھے۔ انہیں باقاعدہ تنخواہ ملتی ہے۔ اس بات کی کچھ پروا نہ تھی کہ وہ کس علاقوں پر لڑ رہے ہیں۔ یا کہ ہم کس غرض سے معرکہ آرا ہیں؟ ترکی سپاہ مفلس و قلاش۔ حالت نہایت سقیم تھی۔ انہیں بُری غذا دی جاتی تھی۔ بدلباس ہم خیال تھے۔ بیچارے سوکھ کر کانٹا رہ گئے تھے۔ ناقص مکانوں میں رہتے تھے اسطرح ادھوری تنخواہ ملتی تھی۔ پس یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اسکے جانا لکھا تھا [illegible] تھے۔ درانحالیکہ وہ اسی سرزمین میں رہتے تھے۔ جہاں گورنر لوہیہ کی درخواست پر کے سایہ میں ایک سو درجہ کی گرمی ہوتی ہے جو قبیلہ اشیر کی ایک شاخ تھا جہاں برفباری کے صدمے جھیلتے تھے۔ غم کے لئے بھیجا گیا۔ لوہیہ سطح از سے ۹ ہزار فیٹ بلند کوہستانوں پر انہیں منطقہ حارہ کی تمام تکالیف کا متحمل ہونا پڑتا تھا۔ راقم نے یمن میں

ترکی سپاہیوں کو جس حال زار میں [illegible] کی ایک سے زیادہ درد انگیز نظارہ کبھی اسکی نگاہوں سے نہیں گذرا۔ تاہم یہ [illegible] کی بجائے آدمیوں کے شیطانوں کی طرح لڑتے ہیں ؛

امام کے مفرور ہونے کے چند روز بعد عربوں کی بھاری سپاہ نے صنعا کا محاصرہ کر لیا۔ اسیطرح عمران کے شہر [illegible] کے گرد بھی محاصرہ ڈال دیا۔ چنانچہ اس نے محض برائے نام مزاحمت کی۔ باقیماندہ سپاہ نے ہتھیار رکھدیئے جو قیدی بنائے گئے۔ ان میں ترکی فوجی گورنر بھی تھا۔ ذمار و یریم میں بھی یہی کیفیت واقع ہوئی۔ جو اس سڑک پر آباد ہیں جو صنعا سے عدن کو گئی ہے مزید براں یکے بعد دیگرے اب جبلہ اور طائف صنعا کے جنوب کے تینوں بڑے شہر باغیوں کے قبضے میں آ گئے۔ تمام ترکی قیدیوں کو جان کی امان دیگئی بعض دلی خواہش سے عربوں کے شریک حال ہو گئے۔ [illegible] عافیت کو ترجیح دی۔ عربوں نے ہتھیار رکھوا کے انہیں رخصت کر دیا۔ اور قیدی امام کے پاس بھیجے گئے۔ جہاں امام کے طور پر سکونت پذیر رہے۔ اغلباً بہیں اس امید سے کھانا دیا جاتا تھا کہ وہ بھی عربوں کے رفیق ہو کر اپنی جنگی [illegible] سے فائدہ پہنچائیں۔ شاذ و نادر صورتوں میں عرب اپنے زمانہ فتح [illegible] سے بدسلوکی سے پیش آئے۔ حتی کہ جب بغاوت کا جوش کم ہو گیا۔ [illegible] نے ایسے عربی اضلاع ترکی مفرور سپاہیوں کو دیکھا۔ جہاں تک عثمانی فوج کا گذر نہ ہو سکتا تھا۔ تاہم ان بھاگے ہوئے سپاہیوں کو کھانا اور کپڑا بہم پہنچایا جاتا تھا بہت سی حالتوں میں انکے [illegible] دشمنوں نے روپیہ بھی دیا تاکہ وہ عدن پہنچ جائیں یا کسی اور صورت سے فوجی زندگی بسر کرنے سے بچ جائیں ؛

اسوقت حدیدہ سے طلب اعانت میں تاروں پر تاریں قسطنطنیہ میں موصول ہو رہی تھیں۔ آخر کار باب عالی کو علم ہوا کہ [illegible] حالات کس قدر نازک ہو گئے ہیں ؟ - لہذا اس نے اپنی تمام تر توجہ میدان جنگ [illegible] سپاہ بھیجنے پر صرف کر دی جس وقت

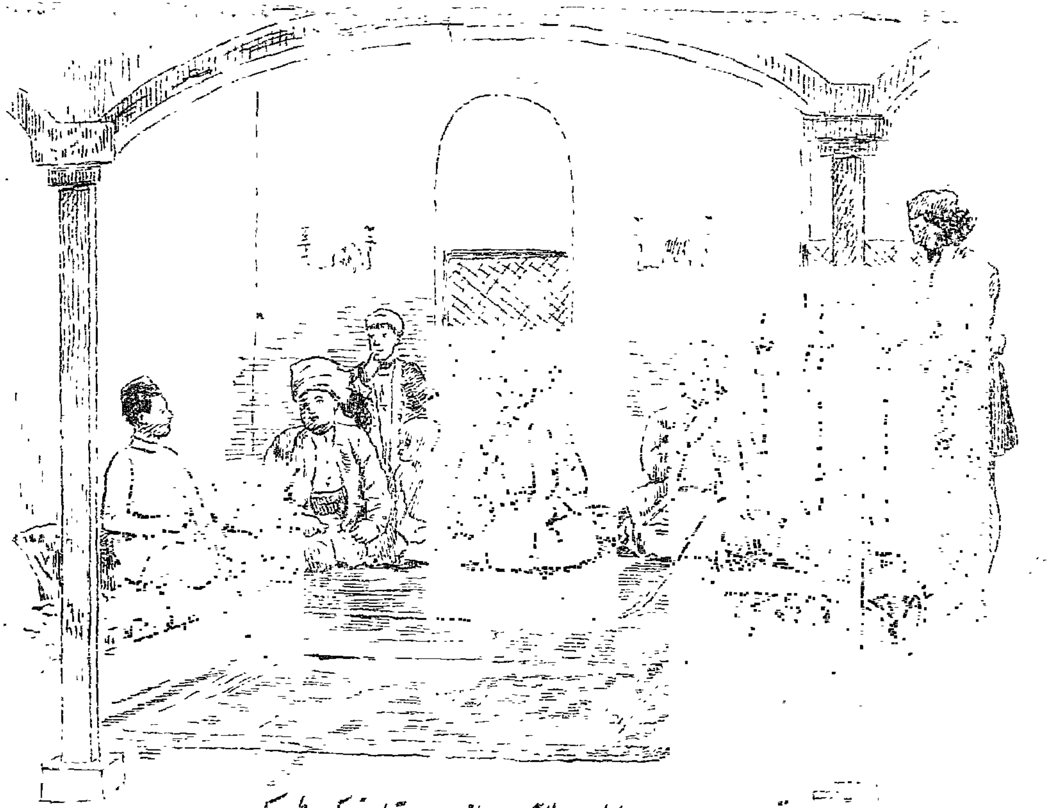

تصویر نمبر ۱۱ سلطان لاچین نے مصری تواضع کسی طرح کی

کمکی فوج حدیدہ کو روانہ ہوئی۔ اُس وقت تمام اضلاع بہ استثنائے صنعا و عمران اور اثیر کے ایک چھوٹے سے شہر دوفہ کے عربوں کے قبضے میں آ چکے تھے۔ میدانی اور ساحلی قصبات اس شورش سے الگ تھلگ رہے۔ شاید اس کی یہ وجہ ہوگی۔ کہ وہاں قواعد داں ترکی سپاہ موجود تھی ورنہ ان مقامات کے باشندے بھی دیگر حصص سے کچھ کم آزادی کے خواہاں نہ تھے۔ بنی مروان جنکے بہت سے دیہات ساحل بحر پر واقع ہیں کمال بیرحمی سے دو اگنبوٹوں کے اتواپ کا نشانہ بنائے گئے۔

احمد الدین بدستور سداہ میں رہا۔ جہاں سے وہ صنعا سے بھاگ کر پہنچا تھا۔ وہ باغیوں کے ساتھ کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے بغاوت کو کامیابی ہوئی۔ قرائن سے معلوم ہوا ہے کہ اس نے سداہ سے حرکت نہیں کی۔

صنعا آخر اکتوبر میں بھی محاصرہ کی حالت میں تھا۔ سپاہ قلعہ و اہل شہر بھوک اور امراض سے سخت تکلیف اٹھا رہے تھے عمران میں محصورین کی حالت اس سے بھی زیادہ قابل رحم تھی۔

باوجود بُری غذا ملنے اور ہر قسم کے مصائب کے ہدف رہنے کی مٹھی بھر ترکی سپاہ قلعہ کی تعریف کرنی پڑتی ہے۔ جسنے کمال بہادری سے کئی مہینوں تک عربوں کے ٹڈی دل کو روکے رکھا۔ یہ صرف شہر ہی میں نہیں لڑتی رہی۔ بلکہ بسا اوقات شہر سے باہر نکل کر بھی دشمنوں پر حملے کئے۔

اس موقعہ پر شہر صنعا کی مختصر کیفیت بیان کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا تاکہ محاصرین و محصورین کی حالت کا بخوبی موازنہ کیا جا سکے۔

یہ شہر جو پچاس ہزار کی آبادی رکھتا ہے۔ ایک وسیع ہموار وادی میں واقع ہے۔ اور مثلث صورت کا ہے۔ مشرقی گوشہ میں ایک بڑا قلعہ

جہاں سے تمام شہر دکھائی دیتا ہے۔ قلعہ مذکور کوہ نگوم کی سب سے چھوٹی چوٹی پر بنا ہوا ہے۔ کوہ نگوم شہر پناہ کے باہر آسمان سے باتیں کرتا نظر آتا ہے۔ شہر تین حصوں پر منقسم ہے۔ ہر ایک حصے کے گرد دیوار کھنچی ہوئی ہے اور پھر تمام شہر کے گرد شہر پناہ تعمیر کی گئی ہے۔ حصص مذکور علی الترتیب حسب ذیل ہیں۔ (۱) شہر خاص جس میں سرکاری عمارات، بازار اور ترکوں و عربوں کے مکانات ہیں۔ (۲) یہودیوں کا حصہ۔ (۳) بیرالازاب جہاں متمول ترکوں اور عربوں کے باغات و کوٹھیاں ہیں۔ کسی زمانہ میں یہ شہر نہایت دولتمند اور مرفہ الحال تھا۔ اب بھی عرب کے اچھے شہروں میں اسکا شمار ہوتا ہے۔ دکانوں میں یورپ کا اسباب بکثرت موجود رہتا ہے۔ خرید و فروخت جواہرات کے علاوہ اسلحہ سازی اور ریشم کے کارخانے بھی جاری ہیں۔ جس حصے میں سرکاری عمارات ہیں۔ وہاں یورپین خطے کا دھوکا ہوتا ہے۔ یہاں بڑی بڑی ترکی دکانیں۔ قہوہ خانے اور کھلے میدان ہیں ان میدانوں میں سے ایک میں جو گورنر جنرل کے سرکاری مکان کے سامنے ہے۔ فوجی باجہ نوازوں کا دستہ سہ پہر کو میٹھے سروں میں باجہ بجاتا ہے؛

لیکن جب راقم نے اس شہر کو جبکہ یہ مکرر ترکوں کے قبضہ میں آچکا تھا۔ دیکھا۔ تو اسکی حالت دگرگوں تھی۔ ایسا ہونا لازمی تھا۔ کیونکہ ہر طرف سے عربی انبوہ نے اسے گھیر رکھا تھا۔ اور بازاروں میں گولیوں کا مسلسل مینہ برستا رہتا تھا۔ کیونکہ عربوں نے کوہ نگوم پر مورچہ بندی کی تھی۔ اور اس بلند مقام سے اہل شہر کو بہت نقصان پہنچاتے تھے۔ محصورین کی خوش قسمتی سے محاصرین کے پاس توپخانہ نہ تھا۔ ورنہ وہ اسکے ذریعہ سے ضرور شہر میں داخل ہو جاتے۔ تاہم پہاڑوں سے جو گولیاں اہل شہر پر پڑتی تھیں۔ وہ کچھ کم خوف و اضطراب پیدا کرنے کا موجب نہ تھیں۔ بنابریں عربوں کو ان کے بلند مورچوں سے نکالنا لازمی تھا۔ اس غرض کے لئے اگرچہ سپاہ قلعہ نے

باہر نکل نکل کر حملے کئے۔ مگر پوری کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار پاشا نے اپنی تمام سپاہ جمع کر کے وسط نومبر میں آخری یورش کی۔ جبکہ قلعہ سے عربی مورچوں پر خوب آگ برس رہی تھی۔ ترکی سپاہ جنوبی دروازہ سے باہر نکلی۔ اور بہادرانہ حملہ سے باغیوں کو پسپا کر دیا۔ باغی دار السلام کو لوٹ گئے۔ جو صنعاء سے چند میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔ جہاں شاید فصیل کے اندر ایک درجن سنگی مکانات ہونگے۔ توپخانے نے چند چھوٹی میدانی توپیں بہم پہنچا کر اس گاؤں پر آگ برسانی شروع کی۔ اسطرح نہ صرف گاؤں کو تباہ کر دیا۔ بلکہ عربوں کو بھی نہایت سراسیمگی سے مراجعت کرنے پر مجبور کیا جو ہزاروں لاشیں میدان میں چھوڑ گئے۔ لیکن یہ فتح برکت ثابت نہ ہوئی کیونکہ عرب مقتولوں کو دفن کرنیوالا کوئی نہ تھا۔ پس لاشوں کے سڑنے سے شہر میں وبا پھوٹ پڑی۔ اور باشندوں کا ناک میں دم آگیا۔ لاشوں کی بدبو ناقابل برداشت تھی۔ باغیوں نے مضافات شہر میں پہونچکر پھر اپنے پرانے مورچوں پر قبضہ کر لیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ شکست نے انکو بہت پست ہمت بنا دیا تھا۔ لہٰذا محاصرہ کا بقیہ زمانہ پہلے کی طرح سخت نہ رہا۔ کم از کم باغیوں کی طرف سے کسی سخت حملے کا اندیشہ جاتا رہا ؛

لیکن کمک نزدیک تھی۔ ترکی سپاہ ساحل حدیدہ پر اتری۔ احمد فیضی پاشا جو پہلے ملک کے گورنر اور ساتویں ارمی کور کے جنرل تھے۔ اس دفعہ بھی فوج کے سپہ سالار تھے ؛

حدیدہ پہونچکر جب پاشا کو معلوم ہوا کہ حالات بدرجہ غایت نازک ہو گئے ہیں۔ تو اسنے فوراً جنگی کارروائی شروع کر دی۔ کمسریٹ کے انتظار کے بغیر وہ جبل کے راستہ سے ہوجیلہ روانہ ہو گیا۔ ہوجیلہ نامی گاؤں اس پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ جس پر مناطہ آباد ہے۔ جہاں سے صنعا کو سڑک جاتی ہے۔ تین روز کے بعد کمسریٹ کے اونٹ بھی آگئے اور سامان رسد کے

سے ہوئے آ پہونچے۔ سپاہیوں کو الزام دے کر احمد فیضی پاشا نے
ڈھلوان سڑک پر چڑھنا شروع کیا۔ یہاں پہلی مرتبہ مزاحمت ہوئی لیکن
نکہ ترکی سپاہی تازہ دم تھے۔ اسلئے خوب لڑے۔ اور اعلیٰ اسلحہ اپنا کام
گئے۔ مزاحمت کو دور کرنے کے تھوڑے سے توقف کے بعد ترکی سپاہ
ناطہ پہونچ گئی؂

مناطہ کی طرح دنیا میں کوئی شہر راستہ پر واقع نہیں۔ یہ سمندر سے
سات ہزار چھ سو فیٹ بلند ایک ڈھلوان چٹان کے اونچے تنگ حصّہ پر
دو سلسلہ ہائے کوہ کو پیوست کرتا ہے۔ آباد ہے۔ شہر کے دونوں طرف
ہزار فیٹ سے زیادہ گہری ڈھلوان چٹانیں ہیں۔ قصبہ ایسے تنگ
قطعہ پر بسا ہوا ہے۔ کہ جہاں بہت سے ایسے مقامات ہیں۔ کہ انسان
ں سے دونوں گہرائیوں کو چپ و راست ایک ہی وقت میں دیکھ سکتا ہے
ریا کی طرف سے شہر میں پہونچنے کے لئے صرف ایک ڈھلوان پہاڑی راستہ
مشرق کی جانب سے داخل ہونے کا راستہ ایک تنگ پٹری ہے جو ڈھلوان
ن میں کاٹی گئی ہے۔ اگر مناطہ ترتیب یافتہ سپاہ کے ہاتھ میں ہو۔ تو کوئی
ن اسے مسخر نہیں کرسکتا۔ لیکن عرب مدافعت کرنیوالوں نے یہ دیکھکر کہ
فوج کس بہادری سے لڑتی ہوئی ہوجیلہ میں داخل ہوئی۔ مناطہ میں
ت مقابلہ نہ کیا۔ نیز چونکہ یہ توڑے دار بندوقوں سے مسلح تھے۔ اور بہت
یہ صرف بھالے ہی رکھتے تھے۔ اسلئے وہ ترکوں کے میدانی توپ کے
بلہ نہیں جو ایک دو ہی میں ہوجیلہ سے مناطہ پہونچ گئے تھے۔ زیادہ دیر
ٹھہر نہ سکے تھے۔ صرف چند ترکی لڑائیوں کے بعد باغی بھاگ گئے۔ اور
بالآخر مناطہ پر مسلط ہوگئے۔ حفاظت قلعہ اور راستہ کو کھلا رکھنے کے
لئے کافی سپاہ چھوڑ کر احمد فیضی نے صنعاء کی طرف کوچ کیا۔ مناطہ سے تقریباً
میل کے فاصلہ پر دار الحکومت کی سڑک پر ایک مقام ہجیرت المہدی

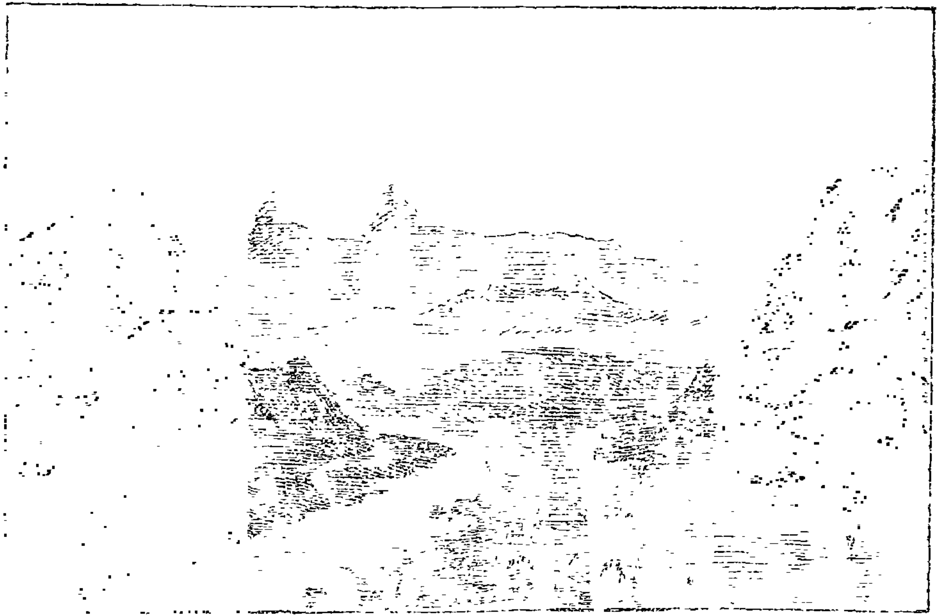

تصویر ۱۱۵   گلگت میں ایک پہاڑی وادی

کے نام سے واقع ہے۔ جہاں راستہ اسقدر تنگ و مخدوش ہے۔ کہ مزاحمت کے بغیر بھی وہاں گذرنا آسان نہیں۔ یہاں احمد الدین کے چچا زاد بھائی سید المشرائع نے مورچہ بندی کی ہوئی تھی۔ بارہ روز کے جنگ و جدل کے بعد ترک اس راستے سے گذرنے کے قابل ہوئے۔ بعض دیہات پر گولہ باری کرنے کے لئے بھڑکی ہوئی ترکی سپاہ متعجلانہ کوچ سے صنعا پہنچی۔ جب عرب محاصرین کوہ نگوم نے ترکی سپاہ کو دیکھا۔ تو وہ مشرقی کوہستانوں کو لوٹ گئے۔ جہاں ترکی سپاہ انکا تعاقب نہ کرسکتی تھی ؎

دارالحکومت عربوں سے واپس لے لیا گیا۔ احمد فیضی سست نہ تھا۔ وہ سپاہ عمران کی کمک کے لئے عین وقت پر پہنچا۔ وہاں بھی صنعا کیطرح ترکی سپاہ کے پہنچتے ہی باغیوں نے صنعا واپس آکر ان سے بدنظمی کو دور کرنے کی طرف توجہ کی۔ اسماعیل پاشا کو معقول سپاہ دیکر دھمار اور یریم کی فتح کے لئے بھیجا۔ فوجی قانون نافذ کر دیا گیا۔ جو گویا اس حالت میں کوئی قانون نہ تھا۔ نئے گورنر جنرل نے ہر ایک باغی کے سر کیواسطے انعام مقرر کیا اور ترکی سپاہ کو عربی دیہات کے تاخت و تاراج کیلئے آزادی دیدی۔ اسماعیل پاشا نے جنوب کی طرف کوچ کرکے معابر میں مقام کیا جبل انیس کے دیہات پر گولہ باری کی۔ دھمار بلا مزاحمت قبضے میں آگیا۔ یہاں کافی فوج چھوڑکر یریم روانہ ہوا۔ وہاں سے سدرہ و سوبہ کے راستے سے کتابہ کا رخ کیا۔ جہاں راقم نے وسط جنوری گذشتہ میں اسماعیل پاشا کو چار سو سپاہیوں کے ساتھ [illegible] پایا [illegible] تھا۔ اور ثلا قلعے بلا کسی مقابلہ و مزاحمت کے ترکی قبضے میں آگئے ؎

دنیا میں کوئی قوم ترکوں سے زیادہ سرعت سے بغاوت فرو کرنے میں کمال نہیں رکھتی۔ لیکن وہ ہرگز پسند نہیں کرتے۔ کہ کوئی اور شخص انکی یہ کارروائی دیکھے۔ صنعاء میں راقم کے دفعتہً نمودار ہو جانے سے احمد فیضی

۳۰۸۸۱

پاشا کو جبکہ وہ اس کام میں مصروف تھا سخت تردد پیدا ہوا۔ چنانچہ راقم معہ رفقا کے قید میں ڈالدیا گیا۔ حالانکہ میرے پاس پروانہ جات رہداری موجود تھا۔ مگر اس پر بھی جاسوس کا اشتباہ کیا گیا۔ یہاں تک کہ قیدخانہ کی مزاحمت حالت اور بُرے پالی کی وجہ سے راقم بخار میں سخت طور سے مبتلا ہوگیا۔ غالبًا پاشا نے اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ بخار سے مر ہی نہ جائے اور مفت کی جواب دہی عائد ہو۔ اسے زندہ ہی چھوڑ دینا بہتر ہے۔ راقم کو رہا کردیا۔ اور فوجی گارد کے ساتھ حدیدہ بھیجدیا۔ نیز مجھے حکم تھا۔ کہ میں حدیدہ سے بھی جلد روانہ ہو جاؤں۔ باوجودیکہ اس سلوک سے احمد فیضی پاشا سے میرے تعلقات میں کشیدگی واقع ہوگئی۔ تاہم میں یہ تصدیق کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ کہ وہ حیرت انگیز طور پر مستعد اور سپاہیانہ خط و خال کا جنرل ہے۔ ہاں جبر و تشدد نے اسکے ان اوصاف کی روشنی کو کم کردیا ہے جس روز سے احمد فیضی پاشا نے یمن کی گورنر جنرلی کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ حالات بدل گئے۔ عربی فتوحات کے سلسلے نے شکستوں کا رنگ اختیار کیا۔ اگر صنعا عربوں کے ہاتھ آجاتا۔ تو حالت دگرگوں ہوتی۔ لیکن اسکی تسخیر میں انکی کوششیں ناکام رہیں۔ کیونکہ صنعا کا شہر سابقہ اماموں کا دارالخلافت تھا۔ اس کی تسخیر میں ناکامی اور امام احمد الدین کے جنگ جدل سے علیحدگی نے انکی ہمت توڑ دی۔ اگر وہ صنعا میں داخل ہو جاتے اور اپنے امام کو لاکر دوبارہ تخت نشین کرسکتے۔ تو ممکن تھا کہ ترک ہمیشہ کیلئے یمن کو کھو بیٹھتے۔ ترکوں نے اور سب سے پہلے احمد فیضی پاشا نے راقم سے عربوں کی ناکامی کی یہی وجہ بیان کی تھی۔

اسطرح آخر جنوری تک ترکوں نے دھوفہ کے سوا جسکا اہل عرب ہنوز محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ یمن کے تمام شہروں کو فتح کرلیا۔ گو ترک پھر یمن پر مسلط ہوگئے انکی چالیس ہزار فوج ملک میں موجود ہے۔ تاہم بغاوت تمام و کمال فرو نہیں

ہوئی۔ ملک کی طبعی صورت کے بیان کرنے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔ وسط یمن ایک وسیع و مرتفع میدان پر مشتمل ہے جس میں تین خاص شہر صنعاء ذمار اور یریم آباد ہیں۔ یہ سطح مرتفع سلسلہ کوہ سے محدود ہے جس میں جابجا گھاٹیاں اور چوٹیاں واقع ہیں۔ جہاں ترکی سپاہ کا پورے طور پر جنگی کامیابی حاصل کرنا ناممکن ہے۔ بہت سی پہاڑیاں بارہ سے تیرہ ہزار فیٹ کی گہری گھاٹیوں کے ذریعہ سے وادیوں سے پیوستہ ہیں۔ جو سڑکیں ان چٹانوں میں کاٹی گئی ہیں۔ وہ اکثر مقامات میں ایک گز سے زیادہ چوڑی نہیں۔

شمال صنعاء میں مسافر کو کئی کئی دنوں اور ہفتوں تک ان تنگ کوہستانی راستوں میں سفر کرنا پڑتا ہے۔ بغاوت کا مادہ اب بھی پہلے کی طرح پک رہا ہے گو شہر ترکوں کے قبضے میں ہیں۔ لیکن سڑکیں جو انکو پیوستہ کرتی ہیں۔ وہ اکیلے دکیلے ترکوں کے لئے غیر محفوظ ہیں۔ سابق میں انہیں کوہستانی اضلاع سے گورنمنٹ کو زیادہ تر مالیہ وصول ہی تھا۔ حجاز و دیگر عربی ریاستوں کے باشندوں کے خلاف یمن کے باشندے زراعت پیشہ ہیں۔ اور مستقل طور پر گھر بنا کر دیہات میں رہتے ہیں۔ دیہات مذکور سرسری طور پر مستحکم و جنگی ضرورتوں کے قابل بنائے گئے ہیں جہاں سے وہ ٹکس وصول کرنیوالی جماعتوں کا (جو گورنمنٹ سے وصول مالیہ کا اجارہ لے لیتی تھیں) مقابلہ کرتے تھے ان دیہات میں سے اکثر دن میں راقم کو ٹھہرنے عرب دہاقین کے پاس بیٹھنے اٹھنے۔ انکی غریبانہ غذا۔ قہوہ اور حقہ میں شریک ہونے۔ انکا عجیب و غریب گانا سننے اور اور احمد الدین کے مسند نشین خلافت ہونے کے متعلق انہیں دعائیں مانگتے ہوئے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔

بغاوت بظاہر فرو ہوگئی ہے۔ لیکن دراصل ترکی اقتدار کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ زیادہ ستانی کے ترک کرنے کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ آمدنی بمقابلہ سابق

کے دسواں حصہ بھی نہ رہے گی۔ بہت سی قومیں جنپر پہلے محصول لگایا گیا تھا وہ اب اسلحہ سے اپنی آزادی کو قائم رکھیں گی۔ قلعوں میں سپاہ کی تعداد المضاعف کرنی پڑے گی۔ یمن جو اب تک ترکی خزانے بھرنے کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ آیندہ ایسا نہ رہیگا۔ بغاوت کے فرو کرنے میں بالجالی کا بہت سا روپیہ خرچ ہوا ہے۔ اخراجات جنگ کے وصول کرنے کی کوشش گویا از سر نو بغاوت ظہور میں لانیکا موجب ہوگی؛

اب سوائے اسکے مجھے کچھ اور کہنا نہیں ہے۔ کہ عربوں کی کامیابی کا یمپر کیا اثر پڑتا؟ ہر جگہ ترک عام طور پر یقین کرتے تھے۔ کہ بغاوت کی آگ انگریزوں کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ لیکن خود ترک ہی یہ سمجھنے میں قاصر ہیں کہ آتش بغاوت کے مشتعل کرنے میں ہمارا کیا فائدہ تھا۔ وہ ہماری توجہ عدن اور ترکی سرحد کتابہ کی درمیانی آزاد ریاستوں لاہج۔ ڈھالہ۔ ہوشابی۔ الوئی اور دیگر اقوام کیطرف مبذول کرواتے ہیں جنہیں گورنمنٹ انگریزی وظائف دیتی ہے۔ احمد فیضی پاشانے بذات خود مجھے یقین دلایا کہ ترکی گورنمنٹ بھی ان آزاد سلاطین۔ امراء۔ اور شیوخ کو وظائف مرحمت کرتی ہے۔ لیکن غلطی سے گورنمنٹ انگریزی کے وظیفہ دینے کی غرض پولیٹیکل خیال کیجاتی۔ کیونکہ وہ تجارت کو اس وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جس سے کہ ہم دیکھتے ہیں۔ وظائف مذکور سے یہ مدعا ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں کاروانی تجارت کے راستوں کو جاری و محفوظ رکھیں۔ نیز ان کے برقرار رہنے سے یہ بھی فائدہ ہے کہ ترکی و انگریزی سرحدوں کے مابین چند آزاد ریاستیں کا کام دیں؛

ترکی تسلط یمن سے انگلستان کو بہت بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ اماماں صنعاء کے عہد میں اندرونی قطعات سے تجارتی کاروان امن و امان سے عدن نہ پہنچ سکتے تھے۔ اقوام کو تاخت و تاراج و جنگ و جدل سے روکنے کے متعلق اماموں کی ناقابلیت نے ہر ایک کاروان کو معرض خطر میں ڈال رکھا تھا۔

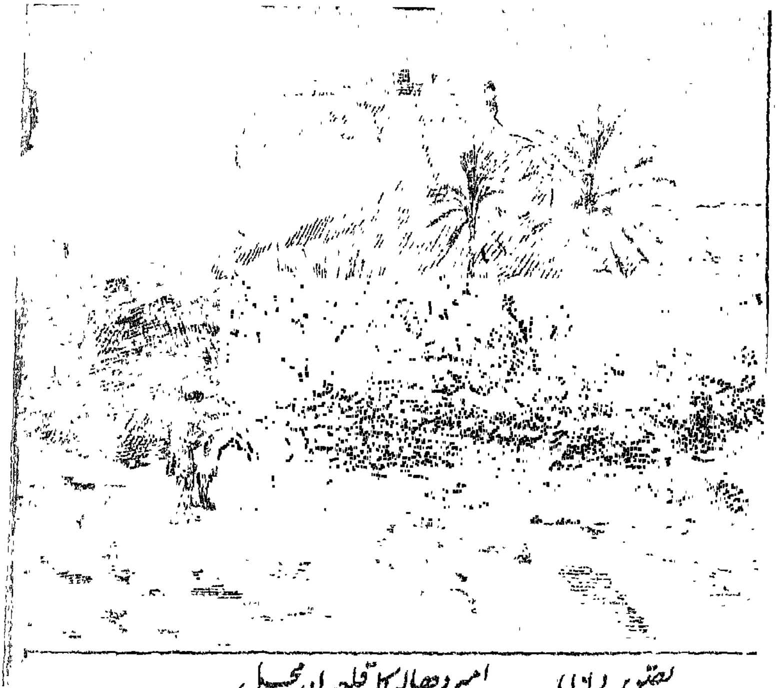

تصویر (۱۶) امیر دھالہ کا قلعہ اور محل

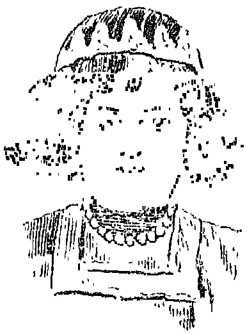

تصویر (۱۸) ایک یمنی لڑکی

لیکن ترکوں کے پہنچنے کے ساتھ ہی حالت بدل گئی۔ حتی الامکان راستوں کے کھلا رکھنے میں ترکوں نے انگلستان کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اشیائے درآمد و برآمد پر بھاری محصول عائد کرنے سے ترکوں نے اپنی بندرگاہوں کی تجارت کو سخت صدمہ پہنچایا ہے یہی مال و اسباب اب آزاد بندرگاہ عدن میں لایا جاتا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے ترکوں کے ذریعہ تسخیر یمن سے انگلستان کسقدر متنفع ہوا ہے؟ بخلاف اسکے ناکامی کی صورت میں یمن میں پھر بدنظمی و بدامنی کا دور دورہ ہو جاتا۔ اندرونی ممالک یمن کی تجارت قہوہ۔ خلیج فارس کے تنباکو اور یورپین اشیاء کی خرید و فروخت کو سخت نقصان پہونچتا۔ باوجود ان تمام باتوں کے ترکوں نے راقم کو یقین دلایا کہ انگریز باغیوں کو اسلحہ و سامان جنگ سے مدد دیتے رہے ہیں۔ حالانکہ پرائیویٹ سوداگر رائفلیں فرنچ بندرگاہ اوبوک سے اس ملک میں منگواتے تھے۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ یمن میں آیندہ ترکی پالیسی کیا ہوگی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ سلطان عبدالحمید خان اپنے مصاحب یعقوب کے مشورہ سے بہت کچھ مستفید ہونگے۔ جو اسبارہ میں مفصل رپورٹ کرنے کے لئے یمن بھیجا گیا ہے۔ اور اس طرح کبھی آیندہ بغاوت کے خطرے میں نہ پڑینگے۔ توقع ہے کہ مصاحبانہ پالیسی پر عمل ہوگا۔ لیکن یمن قسطنطنیہ سے بہت دور ہے مؤخر الذکر مقام سے اسکا کماحقہ انتظام ہونا مشکل ہے۔ ملک میں سکون و امن قائم ہو جانے پر حکام پھر اپنی جیبیں پر کرنے کی کوشش کرینگے۔ اسطرح رعایا پر ظلم و تشدد کا دروازہ کھل جائیگا۔ اگر وہ یہ سمجھیں کہ استحصال بالجبر عمدہ نظم و نسق کا صحیح اصول نہیں۔ تو اسمیں کچھ شک نہیں کہ ملک روز بروز متمول ہوتا جائیگا۔ اور عربوں سے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہونے کے بجائے انہیں اور بھی استحکام حاصل ہوگا۔ لیکن چیتا کسیطرح اپنے جسم کے داغوں کو دور نہیں کرسکتا۔ اسیطرح اسبات کا بھی یقین ہے کہ جبتک یمن میں ترکوں کا

آتش زار رہے گا۔ حکام اپنی جیبوں کو بھرتے رہیں گے۔ اور رعایا روز بروز مفلوک الحال ہوتی جائے گی ؛

حصّہ دوم

سفر چین

باب اوّل

عدن

ہوا کا خفیف سا جھونکا بھی نہیں آتا۔ جو پانی کی نرم و ساکن سطح کو حرکت میں لائے۔ یا ایک سیکنڈ کے لئے ہمیں جہاز پر راحت بخشے گرمیوں کے خاموش وحشت افزا ایام ہیں۔ جہاز کا سرا جو جس جس کی آواز کے ساتھ پانی کو چیرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ یا جہاز کی کل کی مسلسل کھٹ کھٹ کے سوا اور کوئی آواز مسموع نہیں ہوتی۔ حتّٰی کہ ملازمان جہاز جو منطقہ حارہ کے باشندے ہونے کی وجہ سے آفتاب کے فرزند ہیں۔ وہ بھی سفید کپڑے پہنے۔ برہنہ پا۔ افسردہ حالت میں دکھائی دیتے ہیں ؛

ہم پیرم سے گذر رہے ہیں۔ یہ بندرگاہ کی جانب واقع ہے۔ اور صاف شفاف سمندر کے دامن پر بمنزلہ ایک کثیف دھبے کے ہے ؛

ایک نوجوان جو دنیا کے گرد سفر کر نکلا ہے۔ اپنے روزنامچہ میں چند سطریں لکھتا ہے۔ وہ تسخیر پیرم کے واقعہ کو دہراتا ہے۔ اور پھر جلد خاموش ہو جاتا ہے ؛

ہم دونوں طرف زمین کو دیکھتے ہیں۔ جلتے ہوئے چٹان شرربار ہوا میں

دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ مچھلیاں اُچھل اُچھل کر سطح آب پر آتی ہیں۔ اور پھر پانی میں تڑپنے کی آواز کے ساتھ غائب ہو جاتی ہیں۔

چند گھنٹوں کے بعد عدن صاف طور پر دکھائی دینے لگا۔ کوہستان عدن کی ٹوٹی پھوٹی چوٹیوں اور بھدّے خط و خال پر نگاہ پڑی۔ ساتھ ہی مسافروں کے حلقہ میں بھی خفیف سی جنبش ہوئی۔ مگر اس میں بھی بیدلی نمایاں تھی۔

اس کے بعد ہم بڑی خلیج میں داخل ہوئے۔ جو چاروں طرف سے ویران پہاڑوں۔ اور اس سے بھی زیادہ وحشت افزا ریگستانوں سے گھری ہوئی ہے۔ سٹیمر پائنٹ (لنگر گاہ عدن) سے ایک میل کے فاصلہ پر جہاز استادہ ہوا۔

ہمارے جہاز کے گرد بہت جلد ہجوم ہو گیا۔ بھاری سائبانوں والے سٹیم لنچ سیٹیاں بجا رہے تھے۔ بہت سی چھوٹی کشتیوں میں سے ہر ایک کی کوشش تھی۔ کہ سب سے پہلے میں جہاز کے قریب پہنچ جاؤں۔ کشتیاں کوئلہ کیطرح سیاہ صومالی لڑکے کھیتے تھے۔ جو غوطہ زنی کے علاوہ عجیب عجیب اشیاء اہل جہاز کے پاس فروخت کرتے ہیں۔ بیشتر تو چالاک تھے۔ چمکدار نیم برہنہ چھوٹے لڑکے۔ جنکے جسم کوئلہ کیطرح سیاہ تھے۔ اور اکثروں کے لمبے بال شانوں پر رسیوں کیطرح بکھرے ہوئے تھے۔ دلچسپ منظر پیش کرتے تھے۔ جہاز کے گرد انہوں نے شور مچا رکھا تھا۔ چھوٹے چھوٹے سکوں کو دریا کی تہ تک پہنچنے سے پہلے غوطہ مار کر نکال لاتے تھے۔ چیتے کا چمڑہ۔ بارہ سنگے کے سینگ۔ شترمرغ کے پر جو ساحل بالمقابل کے ریگستانوں سے حاصل کئے گئے تھے۔ بغرض فروخت پیش کرتے تھے۔ بعض شخص ہندوستانی و بنگالی کارچوبی کپڑے اور ریشم کے بیش قیمت لائے تھے۔ لیکن گرمی اسطرح بیچنے والوں کو بھی افسردہ و پریشان کر رہی تھی جسطرح خریدنے والوں کو۔

ان غوطہ زنوں کے حرکات دلچسپی سے خالی نہیں۔ یہ ڈونگیوں میں سر کے اوپر ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہوئے ہر ایک چھوٹے سکے کو غوطہ لگا کر دریا سے نکال لانے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ سکے کے گرتے ہی پانی میں غوطہ لگا جاتے ہیں۔ اور صاف شفاف پانی میں بھی مچھلی کیطرح آہستہ ڈوبتے ہوئے سکے کے پکڑنے کے لئے ادھر اُدھر مڑتے و حرکت کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ جب یہ جوش و خروش فرو ہو گیا۔ اور جو باشندے سورج کی حدت سے متحمل ہونے کی جرأت کر سکتے تھے۔ ساحل پر روانہ ہو چکے۔ تو میں نے ایک لڑکے کو بلایا۔ جسنے میرے وفادار نوکر عبد الرحمن ساکن مراکو کی امداد سے میرا اسباب کشتی میں بار کیا۔ اسکے بعد میں نے پی۔ اینڈ۔ او۔ کے سٹیمر کو الوداع کہہ کر ساحل کی راہ لی۔

میں ساحل کی اُن سیڑھیوں پر جو آہنی چھت رکھنے والے جائے نزول کو جاتی تھیں۔ اُترا۔ نو واردوں کی نگاہوں میں عدن کیسا ویران اور بنجر نظر آتا ہے؟ اور پھر کسطرح جلد باوجود ان سب باتوں کے وہ اسے پسند کرنے لگ جاتے ہیں۔ ایک طرف بنجر سیاہ چٹان ہیں۔ ریتلی سڑک اور ایک جانب آہنی سقف کے نیچے نصف درجن بدنما گاڑیاں استادہ ہیں۔ جنکے چھوٹے ٹٹو اونگھ رہے ہیں۔ اور انکے سومالی ہانکنے والے انسے بھی زیادہ نیند کے متوالے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک ولی کی گنبد دار قبر جس پہ سفیدی کی ہوئی ہے۔ سامنے نظر آتی ہے۔ ان کے دونوں طرف باغ کی بجائے چند افسردہ درخت سبز دکھائی دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جنپر گرد و غبار نے ایک موٹی تہ چڑھا دی ہے۔ کریسنٹ (ہلال نما مقام) کے بدصورت مکانات (باستثنائے بنک کی عمارت) کے سامنے ریگستانی میدان ہے۔ جو سٹیمر پائنٹ کہلاتا ہے۔ لیکن سورج کے غروب ہوتے ہی یہ جگہ عمدہ اور خوشنما نظر آنے لگتی ہے۔ دستی گاڑی میں اپنا اسباب رکھوا کر میں ہوٹل کو روانہ ہوا

جہاں نسبتاً خنکی تھی۔ درپارہ ۹۰ درجہ پر تھا۔ باوجود یہاں کی ویرانی و تنہائی کے انسان بہت جلد عدن کا شائق ہو جاتا ہے۔ سیاہ قلعہ کا پرجوش خیر مقدم و مہماں نوازی۔ صبح و شام کا مہتم بالشان نظارہ۔ جنوری کی پرلطف گرم راتیں۔ کلب جسکا برانڈہ سمندر کے پانی سے مس کرتا ہے۔ خلیج عدن کے جنگی جہازات کے حصے جنکے شامیانہ کے نیچے میں اکثر شام کو تفریح حاصل کرتا رہا۔ غرضیکہ اسی قسم کی تمام باتیں ریگستان و گرد و نواح کے ابتدائی بدنما نظارے کے اثر کو ایسے محو کردیتی ہیں۔ چند دنوں ہی میں لوگ اس امر کو بھول جاتے ہیں۔ کہ کوہ شمشام کی چوٹی سے ریگستانی فضا [illegible] سیاہ ایک آتش فشاں پہاڑ ہے۔ اور یہ کہ اسمیں اسقدر شوریت ہے۔ کہ تقریباً کسی قسم کا سبزہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر اتفاق سے کوئی ایسا پودا اگ بھی آئے تو آفتاب کی حدت اسے جلا دیتی ہے۔ تاہم کچھ عرصہ کے بعد یہ مقام دلچسپ نظر آنے لگتا ہے۔ مثلاً کوہستان کی چوٹیاں۔ بہت سے اقوام کے لوگوں کا ہجوم جو اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہیں۔ سوائے یہودیوں کے (جنکی دوسروں کی جیبوں پر نگاہ رہتی ہے) یا صومالیوں کے جو اسی طرح عام دنیا سے بے پرواہ ہیں۔ کسیطرح وہ گرمی کی مطلق پرواہ نہیں کرتے۔ ہاں جب کوئی جہاز لنگر انداز ہوتا ہے۔ تو ان صومالیوں میں بھی ایک قسم کی مستعدی آجاتی ہے۔ ایک دو گھنٹوں کیلئے گاڑیاں تیز ہی آتی جاتی ہیں۔ اور ریتیلی سڑک کی خوب گرد اڑاتے ہیں ان کے ٹاپوں اور ہانکنے والوں کی پے در پے چابک مارنے کی آواز سے اچھا خاصا شور و غل بپا رہتا ہے۔ یہودی صرافوں کی آمد و رفت بھی شروع ہو جاتی ہے اسطرح روپیہ چھنکاتے ہیں۔ کہ آخر کار اسکی آواز سے انسان دیوانہ ہو جاتا ہے سیاہ فام لونڈے جنہوں نے اسقدر انگریزی سیکھ لی ہے۔ کہ [illegible] [illegible] انگلینڈ کیلئے آمادہ ہو سکیں۔ اور [illegible] ہندوستانی [illegible] اور ہندوستانی تاجر باہر نکل کر [illegible] دکانوں میں داخل

ہونے کی درخواست کرتے ہیں۔ ہوٹل کے برانڈے میں خوب شراب اڑتی ہے۔ اور ساحل پر بہت سی کشتیاں مسافروں کو واپس جہاز پر پہنچانے کے واسطے تیار رہتی ہیں۔ ٹڈی دل کی طرح یہ مسافر یہاں آتے ہیں۔ اور ایک گھنٹہ ٹھہر کر پھر واپس چلے جاتے ہیں۔ کئی بیرونجات کو جا رہے ہیں۔ بعض گھروں کو لوٹ رہے ہیں۔ غرضیکہ ان سب کے جہاز پر سوار ہو جانے کے بعد سٹیمر پائنٹ پر خاموشی چھا جاتی ہے؛

عدن کے مختلف نظاروں کی کیفیت کا اندراج ضروری ہے۔ چونکہ عدن بھی یمن کا ایک حصہ ہے۔ اسلئے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ناظرین نے عدن کی نسبت کچھ شاندار حالات پڑھے ہیں۔ تو اس وقت انہیں طاق نسیان پر رکھ دینا چاہیئے؛

باوجودیکہ یہاں شدت سے گرمی پڑتی ہے نیز یہ انتہا درجہ کا بد فوارہ ملک ہے۔ تاہم اپنے قد و قامت و موقعہ کی عمدگی کے لحاظ سے عدن تاریخ عالم میں بے نظیر شہرت و وقعت رکھتا ہے۔ جب وہ ممالک جو آج تہذیب و شائستگی کا سرچشمہ ہیں۔ محض جنگل و بیابان تھے۔ عدن اس وقت بھی مرکز تجارت تھا۔ باوجود تمام قدرتی عیوب کے بندرگاہ اور عمدہ جگہ پر واقع ہونے کی وجہ سے سوداگروں کی بستی تھی۔ جو بہت سے ممالک کا سامان تجارت فراہم کر کے انکو پھر جہازوں اور کاروانوں کے ذریعہ سے مختلف اقطاع عالم میں بھیجتے تھے۔ عدن جو ایک بنجر اور بجھے ہوئے کوہ آتش فشاں کی چٹان پر آباد ہے۔ یہاں افریقہ۔ ہندوستان۔ خلیج فارس سے طلا و نقرہ۔ زر و جواہر و تحفہ لطیفہ سے بھرے ہوئے جہاز و کاروان آتے تھے؛

تمام مورخ اس بات پر متفق ہیں۔ کہ زمانہ قدیم کا مشہور و معروف عدن یہی ہے۔ اگر پرانا عدن کوئی اور ہوتا۔ تو ضرور اسکے کھنڈرات کہیں نہ کہیں پائے جاتے جیسے دیگر قدیم عربی شہروں کے کھنڈر پائے گئے ہیں؛

ابن خلدون آٹھویں صدی ہجری میں اپنے جغرافیہ میں اس شہر کی اعلیٰ درجہ کی قدامت ظاہر کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ عدن شاہ لٹوباس کے عہد میں ایک بڑا شہر تھا۔ لٹوباس جو خاندان ہمیار سے تھا۔ عبد الشمس کا بیٹا اور ختان (جسے یہودی اپنی کتابوں میں "جوکتان" لکھتے ہیں) کا پوتا تھا۔ ختان یمن کی قدیم ترین قوم کا بانی تھا۔ اگرچہ یہ نقل مکان کر کے یمن پہونچے تھے تاہم کسی تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوا۔ کہ ان سے پہلے یمن میں کون قوم آباد تھی۔

مزید تاریخی زمانہ کیطرف توجہ کرنے سے منکشف ہوتا ہے۔ کہ روما کے سینیٹروں میں سے ایک کے عہد میں جو غالباً کلاڈیس تھا۔ عدن کو رومی سپاہ نے تباہ کر دیا تھا۔ غالباً اس لئے کہ ہندوستان کی تجارت کا راستہ بندرگاہ عدن سے تبدیل کر کے ان بندرگاہوں کی طرف پھیر دیں۔ جو ایلیس گالس نے بحر احمر پر قائم کئے تھے۔ کیونکہ عدن ان بندرگاہوں کا خوفناک رقیب تھا۔ بعد کے زمانہ میں کنسٹنٹائن نے عدن فتح کر کے "ایمپوریم ارمانم" سے اسے موسوم کیا۔

مشرقی ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ یمن عدن میں طوائف الملوکی اور خانہ جنگی کا بازار گرم رہا۔ ان ممالک کا بارہا محاصرہ کیا گیا۔ اور مطیع اعتقاد بنائے جاتے رہے۔ ابتدائی فرمانروا خاندانوں میں سے ہمدانی خاندان قابل ذکر ہے۔ یہ بنی زریع کی نسل تھا۔ اسکے فرمانروا مختلف اقتدار کے ساتھ سنہ ۴۴۲ھ سے سنہ ۵۶۹ھ تک حکمران رہے۔ یہانتک کہ توران شاہ (از خاندان ایوبیہ مصر) ان کا جانشین ہوا۔

ایوبیہ سلاطین مصر کے تسلط عدن کے تین سو سال بعد سنہ ۱۴۸۶ء میں ایک پرتگیز "جان پڈرو ڈی کوولہم" نامی یہاں آیا۔ عیسائی شاہ ابیسینیا کے کلوریٹس سفیر بھیجنے کے بعد پرتگال نے جان پڈرو کی ماتحتی میں دنیا کے اس حصہ ملک کے تحقیق حال کے لئے مہم روانہ کی تھی۔ آخرکار جان پڈرو

نے بمقام "شیوا" سکندر کے دربار میں اپنی بقیہ زندگی گذار دی ۔

دوسرے یورپین سیاح کے سفرنامہ سے یمن کے مزید حالات معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اسمیں ذاتی حالات سیاح نے اس کثرت سے بیان کئے ہیں۔ اور اسکے مندرجہ نام اسقدر ناقابل اعتبار ہیں کہ کمال دقت سے تاریخی واقعات کا پتہ لگتا ہے۔ میری مراد "لورڈ دکوڈی برہیما" سے ہے۔ جو ورٹو مانس کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اسنے سنہ ۱۵۰۳ء میں عرب کی سیاحت کی تھی ۔

البوکرک کی یورش عدن تاریخ میں ایک دلچسپ واقع ہے۔ اس زمانہ میں عیسائی ملکہ ہیلینا ابیسینیا پر فرمانروا تھی۔ جسنے اپنے ملک کو عربی حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے بطلب کمک لسبن سفارت بھیجی۔ لیکن ملکہ کا ارمنی سفیر راہ گم کر کے کئی سال تک بھٹکتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ جہاں یہ ۲۳ مہینے ٹھہرایا گیا۔ آخر کار سنہ ۱۵۱۳ء میں لسبن وارد ہوا۔ وہاں پہونچکر اسنے دیکھا کہ جس غرض کے لئے اسے بھیجا تھا۔ اسکے لئے وہاں پہلے ہی سے مہم تیار ہو چکی ہے۔ چنانچہ اسی سال کے ماہ فروری میں فوج لسبن کا ایک دستہ جو اڑھائی ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ الفنسو البوکرک کی ماتحتی میں عرب روانہ ہوا۔ ان میں سے دو تہائی پرتگیز اور بقیہ ہندوستانی سپاہی تھے۔ ایسٹر کی شام کو یہ عدن پہنچے۔ اور فوراً حملہ کر دیا۔ چار روز کے محاصرہ کے بعد مزید کوشش بے سود نظر آئی۔ قصبہ پر گولہ باری اور جہازوں کے ٹھہرنے کے مقام کو تباہ کر کے پرتگیزی جہاز بحر احمر کو روانہ ہوا۔ آیندہ موسم بہار میں عدن کو مسخر کرنے کے متعلق البوکرک کی کوشش بھی ناکام رہی۔ کیونکہ اس اثناء میں اسکی [illegible] ہو چکی تھی ۔

سنہ ۱۵۱۶ء میں مصر کی ایک فوج نے بسرکردگی رئیس سلیمان عدن کا محاصرہ کیا۔ لیکن شہر پھر ناقابل تسخیر نظر آیا۔ آخر حملہ آور سپاہ کا سخت نقصان ہوا۔

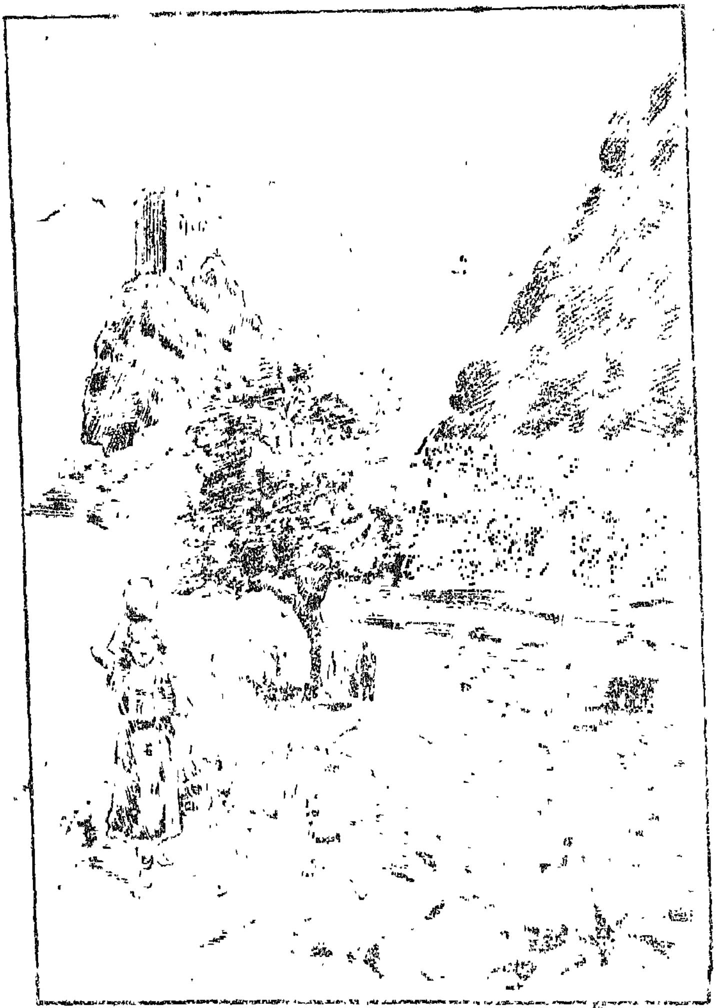

تصویر (۱۴)   خور نسیم

بہرکیف ان متواتر یورشوں سے قلعہ اسقدر کمزور ہو گیا تھا۔ کہ جب تھوڑے ہی عرصے کے بعد "سوارز" عدن کے سامنے نمودار ہوا۔ تو گورنر نے خود بخود قلعہ اس کے حوالے کر دیا۔ لیکن جب پرتگیزوں نے سلیمان کے بیڑے کا تعاقب کیا تو گورنر نے کمال مستعدی و تیزی سے قلعہ کی مرمت کروا دی۔ سوارز نے واپس آکر دیکھا کہ عدن کا دروازہ اس پر بند ہو گیا ہے۔ اور امیر مرجان وہاں استقلال سے حکمران ہے ؛

اسی اثناء میں سلیمان نے ایک متہم بالشان بیڑہ مرتب کیا۔ جیسکے ایک حصہ کے ساتھ عدن آیا۔ شہر پر فریب سے قبضہ کر لیا۔ کیونکہ گورنر کو پھسلا کر جہاز پر طلب کر کے پھانسی دیدی گئی تھی۔ اور کچھ سپاہیوں کو بیمار بنا کر ساحل پر آتار اگیا تھا۔ سنہ ۱۵۵۱ء میں باشندوں نے سلیمان کے نائب کے ظلم و تشدد سے تنگ آکر بغاوت کی۔ اور قلعہ پرتگیزوں کے حوالے کر دیا ؛

اس کے تقریباً پچاس سال بعد ہم انگریزوں کو بحر احمر میں جہاز رانی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ ۸۔ اپریل سنہ ۱۶۰۹ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کا جہاز اسنشن عدن آیا۔ اسے نہایت تپاک سے قبول کیا گیا۔ جب جہاز کا کپتان انکے قابو میں آگیا تو اسے قید کر لیا۔ جسنے تاوان میں بہت سا روپیہ اور اسباب دیکر جان چھڑائی ایک سال کے بعد جہازات "ڈارلنگ" و پیپر کوان یہاں پہونچے۔ امیر البحر سر ہنری مڈلٹن اس کے امیر البحر تھے۔ ڈارلنگ کے مخبر روانہ ہو جانے پر کو ان کے جہازی فریب سے قید کر لئے گئے ؛

انگریزوں کے بعد ڈچ بحر احمر میں نمودار ہوئے۔ وان ڈن بروک بیڑہ جہازات کے ساتھ سنہ ۱۶۱۴ء میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی اور اہل یمن کے مابین تجارتی تعلقات قائم کرنے کی غرض سے پہنچا۔ اگرچہ حکام نے ان کی درخواست کو نہایت توجہ سے سنا۔ لیکن مقامی سوداگروں کے بہکانے سے خاطر خواہ تصفیہ نہ ہوا۔ اس وقت سے موجودہ صدی کے آغاز تک

عدن کی قسمت مشرقی ممالک کی طرح تہ و بالا رہی۔ چونکہ اس کا تذکرہ موجب تطویل ہے۔ لہٰذا اسے حذف کیا جاتا ہے۔ سنہ ۱۸۰۲ء میں سر ہوم پاپہم نے امام صنعاء سے تجارتی معاہدہ میں ناکام رہکر سلطان عدن سے عہدنامہ کر لیا۔ سنہ ۱۸۳۳ء میں اہل عدن نے پھر دغابازی کی۔ محمد آغا نے جسے طنزاً ترکچی بلماس کہا جاتا تھا۔ بہت سی فتوحات کے بعد عدن کو الٹیمیٹم بھیجا۔ گورنر نے اطاعت قبول کرکے اپنے آپ کو حوالے کر دیا۔ اس پر ترکچی نے چالیس آدمیوں کی سفارت عدن روانہ کی جس کا وہاں گرمجوشی سے استقبال ہوا۔ لیکن رات کو نصف سے زیادہ ممبران سفارت مار ڈالے گئے۔ بقیہ بحال تباہ بھاگ گئے۔

سنہ ۱۸۳۵ء میں گورنمنٹ بمبئی کے افسروں نے اسے کوئلہ لینے کا اسٹیشن قرار دیا۔ چونکہ یہاں مزدور بدقت کمال میسر آتے تھے۔ لہٰذا بجائے اسکے "مکلہ" کو جو ساحل حضرموت کے مشرق میں ہے کوئلہ کا بندرگاہ بنایا گیا سنہ ۱۸۳۷ء میں قبیلہ فضلی کے حملہ آور ہونے پر پھر برٹش گورنمنٹ کی توجہ عدن کی طرف مبذول ہوئی۔ کیونکہ ایک جہاز دریا دولت نامی جس پر انگریزی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ بندرگاہ عدن کے قریب تباہ ہو گیا۔ اہل عدن نے اس جہاز کو لوٹ لیا۔ اور بعض معزز دیسی عورتوں کی بے حرمتی کی۔ کیپٹن ہینز دسمبر میں جنگی جہاز کوٹ کو لیکر پہونچے۔ اور سلطان سے بارہ ہزار ڈالر ہرجانہ کا مطالبہ کیا۔ خود کیپٹن ہینس کو معہ کاغذات گرفتار کرنے کی سازش ہوئی۔ جس پر کپتان ہندوستان چلا گیا۔ لیکن اکتوبر سنہ ۱۸۳۸ء میں واپس آیا۔ تو ہزار ڈالر سالانہ وظیفہ پر سلطان سے عدن کے حوالہ کر دینے کا مطالبہ کیا۔ سلطان کی اہانت آمیز رویہ پر کپتان نے بندرگاہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہانتک کہ جنوری سنہ ۱۸۳۹ء میں جہازات و دستے اور کمک موقعہ پر پہونچے۔ جب پھر حوالگی عدن کی درخواست پر توجہ نہ ہوئی۔ تو عدن گولہ باری سے فتح کیا گیا۔ سلطان اور اسکا خاندان لاہج میں پناہ گزین ہوا۔ لاہج کا شہر عدن سے تیس میل کی مسافت پر اندرون ملک میں واقع ہے۔ یہ فتح

اس وجہ سے دلچسپ ہے کہ اس سے کوئین وکٹوریہ کے عہد میں سلطنت
کو پہلی توسیع نصیب ہوئی ۔

باشندوں کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ انہیں انگریزوں سے ڈرنے کی
کوئی وجہ نہیں ۔ باوجودیکہ عام رعایا و سوداگر اس الحاق سے خوش تھے لیکن
ابدالی قوم کے سربرآوردگان نے خلاف معاہدہ عدن کو مکرر واپس لینے کی
کوشش کی ۔ اسمیں ناکام رہکر انہوں نے کاروانوں اور سوداگران عدن
کے مال و اسباب پر ڈاکے مارنے شروع کر دیئے ۔ ۱۸۴۱ء میں انگریزی سپاہ
نے دو عرب قلعے بنیاد تباہ کر ڈالے ۔ اس کارروائی سے کچھ کچھ امن ہو چلا تھا
کہ ۱۸۴۶ء میں سید اسمٰعیل نامی ایک شریف نے تسخیر عدن کے لئے جہاد کا
وعظ کہنا شروع کر دیا ۔ مقامی قبائل کی اعانت سے تین جداگانہ حملے عدن پر
کئے گئے ۔ جو کامیابی سے پسپا کئے گئے ۔ ان ناکامیوں پر سید کی بطور دغاباز
کے شہرت ہو گئی ۔ اس کی سپاہ منتشر ہو گئی ۔ اور وہ خود ۱۸۴۸ء میں ایک
بدو کے ہاتھ سے مارا گیا ۔

۱۸۵۰ء میں ایک جنگی جہاز کی کشتی سے سب لوگ خلیج عدن کے شمال
میں اترے ۔ تو ان پر حملہ کر دیا گیا ۔ چند مجروح اور ایک مقتول ہوا ۔ ایک
اس سے بھی زیادہ افسوسناک حادثہ فروری ۱۸۵۱ء میں ظہور میں آیا ۔ جبکہ
داماست نامی گاؤں میں ایک شکاری گروہ پر حملہ ہوا ۔ پارٹی میں سے
کیپٹن ملی مارا گیا ۔ اور کئی زخمی ہوئے ۔ جور و ستم و تاخت و تاراج کا پھر سلسلہ
شروع ہو گیا ۔ آخرش ۱۸۵۸ء میں عربوں پر بمقام شیخ عثمان حملہ کیا گیا ۔
قلعہ اور گاؤں اڑا دیا گیا ۔ اس پر ابدالی سلطان اور گورنمنٹ انگریزی
میں دوستانہ معاہدہ ہو گیا ۔

[illegible] ہوئی ۔ [illegible]
[illegible] فتح کر لیا [illegible]

پیشتر سے ساحل بحر احمر پر مضبوطی سے اپنا قدم جما چکے تھے) تو ان سے یہ درخواست کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ کہ عدن کے قبائل گردو نواح کے ملک سے وہ اپنی سپاہ نکال لیں۔ اسی زمانہ میں چھوٹا عدن جو مختصر سا جزیرہ نما اور خلیج عدن کا مغربی ساحل ہے۔ خرید ا گیا۔ سنہ ۱۸۸۳ء میں انگریزی مقبوضات کو فاکناے سے آگے تک وسعت دیگئی۔ اسطرح بندرگاہ کا تمام ساحل انگریزوں کے قبضے میں آگیا۔ اس قبالہ میں شیخ عثمان کا گاؤں بھی شامل ہے۔ جو اب انگریزی عہد میں ترقی پذیر قصبہ ہوگیا ہے۔ تھانہ کے علاوہ یہاں کے چوک میں گھنٹہ گھر بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ بنگلے اور باغ لگائے گئے ہیں۔ اسوقت یہ ایک مرفہ الحال قصبہ نظر آتا ہے۔ اگرچہ اس کے باشندوں کی نسبت جسقدر کم ذکر کیا جائے۔ اسیقدر بہتر ہے۔ کیونکہ یہاں بہت سی عربی گانیوالی رنڈیاں رہتی ہیں۔

عدن کے گردو نواح میں برٹش مقبوضات کی کیفیت حسب ذیل ہے۔ شرق میں عدن مغرب میں چھوٹا عدن خلیج کے شمالی ساحل کا درمیانی قطعہ اراضی۔ کل رقبہ تقریبًا ستر مربع میل ہے۔ اس میں سے صرف عدن مورچہ بند مقام ہے۔

یہ جزیرہ نما سٹریٹ باب المندب سے ایکسو بیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ عرض بلد شمالًا ۱۲ درجہ ۴۷ دقیقہ اور طول بلد شرقًا ۴۵ درجہ۔ پانچ میل لمبا۔ اور تین میل عرض میں ہے۔ یہ بنجر خاکی سیاہی مائل چٹانوں پر مشتمل ہے سب سے اونچی چوٹی کوہ شمشام سطح سمندر سے تقریبًا اٹھارہ سو فیٹ بلند ہے۔ اس پہاڑ کا آتش فشاں ہونا اسی سے ظاہر ہے۔ کہ اس کا دہانہ ابتک موجود ہے۔ چونکہ ٹوٹے ہوئے چٹان و چوٹیاں اسے احاطہ لیئے ہوئے ہیں اس لیئے اس جزیرہ نما کا بہت بڑا حصہ ناقابل آبادی سکونت ہے۔ تاہم جہاں جہاں عمارت بن سکتی تھی۔ بہت سے مکانات بنائے گئے ہیں۔ بہت

سے لوگ بنجر چٹانوں پر رہتے ہیں۔ جہاں ضروریات زندگی میں سے کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی۔ ۱۸۹۱ء میں شیخ عثمان کے قصبے کے سمیت ۴۳ ہزار آبادی تھی۔ حالانکہ انگریزی تسلط عدن کے موقعہ پر ۱۸۳۹ء میں آبادی کل چھ ہزار تھی؛

آبادی کا زیادہ تر حصہ عرب و شمالی ہیں۔ اکثر اہل عرب محنت و مزدوری کرتے ہیں۔ یا جہازوں پر کوئلہ بار کرتے ہیں۔ ان میں بعض دکاندار تاجر ہیں۔ سمالی ہلکی تجارت یعنے گاڑی ہانکنے کشتی کھینے اور دیگر اسی قسم کے کاموں کو ترجیح دیتے ہیں اور مقامی محنت و مشقت کے ناقابل ہیں۔ گویا اب تک وہ اپنی خانہ بدوشی کی عادت پر غالب نہیں آئے۔ تقریباً ہر ایک قوم عدن میں پائی جاتی ہے۔ یوربین کے علاوہ ہندو پارسی۔ ترک۔ مصری۔ عرب ایرانی۔ چینی۔ سیدی۔ اہل ابیسینیا۔ یہودی اور ہندوستان کے مختلف طبقہ و فرقہ کے اشخاص یہاں دیکھنے میں آتے ہیں۔ انگریزی رعایا میں خاص طور پر قابل ذکر پارسی ہیں۔ جو بطور ایجنٹ و دکاندار مصروف تجارت ہیں۔ یہ اس پیشہ میں بلحاظ کمینگی بالفاظ دیگر کاروباری عقل و کیاست میں یہودیوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ سفید ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے اور عجیب سیاہ ٹوپیاں سروں پر رکھے ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ بمبئی سے ہمیشہ زندہ رہنے والی آگ کی ایک چنگاری عدن لائے تھے۔ اور یہیں انہوں نے ایک آتشکدہ بنالیا ہے۔ اور اپنی عورتوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور تجارت کے بہت سے حصے پر حاوی ہو گئے ہیں؛

جزیرہ نمائے عدن دو قصبے اور ایک بڑا گاؤں رکھتا ہے۔ اول الذکر میں پہلا عدن خاص ہے۔ جو کوہ آتش فشاں کے ہموار دہانہ پر واقع ہے۔ اور اور دوسرا "تواہی" سٹیمر پائنیٹ کے متصل آباد ہے۔ جس میں سات سو کے قریب مکانات ہیں۔ اس حصہ میں زیادہ تر وہ لوگ رہتے ہیں جو جہازوں

کی آمد و رفت سے معاش حاصل کرتے ہیں۔ عدن خاص کا بڑا حصہ تقریباً اٹھارہ ہزار کی آبادی رکھتا ہے۔ خاص گاؤں "معلے" ہے۔ جہاں دیسی کشتیاں، ڈونگیاں وغیرہ آکر ٹھہرتی ہیں۔ اور یہیں تمام دیسی اسباب تجارت جہاز پر بار کیا جاتا۔ یا ساحل پر اتارا جاتا ہے ؏

عدن کا مزید حال بیان کرنے سے پیشتر اس کے متعلق بعض اعداد و شمار کا درج کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پہلے لنگرگاہ کو لیجیے۔ خلیج عدن جو تقریباً مشرق و مغرب کی سمت زیادہ طوالت رکھتا ہے۔ دو قسم حصص اندرونی اور بیرونی بندرگاہوں پر منقسم ہے۔ اوّل الذکر تقریباً پانچ میل لمبا ہے۔ موخر الذکر بڑا حصہ ہے۔ جو عدن و عدن خورد کے مابین واقع ہے مغربی حصے اور دہانہ کی گہرائی باختلاف تین سے پانچ فیدم تک ہے۔ دو میل باہر کی طرف دس سے بارہ فیدم تک گہرائی پائی جاتی ہے۔ خلیج اندرونی کی گہرائی میں اب بہت ترقی ہو گئی ہے۔ پی۔ اینڈ۔ او۔ اور میسجریز میری ٹائمز کے بڑے بڑے سٹیمر ساحل سے کسیقدر فاصلہ پر بندرگاہ کے دہانہ کی طرف استادہ ہوتے ہیں۔ لیکن برٹش انڈیا۔ آسٹرین لائیڈ اور دیگر بڑی بڑی کمپنیوں کے جہازات سٹیمر پائنٹ کے متصل لائے جاتے ہیں کیونکہ یہ عموماً وہاں زیادہ عرصہ تک ٹھہرتے ہیں۔ اور سٹیمر پائنٹ کی قربت سے کوئلہ انہیں نسبتاً ارزاں پڑتا ہے ؏

فی الواقعہ عدن کی زیادہ تر شہرت اس کے سٹیشن کوئلہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۹۱ء میں ایک لاکھ ۶۵ ہزار ٹن کوئلہ لایا گیا۔ اور یہ اور دیگر اشیاء یہاں کی تجارت درآمد و برآمد کی قیمت پانچ ملین پونڈ سالانہ سے زیادہ ظاہر کرتے ہیں۔ ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ پیرم کو کوئلہ کا سٹیشن قرار دینے سے عدن کی تجارت کوئلہ پر کیا اثر پڑیگا۔ لیکن [illegible] سمندر [illegible] پیرم عدن سے زیادہ ترقی [illegible] جائیگا ؏

عدن کی تجارت کوئلہ سے قطع نظر عرب کے سواحل متصلہ خلیج فارس۔ بحر احمر اور ساحل افریقہ سے بھی کچھ کم تجارت نہیں کی جاتی۔ موخر الذکر تجارت بالکل دیسی تاجروں کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ بہت سا سامان تجارت دیسی کشتیوں میں لایا و بھیجا جاتا ہے۔ یہاں کی خاص اشیاء چمڑہ قہوہ پنیر۔ گوند۔ رنگ۔ مصالحہ۔ خوشبودار چیزیں۔ ریشم۔ سیپیاں۔ اور ہاتھی دانت وغیرہ ہیں؛

قہوہ کی تجارت جو اب عدن میں ہوتی ہے۔ پہلے تمام و کمال سوداگران مخہ و حدیدہ کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن اوّل الذکر قصبہ اب ویران ہو گیا ہے اور حدیدہ کے بھاری ترکی ٹکوں نے قہوہ کی تجارت کا رخ عدن کی طرف پھیر دیا ہے۔ اگرچہ اب بھی بہت سا قہوہ حدیدہ سے براہ سمندر عدن بھیجا جاتا ہے۔ جو قہوہ براہ راست پہنچتا ہے۔ وہ کاروان اندرونی ملک کے کوہستانوں سے لا کر سوداگران عدن کے ہاتھ بیچتے ہیں۔ ساحل افریقہ سے بہت سا قہوہ آتا ہے۔ جو زیلاہ نامی سومالی بندرگاہ سے جہاز پر بار کیا جاتا ہے۔ اور ہرار و گالا اضلاع سے اونٹوں پر بندرگاہ زیلاہ تک لایا جاتا ہے یہ دونوں ضلع قہوہ کی پیداوار کیلئے نہایت موزوں ہیں۔ کیونکہ اسکے پیدا ہونے کے لئے سطح بلند درکار ہے۔ سیپیاں سنکھ و کوڑیاں خلیج فارس و بحر احمر سے آتی ہیں۔ ہاتھی دانت سمالی لینڈ اور ابیسینیا سے لاتے ہیں۔ سپاہ قلعہ کیلئے سامان غذا ساحل افریقہ و عرب سے منگوایا جاتا ہے۔ بربرہ۔ بولہار۔ اور زیلاہ سے ہفتہ وار بھیڑ۔ بکریاں۔ جہازوں کے ذریعہ سے لائی جاتی ہیں ساگ۔ پات۔ چارہ۔ ہیزم سوختنی لاحج و مضافات سے اونٹوں پر لایا جاتا ہے؛

عدن کے متعلق جو چیز انسان کو حیرت میں ڈالتی ہے۔ وہ مقامی صنعت کا مفقود ہونا ہے۔ تمام صنعتی اشیاء یہاں ولایت سے آتی ہیں۔ حتیٰ کہ

عدن میں چٹائیاں۔ کشتیاں اور دیگر اسی قسم کے سہل کام بنانے سے بھی غفلت کی جاتی ہے۔

عدن کی آب و ہوا اسقدر بری نہیں جسقدر کہ بیان کی جاتی ہے۔ سالانہ شمار و اعداد سے یہاں صحت کی اوسط نہایت عمدہ ظاہر ہوتی ہے۔ ٹمپریچر کا اوسط سایہ میں ۸۵ درجہ ہے۔ اور انتہائی درجہ ۵۲ و ۱۰۲ میں۔ میرے دوران قیام میں ایک مرتبہ تھوڑے عرصہ کیلئے پارہ ۹۰ درجے سے بلند ہوا تھا۔ اور ایک مرتبہ ۵۴ تک کم ہوگیا تھا۔ موسم سرما میں آسمان بادلوں سے صاف اور موسم خوشگوار ہوتا ہے۔ لیکن احتیاط رکھنی چاہیئے کہ سورج غروب ہونے کے بعد جسم کو سردی نہ لگے۔ آغاز جون میں جنوب مغربی ہوائے برسات چلنی شروع ہو جاتی ہے۔ سمندر کی مرطوب اور ناگوار ہوائیں اہل یورپ کے لئے موسم گرما عدن میں بسر کرنا مشکل ہے۔ مئی۔ دسمبر کے مہینے سوائے برسات کے تغیرات سے سال کے بدترین حصے ہیں۔ تھرمامیٹر عموماً دن کو ۱۰۰ اور رات کو ۹۰ درجہ پر ہوتا ہے۔ عدن کی برسات نہایت مختلف ہے۔ کسی سال آٹھ انچ بارش ہوتی ہے۔ اور کسی سال بارش کی مقدار چوتھائی انچ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ لیکن اتنی بارش بھی ان چند درختوں کو زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ جو یہاں کی افسردہ چٹانوں کی وحشت کو دور کرنے میں کوشاں ہیں۔ بارش کے بعد وادیاں کسقدر سبز لباس سے ملبس نظر آنے لگتی ہیں۔ لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر تک نہیں رہتی۔ سخت دھوپ و گرد و غبار جلد اسے نیست و نابود کر دیتا ہے۔ تاہم کہا جاتا ہے کہ یہاں ایک سو تیس اقسام کے مصالحے پیدا ہوتے ہیں۔ چند جنگلی کتے گیدڑ اور لومڑیاں کوہستانی وادیوں میں پائی جاتی ہیں۔ پرندوں میں چیلیں باز معمولاً یہاں کے متصل رہنے والوں میں سے ہیں۔ بعض پرندے کبھی کبھی یہاں آتے ہیں۔

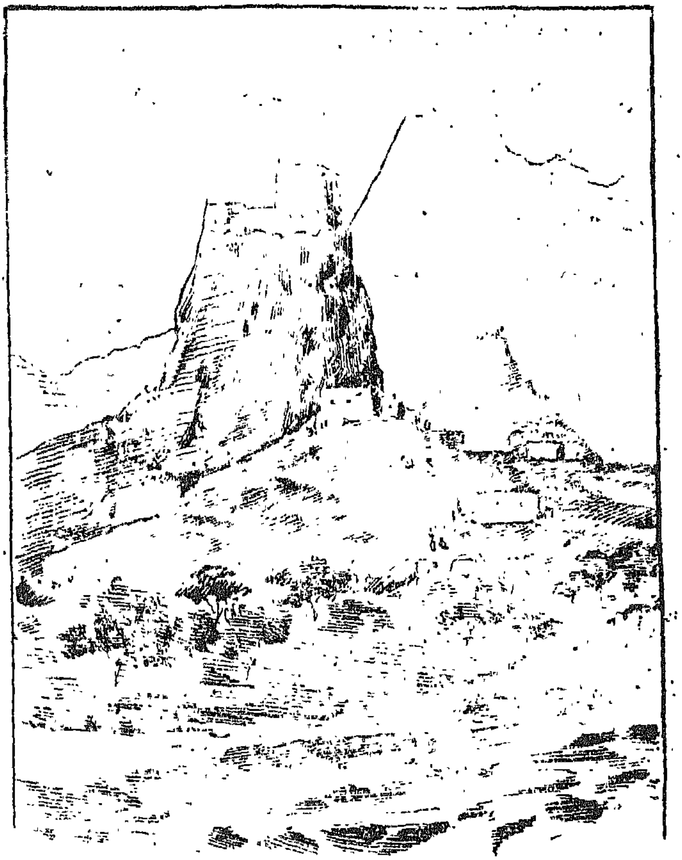

تصویر (۱۹) موضع اری دوآ

عدن کے متعلق اس قسم کی کتاب میں جسقدر حالات و شمار و اعداد کی ضرورت تھی۔ درج کر دئے گئے ہیں۔ اب میں اپنے سفر کے بارہ میں ذاتی حالات بیان کرتا ہوں؛

میں کسی جگہ لکھ چکا ہوں۔ کہ عدن کے افسردہ کرنے والے نظارے کا اثر جلد مفقود ہو جاتا ہے چند روز کے قیام کے بعد طبیعت یہاں کے ویرانی اور بھورے چٹانوں کے وحشت انگیز سین کو فراموش کر دیتی ہے۔ میں نے کوئی ایسا مقام نہیں دیکھا۔ جو عدن کی طرح پہلے پہل اسقدر افسردہ کرنے والا ہو اور پھر جلدی انسان کو اپنا مفتون بنا لے۔ صرف ایک دو روز ہی میں سیاح کے خیالات میں یہ عجیب و غریب انقلاب واقع ہو جاتا ہے۔ چند لوگوں سے دوستی ہو جانے پر مجھے یہ محسوس ہونے لگا کہ باوجود یہاں کے نقائص، مضافات۔ اور آب و ہوا کے انسان کسطرح عدن میں خوش و خورم رہ سکتا ہے؛

عدن کا کلب جسکے برانڈے سے سمندر کی لہریں مس کرتی ہیں مشرق کا بہترین کلب کہلائے جانیکا مستحق ہے۔ جہاں کی خوشگوار شام کا میں اکثر لطف اٹھاتا رہا۔ یہاں فوجی بینڈ ہفتہ وار باجہ بجاتا ہے۔ عدن کی دلچسپ یادداشتوں میں وہاں کے یورپین احباب کی مہربانیوں و شفقت کی یاد سب سے زیادہ گہرا اثر رکھتی ہے۔ جنہوں نے نہ صرف مصنف کی دعوتیں کیں بلکہ دربارہ سفر ہر قسم کی امداد و اعانت فرمائی ہیں یہاں ان سب کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش نہ کرونگا۔ جنہوں نے ایک مسافر پر رحم کیا۔ لیکن یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ میں جنرل جیکب ایچ۔ ایم۔ پولیٹیکل ریذیڈنٹ اور کرنل سٹیس سی۔ بی۔ اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کا ان کی بہت سی مہربانیوں کے لئے نہایت مشکور رہونگا؛

ہوٹل میں قیام پذیر ہو کر ایک روز سستانے کے بعد میں نے یہاں کے نظارہ کو دیکھنے کی کوشش کی۔ خوش قسمتی سے یہاں قابل دید مقامات زیادہ

نہیں۔ ازانجملہ بازار کا نظارہ اس قسم کا ہے۔ کہ انسان کبھی اسکے دیکھنے سے سیر نہیں ہوتا۔ نیز ہمارا ہوٹل بھی ایک نظارہ ہے۔ یہ عجائبات سے بھرا ہوا تھا اسکا مالک ایک قوی ہیکل مگر کسقدر کثیف و غلیظ یونانی تھا۔ اسکے باورچیخانہ سے زیادہ غلیظ کوئی مقام نگاہ سے نہیں گذرا۔ صحن کا وسط ایک بوسیدہ بالاخانہ سے محدود تھا۔ جو ایک مرتبہ بطور قہوہ خانے کے استعمال کیا گیا تھا مگر اسکا ساز سامان بدستور پڑا ہوا تھا۔ جس پر مکڑی کے جالے لگے ہوئے تھے۔ ہوٹل کے نیچے اس یونانی مالک ہوٹل کی دکان عجائبات تھی۔ ان میں کرم خوردہ وحشی حیوانوں کے چمڑے۔ اور سمالی لینڈ کے زنگ آلود بھالے رکھے تھے۔ دکان مذکور کا ترکش ڈیلائیٹ (ترکی فرحت) عمدہ تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اسنے یہی چیز میرے نوکر کے پاس مجھسے نصف قیمت پر فروخت کی ہے پس آئندہ میں عبد الرحمن ہی کے توسط سے ترکش ڈیلائیٹ خریدتا رہا۔ مزید برآں اپنے بمبئی ملازم سعید کی معرفت بھی اس یونانی سے بہت سی اشیاء خریدیں۔ بہیئت مجموعی یہ ہوٹل قابل رہائش تھا۔ کیونکہ عدن جیسی آب و ہوا کے ملک میں لوگ زیادہ تر کمروں کے باہر برانڈہ میں زندگی بسر کرتے ہیں ٭

سب سے پہلے ہمنے قصبہ تواہی کی گشت کی۔ جہاں ہوٹل واقع تھا قصبہ مذکور سٹیمر پائنٹ کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں دیکھنے کے قابل بہت کم چیزیں ہیں۔ دیسیوں کا ایک گروہ چھوٹے سے قہوہ خانہ کے سامنے چارپائیوں پر پڑا ہوا حقّے کے دم لگا رہا ہے۔ یہ عقب بازار کی کیفیت ہے۔ قصبہ کے بالمقابل پرنس آف ویلز کریسنٹ نامی بستی ہے۔ یہ نصف دایرہ کی صورت میں چونے کے بدنما بنے ہوئے مکانات ہیں۔ البتہ اس حصہ میں مسرز لیوک ٹامس اینڈ کمپنی کے دفاتر کی عمارتیں عمدہ ہیں۔ کمپنی مذکور کے ایجنٹ مسٹر درآمڈل کی عنایتوں کا میں نہایت ممنون ہوں۔ کریسنٹ کے بعد سے مکانات کے سامنے ریتیلا کھلا میدان ہے جسمیں کھجوروں کے چند درخت ہیں۔

آہنی حد بندی سے اس میدان کو ساحل سے جدا کیا گیا ہے۔ گاڑیوں کے
استادہ ہونے کا آہنی مسقف مقام نظارہ کو زیادہ خوشنما نہیں بناتا۔ نیز کوئلہ
آمیز گرد و غبار بھی اڑ اڑ کر کپڑوں کو خراب کرتا و زندگی کو سوہان روح بناتا ہے
باوجود ان خشک نظاروں اور قصبہ کے سر بہ فلک چٹانوں کے میرے حافظہ
میں "تواہی" کی یادداشت نہایت فرحت خیز ہے۔ میں نے اس چھوٹے سے
قصبے کو دیکھ کر جو نصف گھنٹے میں آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ عدن خاص
جانے کے لئے گاڑی کرایہ کی۔ یہ قصبہ ایک بجھے ہوئے آتش فشاں پہاڑ کے
دہانے کے وسط میں آباد ہے۔ اگر اس پہاڑ سے سابق کی طرح پھر آگ نکلنے لگے
تو باشندوں کی کیا کیفیت ہوگی؟

سٹیمر پائنٹ سے عدن جاتے ہوئے گاڑی میں سخت ہچکولے لگتے ہیں۔
اور ہر لحظہ یہی گمان ہوتا ہے کہ گاڑی اب ٹوٹی کہ ٹوٹی۔ دونوں مقامات میں
چار پانچ میل کی مسافت ہے۔ ہدقاف کے درے سے گذر کر اس میدان میں
پہنچتے ہیں۔ جہاں معلیٰ نامی گاؤں ہے۔ معلیٰ کا بندرگاہ دیسی کشتیوں سے
بھرا ہوا تھا۔ عرب ملاح کنارے پر بیٹھے بادبانوں کی مرمت کر رہے تھے۔ پھر
لہریہ دار راستہ طے کر کے بڑے درے میں داخل ہوتے ہیں۔ جو چٹانوں میں
سے کاٹا گیا ہے۔ اس کے بعد نیچے اترتے ہیں۔ اور سرنگ نما درہ سے گذر
کر قصبہ عدن میں پہنچ جاتے ہیں جس میدان میں عدن واقع ہے۔ یہ دراصل
کوہ آتش فشاں کا دہانہ ہے۔ اور تقریباً گول ہے۔ اسمیں جا بجا چٹانوں کی ٹوٹی
ہوئی چوٹیاں نکلی ہوئی ہیں۔ جو جگہ چوٹیوں نے بیچ میں خالی چھوڑ دی ہے
وہاں سے سمندر و ریگستان کا بخوبی نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ چوٹیاں ادھر سے
کوہ شمسام سے جا ملی ہیں۔ نگاہ کو اس ویران نظارہ سے کوئی فرحت حاصل
نہیں ہوتی۔ ہاں عدن کے صاف و پاکیزہ سفید قصبہ کو دیکھ کر کسیقدر تسکین
ہوتی ہے۔ دور پہاڑ کی چوٹی پر ایک برج بنا ہوا ہے۔ جو بمبئی کے برج خاموشی

ی مانند ہے ۔ اسیں عدن کے پارسی اپنے مردوں کو گدوں اور زاغ و زغن
کا لقمہ بنانے کے لئے ڈال دیتے ہیں ۔ کیونکہ ان کے خیال میں لاشوں سے
ین ۔ آگ و پانی کو ناپاک نہیں کیا جا سکتا ۔

لیکن عدن میں اگر کوئی قابل دید چیز ہے ۔ تو وہ تالاب ہیں عدن آنے سے
پیشتر میں ان تالابوں کی نسبت بہت کچھ سن چکا تھا ۔ چنانچہ ایک طویل بحری
سفر میں جہاز کے بخار نے انجیل کے نسبت عدن پر گفتگو کرتے ہوئے ان الفاظ
میں ثبت مذکور کی صداقت کا اقرار کیا کہ اس سے آج ہی کا عدن مراد ہے ۔
جسکے اثبات کیلئے وہاں تالابوں کی موجودگی کافی ہے ۔ اور ان تالابوں کو میں نے
بچشم خود دیکھا ہے ۔ اگرچہ یہ تالاب اس [illegible] نے بخار کے مذہبی خیالات و
ایمان کی تقویت کا موجب ہوئے [illegible] مجھے اندیشہ ہے کہ تالاب اسقدر
قدامت نہیں رکھتے کہ ان کا نسبت عدن سے تعلق ثابت کیا جا سکے ۔ غالباً یہ
الیشان یا الشان تالاب دوسرے ایرانی حملے کے زمانہ میں بنائے گئے ہونگے
حالانکہ جنوب عرب میں ایسے بھی زیادہ پرانے تالاب موجود ہیں جنمیں سے
سد یا سبا کا مشہور پشتہ مشہور ہے ۔ اگرچہ میں اسقدر خوش قسمت نہ تھا کہ
میں بڑے سد پشتہ و تالاب کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا تاہم اسکے
متعلق یہاں چند الفاظ بیہودہ نہ سمجھے جائیں گے ۔

مارب کا پشتہ غالباً حضرت مسیح سے سترہ سو برس پیشتر لکمان ذی ایڈایٹ
کے عہد میں تعمیر کیا گیا تھا ۔ بعض مصنفین اسکی تعمیر کو سبا کے والد عبد الشمس
سے منسوب کرتے ہیں ۔ مانشیور ڈی ارنو جنے ۱۸۴۳ء میں سبا کی سیاحت کی
تھی ۔ اس سد پشتہ کی کیفیت حوالہ قلم کی ہے ۔ یہ ایک عظیم الشان دیوار پر
مشتمل ہے ۔ جو دو میل طویل اور ۷۵ قدم عریض ہے ۔ دیوار مذکور دو پہاڑوں
باہم وصل کرتی ہے ۔ نیچے کی زمین کو سیراب کرنے کے لئے سوراخ رکھے ہوئے
ہیں ۔ یہ سوراخ اونچے نیچے مختلف سطوحات پر ہیں ۔ تاکہ تالاب میں خواہ کم و

بیش کتنا ہی پانی ہو۔ اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ غالباً حضرت مسیح سے سو سال پہلے یہ بند تباہ ہوا۔ اگرچہ اس مصیبت کیطرف قرآن میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ تاہم اس بند کے ٹوٹنے کی کوئی خاص تاریخ نہیں بتائی جا سکتی۔ لیکن اس پشتہ نے سترہ صدیوں تک پانی کے حملوں کا جس استقلال سے مقابلہ کیا۔ وہ اسکی مضبوطی کی بےنظیر دلیل ہے ؛

عدن کے تالابوں کا مارب کے اس پشتہ سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تاہم یہ بھی اپنی وضع میں کچھ حیرت انگیز نہیں۔ انکی تعمیر میں بھی بہت محنت اٹھانی پڑی ہوگی۔ اور بہت سا وقت صرف ہوا ہوگا۔ ان تالابوں کی تعداد پچاس ہے۔ اگر یہ سب کام دینے کے قابل ہوں۔ تو ان میں تیس۳۰ ملین گیلن پانی سما سکتا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ رئیس سلیمان کے ۱۵۳۸ء میں حملہ آور ہونے پر باشندگان عدن کی زندگی انہی بڑے تالابوں کے پانی پر منحصر تھی ۱۸۳۹ء میں جب کیپٹن ہینس عدن آیا۔ تو اسنے متعدد تالابوں کو زیر استعمال پایا۔ لیکن بہت سے تالاب سنگریزوں سے بھرے ہوئے تھے۔ جنہیں پانی کی چادر چٹانوں سے بہا لائی تھی ؛

۱۸۵۶ء میں ان تالابوں کی صفائی و درستی کا کام شروع ہوا۔ اب تیرہ تالاب زیر استعمال ہیں جنہیں آٹھ ملین گیلن پانی کی گنجائش ہے۔ ان کے مواقع اچھے ہیں۔ یہ بلند پہاڑ شمشام کے پاؤں کے نیچے لیکن نیچے سے بلندی پر واقع ہیں۔ کہ مینہ کا تمام پانی رودباروں میں جمع ہو کر ان تالابوں میں جو اوپر تلے بنے ہوئے ہیں۔ گرتا رہتا ہے ؛

تالاب مختلف وضع وقطع کے ہیں۔ بعض ٹھوس چٹانوں میں کاٹے گئے ہیں بعض خورد ندیوں کی پشتہ بندی سے اوپر بنائے گئے ہیں تیسری صورت زاویہ نما ہے۔ گھاٹی میں دو قدرتی دیواروں کو زاویہ بناتے ہوئے دیکھکر تیسری دیوار خود پتھر و چونہ کی کھینچی گئی ہے۔ پہلے اوپر کے تالاب

بھرے جاتے ہیں۔ بوجہ ان کے چھلکنے سے زاید پانی نیچے کے تالابوں میں گرتا ہے۔ باوجود پانی جمع رکھنے کے اسقدر بڑی گنجایش اور عدن کی قلت بارش کے بعض اوقات اس کثرت سے مینہ برستا ہے کہ نہ صرف حوض ہی بھر جاتے ہیں۔ بلکہ اس سے نہر میں بھی طغیانی آجاتی ہے۔ جو شہر کو بہت سا نقصان پہنچا کر سمندر میں جا گرتی ہے ؛

کسی زمانہ میں ان تالابوں اور چند کوؤں پر عدن کے باشندوں کو قناعت کرنی پڑتی تھی۔ یہاں تک کہ پندرھویں صدی میں عبدالوہاب بذریعہ نہر بیر احمد سے پانی شہر میں لایا ؛

ان تالابوں کے سوا عدن کی گذشتہ عظمت و جلال کی کوئی یادگار باقی نہیں رہی۔ اور نہ اہل عرب نے جدید عمارت میں مسجد کے سوا کوئی ایسا مکان تعمیر کیا ہے۔ جو دلچسپی و خوبصورتی رکھتا ہو۔ مانشیور ڈی مرول جنہے سنہ [illegible]ء میں عدن کی سیاحت کی تھی۔ سنگ مرمر کے حیرت انگیز منقش حماموں کی کیفیت تحریر کی ہے۔ لیکن اب ان حماموں کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ اور نہ یاسر کی بنائی ہوئی مسجد یا عمران کے مقبرہ کا کوئی سراغ ملتا ہے۔ فی الواقع عدن تالابوں، تاریخی کوائف اور عجیب باشندوں کے سوا جو اسکے بازاروں میں جمع ہوتے ہیں۔ سیاح کے لئے دلچسپی نہیں رکھتا ؛

شام کو عدن کے بازار کیسا فرحت انگیز منظر پیش کرتے ہیں۔ میں دن کی روشنی کے آخری ایک دو گھنٹے اکثر بازار کی سیر میں صرف کیا کرتا تھا۔ عجیب غریب آدمی وہاں پائے جاتے ہیں۔ ہندوستانی سرخ و سنہری [illegible] کلدار کپڑے پہنے پھرتے ہیں۔ صومالی سفید لباس میں ملبس ہیں۔ ان کے لمبے بال شانوں پر رسیوں کی طرح بکھر رہے ہیں۔ بسا اوقات انکے بال سرخی مایل مٹی سے جو وہ بالوں کو ملتے ہیں۔ رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ عرب بھی لمبے ریشم کے سے بالوں کیساتھ جو رنگی چھوٹی پگڑی میں سے نمایاں ہیں۔ ادھر ادھر آتے

جاتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ صرف نیلے رنگ کا تہ بند باندھتے ہیں۔ جس کا رنگ انکے تانبے کے سے رنگ کے جسم سے لگ جاتا ہے۔ تہ بند کے سوا یہ گویا برہنہ ہوتے ہیں۔ یہودی۔ زنجبار کے حبشی۔ بغداد کے ایرانی و عرب۔ پارسی و یونانی۔ غرضکہ ہر قوم و مذہب کے لوگ عدن کے بازاروں میں موجود ہوتے ہیں ٭

دن کی گرمی دور ہو جانے پر مناسب ہے کہ بازار کے کسی گوشہ کے قہوہ خانہ میں بیٹھکر سیر دیکھیں۔ کہیں میز پہ چار سیاہ فام سمالی کھیل میں مصروف ہیں کسی طرف عربوں کا مجمع قہوہ اڑا کر حقہ پی رہا ہے۔ اونٹوں کے طول و طویل سلسلے اکثر بازاروں میں سے گذرتے رہتے ہیں۔ شام کے بازار کا منظر فی الواقع قابل دید ہے۔ عجیب آدمیوں کا مجموعہ دنیا میں کسی اور جگہ شاید استبول و غلاطہ (قسطنطنیہ) کے پل پہ ہی دیکھا جا سکتا ہے ٭

عدن میں ایک اور نظارہ بھی دیکھنے کے لائق ہے۔ یہ ایک سرنگ ہے جو قصبہ کو خاکنائے سے ملاتی ہے۔ اور کوہستان منصوری کے نیچے نیچے چلی گئی ہے۔ یہ ساڑھے تین سو گز طویل ہے۔ اسمیں مصنوعی طور سے روشنی کیگئی ہے۔ یہ گاڑی اور کاروانوں کے آنے جانے کیلئے کافی طور سے فراخ ہے ایک اور سرنگ خاکنائے کی دو جدا الائینوں کو باہم پیوستہ کرسکتی ہے ٭

عدن کی قلعہ بندی میں حال میں بہت بڑی ترقی کی گئی ہے۔ راقم کی سیاحت کے دوران میں کئی نئے قلعے تعمیر ہو رہے تھے۔ بلاشبہ عدن کا جنگی موقعہ بہت بڑے اخراجات کی ضرورت کو ثابت کرتا ہے۔ حالت جنگ میں عدن کوئلہ کا گراں قدر بندرگاہ تسلیم کیا جائیگا۔ موجودہ زمانہ میں سپاہ عدن مندرجہ ذیل دستوں پر مشتمل ہے۔ سواروں کا دستہ۔ توپخانہ کی تین باٹریاں۔ برٹش پیدل فوج کی ایک رجمنٹ۔ اور سفرمینا کی پلٹن خلیج میں صیغہ بحر ہند کا ایک گنبوٹ اور ایک سٹیمر باربرداری استادہ ہے۔ سپاہ

تمام جزیرہ نما پر پھیلی ہوئی ہے۔ مسالہ کے سبت خاکنائے میں لائن تعمیر کیگئی ہے۔ قلعہ جات جدیدہ کے تیار ہو جانے پر عدن کیا بلحاظ اپنی مدافعانہ طاقت کے اور کیا تجارتی وسعت کے لحاظ سے دنیا کا نہایت کامیاب بندرگاہ سمجھا جائے گا:

باب دوئم

عدن سے لاحج تک

احباب عدن کی عنایت و امداد سے غیر متوقعہ طور پر جلد سامان سفر مہیا ہو گیا۔ بازار میں ہر جگہ افواہ تھی۔ کہ یمن کے اندرونی ملک میں بغاوت ہنوز فرو نہیں ہوئی۔ ان تاریک افواہوں سے صداقت و اصلیت کا پتہ لگانا ناممکن تھا۔ سب سے زیادہ حوصلہ شکن یہ امر تھا کہ کئی ماہ سے کوئی کارواں اندرونی ملک سے عدن نہ آیا تھا۔ جو لوگ لاحج یا مضافات سے آتے تھے۔ وہ اندرون یمن میں سڑک کے ناقابل گذر ہونیکی خبر لاتے تھے۔ کہ سرکش قبائل تاخت و تاراج میں مصروف ہیں۔ اور ملکی ہنگاموں کو مغتنم سمجھکر لوٹ کھسوٹ سے اپنے آپکو متمول بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مزید براں بہت سے یورپین سوداگروں نے مجھ سے کہا کہ زمانہ امن میں بھی براہ عدن یمن میں داخل ہونا تقریبًا ناممکن ہے۔ رسنے مجھے حدیدہ جانے کی صلاح دی۔ تاکہ میں وہاں سے اگر موقعہ ہو تو دارالحکومت صنعاء میں پہنچنے کی کوشش کرسکوں۔ باوجود اس کے میں نے اسکے خلاف فیصلہ کیا۔ میرے دلائل یہ تھے۔ کہ چونکہ حدیدہ دارالحکومت کا قریب ترین اور مہتمم بالشان بندرگاہ ہے۔ اسلئے وہاں ترک قدرتًا زیادہ

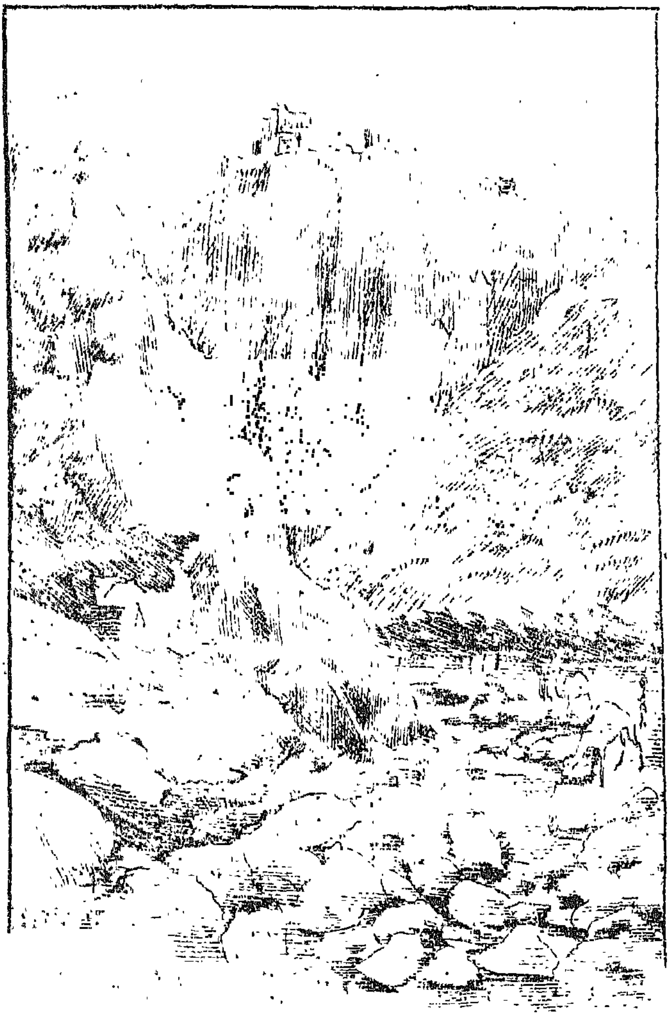

تصویر (۲) عدن کا ایک نظارہ

مستعد ہونگے - وہ نہ صرف مجھے آگے بڑھنے سے روک دینگے - بلکہ وہاں قید
رکھیں گے کہ میں دیگر ریاستوں سے بھی یمن میں سفر کرنے نہ پاؤں - شاید
ناظرین تعجب کریں گے کہ میری راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے سے ترکوں کو
کیا فائدہ تھا - لیکن ایسا وقت اس درجہ اہم تھی - اور اسکے متعلق قسطنطنیہ
سے ایسی جھوٹی افواہیں اُڑ رہی تھیں - کہ حکام نے مصمم عزم کر لیا تھا کہ ذرا
سی خبر بھی باہر نہ نکلنے پائے - حدیدہ کے چند یورپین تاجروں کے سوا یمن میں
اور کوئی یورپین نہ تھا - لیکن ان یونانی تاجروں کو بمشکل اجنبی تصور کیا جا
سکتا ہے - کیونکہ انہوں نے وہیں کے رسوم و رواج اختیار کر لئے ہیں - اور
دیگر باشندوں کی طرح یہ بھی یہیں کی رعایا سمجھے جاتے ہیں - بس مجھے معلوم
ہو گیا کہ اگر حدیدہ سے صنعا جانے میں ناکام رہا - تو پھر میں کسی اور راستہ
سے بھی وہاں کی سیاحت نہ کر سکوں گا - گویا اس ملک کا دروازہ مجھ پر بند ہو
جائیگا - جیسا کہ سفرنامہ سے ظاہر ہوگا - احباب کے مشورہ کے خلاف جو
پروگرام میں نے سوچا تھا - اس میں مجھے ناکامی نہیں ہوئی - لیکن اسکے سوا اور
بھی بہت سے قابل غور معاملات تھے - یہ تسلیم کرنے پر بھی کہ میں براہ حدیدہ
دارالحکومت صنعا میں پہونچ جاؤنگا - یہ سوال پیدا ہوتا تھا - کہ مجھے کونسا طریقہ
اختیار کرنا چاہئے - جو نسبتاً محفوظ ہو؟ پہلے میں نے چند اونٹ خریدنے کا ارادہ کیا
لیکن پھر غور کے بعد یہ خیال ترک کر دیا گیا - کیونکہ اس طرح جن اقوام کے علاقہ
سے گذرتا ممکن تھا کہ انہیں ان اونٹوں کے چرا لینے کی طمع دامنگیر ہوتی -
نیز یہ ممکن تھا کہ کسی عرب جنگجو میں تنخواہ پر بطور رہنما ہمراہ لیجاتا - باربرداری
کے یہ دو تین اونٹ لیکر چلتے - لہذا میں نے اونٹوں کا کرایہ پر لینا ہی مناسب
سمجھا - اس طرح ساربانوں کو نہ صرف میری بلکہ باربرداری کے اونٹوں کے
بھی صحیح و سلامت منزل مقصود پر پہنچنے کی فکر لاحق ہوتی - پس میں کس طرح
اپنے سفر کو شہرت دیئے بغیر قابل اعتبار ساربان اور حیوان حاصل کر سکتا تھا؟

مینے اسباب میں مسرز کاؤس جی ڈنشا اینڈ کمپنی سے جنکی عدن میں بہت بڑی دکان ہے مشورہ کیا۔ انہوں نے مجھے ایک عرب تاجر کا پتہ دیا جس سے ملکر میں بہت خوش ہوا۔ یہ میری شمالی افریقہ کی عربی بولی سمجھ سکتا تھا۔ اور اسکی تعلیم یافتہ یعنی گفتگو کم وبیش میری سمجھ میں بھی آجاتی تھی۔ مینے قہوہ پیتے ہوئے اپنی تجاویز سے اسے آگاہ کیا۔ جن سے اسنے کچھ کم دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ اسنے بجواب کہا۔ کہ تمام باتیں مجھ پر چھوڑ دو۔ اور کل تیسرے پہر میرے مکان پر آؤ۔ دوسرے روز جب میں اسکے مکان پر پہنچا تو قہوہ خوری کے بعد اسنے کوہستان یمن کے ایک عرب سے میری ملاقات کروائی۔ اسکی عمر چالیس سال کے اندر ہوگی۔ یہ ایک مضبوط وخوبصورت جوان تھا۔ میں اس عجیب فرد کی نسبت چند الفاظ لکھنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ یہ طویل القامت متناسب الاعضا شخص تھا۔ اسکے تانبے کے رنگ کی جلد سے اعضا کا سڈول ہونا ظاہر ہوتا تھا۔ اسکے شانوں پر سیاہ بال لٹک رہے تھے۔ نیلے تہبند اور چھوٹی سی نیلی پگڑی کے سوا جسکی شکنوں سے بال پھوٹ پھوٹ کر نکل رہے تھے۔ اور کوئی کپڑا پہنے ہوئے نہ تھا جسم کے کسی کسی حصہ پر نیلگوں کپڑے کا رنگ لگا ہوا تھا۔ کمر میں جو خنجر (جنبیہ) آویزاں تھا۔ اسکے دستہ پر نہایت نفیس یعنی نقرہ کا کام ہو رہا تھا۔ اسکے بائیں بازو پہ چاندی میں مڑھا ہوا تعویذ تھا۔ خط وخال نہایت خوبصورت تھے بھویں بلند وخمدار۔ آنکھیں شاندار اور بادام کی طرح تھیں۔ ناک ستواں اور باریک تھی۔ اسپر منہ کی خوشنمائی خوبصورتی میں اور بھی اضافہ کر رہی تھی۔ اوپر کا ہونٹ کسیقدر منڈا ہوا تھا۔ صرف ٹھوڑی پر ایک انچ لمبی ڈاڑھی تھی۔ میرے عرب میزبان سے یہ بہت مختلف تھا۔ جو ایک ضخیم الجثہ شائستہ معزز سوداگر تھا جسکی بھویں سرمے سے سیاہ تھیں۔ اور داڑھی بھی خضاب شدہ تھی منڈے ہوئے سر پر ایک بھاری پگڑ دھرا تھا۔ اور وہ سبز کپڑے پہنے ہوئے تھا

ہمارے برہنہ مہمان کیلئے قہوہ لایا گیا۔ ہمنے امور سفر پر بحث شروع کی نتیجہ یہ ہوا کہ میرے شیخ دوست نے قلیل رقم کے معاوضہ میں مجھے بحفاظت صنعا میں لیجانے کا وعدہ کیا۔ سفر کے متعلق میرے تمام سوالات کے جواب میں وہ ہنستا رہا۔ اس شخص میں صداقت کے کچھ ایسے آثار پائے جاتے تھے۔ کہ میں ابتدا ہی سے اس پر اعتماد کرنے لگا تھا۔ اور میں اسبارہ میں غلطی پر نہ تھا۔ اسنے مسکراتے ہوئے کہا۔ کہ تمہیں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ جسدن تم جانا چاہو۔ صرف اپنا اسباب یہاں لے آؤ۔ بقیہ انتظام میں خود کر لونگا۔ نصف گھنٹے میں تمام معاملات کا فیصلہ ہوگیا۔ تین اونٹ مجھے اور میرے ملازموں کو لیجا سکتے تھے۔ جو کچھ فاصلہ پر سطح مرتفع میں داخل ہونے پر خچروں سے تبدیل کئے جاتے۔ رہنما اور رفقا کے لئے مجھے اسے کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ اسنے پوچھا کہ تم کب تیار ہوگے؟ مینے جواب دیا کہ کل صبح! مجھے توقع تھی کہ وہ اسقدر جلد روانگی کے متعلق عذر معذرت کریگا۔ لیکن نہیں۔ اسنے خندہ پیشانی تمام انتظام کر دینے کا وعدہ کیا۔ نصف گھنٹے کے بعد میں پرانی ٹرین و فرسودہ گاڑی میں سٹیمر پائنٹ واپس آیا۔ جہاں ہوٹل واقع تھا۔

مجھے تیاری سفر میں دیر نہ لگی۔ اس کے بعد بستر پر جا لیٹا۔ اور خوش تھا۔ کل عدن سے روانہ ہو جاؤنگا۔ صبح بہت سویرے بیدار ہوا۔ میں جانتا تھا۔ کہ علی الصباح روانہ ہونیکی کوشش فضول ہے۔ پس مینے پھر اپنا اسباب دیکھا۔ کہ آیا وہ اچھی طرح بندھ گیا ہے یا نہیں۔ صرف کپڑوں کے ایک تھیلے۔ چٹائی۔ کمبل۔ دو چولہے۔ ایک کیتلی اور چند اجناس) پر (جو کپڑے میں بندھے ہوئے تھے مشتمل تھا۔

نو بجے صبح کے قریب مینے کپڑے پہنے۔ چونکہ ابتک ملازموں میں سے کوئی بھی حاضر نہ ہوا تھا۔ اسلئے میں بے صبری سے انکا انتظار کرنے لگا

آخر کار میرا مراکو کا وفادار ملازم عبدالرحمٰن نمودار ہوا۔ جو اپنے وطن سے محض اس سفر میں میری رفاقت کے لئے ہمراہ آیا تھا۔ اس میں اتنا نقص ور ہے کہ جب اسکی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ تو یقیناً یہ کسی ایسی پوشیدہ جگہ میں سویا ہوا ہوتا ہے۔ جس کا سراغ لگانا قطب شمالی کی طرح مشکل ہے ایک گھنٹہ کے بعد سعید بھی آگیا۔ یہ نیا لباس پہنے تھا۔ اور نہایت خوش و بشاش تھا۔ اور اسقدر دیر سے آنے پر ذرا بھی خجل نہ تھا۔ اس تیزی کی طرح اس زندہ دل شخص سے کوئی ناراض نہ ہو سکتا تھا۔ جو سر کے بل کھائے ہوئے بالوں سے جوتی کے تلے تک سرتاپا مجسم بانکپن تھا۔ ریگستان یمن کے سفر میں جب کہ ہم تھکے ماندے ہوتے تھے۔ بارہا سعید کی بشاشت اور اس کی زنانہ فتوحات کی داستانیں ہمیں بے اختیار قہقہہ لگانے پر مجبور کرتی تھیں اور تمام کوفت رکید گی زائل ہو جاتی تھی۔ جبکہ ہم سعید کو عدن سے جو اسکا ارضی بہشت تھا۔ نکال لائے۔ تو وہ ایسا ہی اچھا و خوش و خورم تھا جیسا کہ ایک تانی انسان ہو سکتا (آخر کار اسباب کو دو گاڑیوں میں رکھوا کر ہم عدن خاص کو روانہ ہوئے۔ بوڑھے موٹے یونانی نے جو ہوٹل کا مالک تھا ہاتھ ہلا کر میرے سفر کی کامیابی کی خواہش ظاہر کی۔ پہلے تو ہمیں ساربانوں اور اونٹوں کا کوئی پتہ نہ ملا۔ لیکن بہت سی تلاش کے بعد دیدہ وزہ خوبصورت عرب مل گیا جسنے اسے اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ آخرش اونٹ دستیاب ہو گئے۔ جنکو احاطہ میں بٹھا کر عبدالرحمٰن کو اسباب اور اونٹوں کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر میں سعید کے ساتھ چند چیزیں خریدنے بازار گیا۔ گرمی ناقابل برداشت تھی۔ لیکن باوجود میری بے صبری و جلدی کے سعید کے اطمینان خاطر میں مطلق فرق نہ آیا تھا۔ یہ مسکرا رہا تھا۔ اور ہر ایک شناسائی جو راستہ میں ملتا۔ ایک دو لفظ کہنے سے نہ چوکتا تھا۔ مزید براں دکانداروں سے مول تول چکانے میں اسقدر جھگڑتا۔ کہ پناہ بخدا۔ اگر وہ اس کی

پیش کردہ قیمت پر راضی ہو جاتا۔ تو دوسری دکان کی راہ لیتا۔ اور وہاں پر از سر نو وہی جھگڑا شروع کر دیتا تھا۔ اسطرح اسنے ہر ایک چیز کے خریدنے پر بہت سا وقت صرف کیا۔ بارے خدا خدا کر کے اشیاء خریدی گئیں۔ اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا ؛

ہم پھر اونٹوں کے احاطہ کی طرف لوٹے۔ عبدالرحمٰن انتظار میں تھک کر ساربانوں کے ساتھ کسی قہوہ خانہ میں قہوہ کا ایک پیالہ اڑانے چلا گیا تھا۔ سعید کو میں نے ان کے ڈھونڈنے کیلئے بھیجا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد عبدالرحمٰن و ساربان لوٹ آئے۔ لیکن سعید کا کوئی پتہ نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ بھی مسکراتے ہوئے نظر آئے۔ چہچہانے والے پرندے کی طرح خوش و بشاش تھے۔ اور معذرت کرنی اپنی ایک حبیبہ کو الوداع کہنا بھول گیا تھا۔ پھر اس معشوقہ کے حسن و جمال کی تعریف و توصیف شروع کر دی۔ آخر کار میں نے اسے خاموش کروایا ؛

اسکے بعد اونٹ لادے گئے۔ میں پاس بیٹھا ہوا دیکھا کیا۔ اور یہ سوچ رہا تھا کہ کوئی چیز بھول تو نہیں گیا۔ دفعتاً سعید کو ایک نیا خیال سوجھا۔ قبل اسکے کہ میں اسے پکڑ سکتا۔ وہ کھانا پکانے کے لئے گھی یا مکھن کا ایک مرتبان خریدنے کیلئے بازار کی طرف بھاگ گیا۔ تعاقب بے فائدہ تھا۔ تاہم میں زیادہ انتظار نہ کر سکا۔ اور اسکی تلاش میں روانہ ہوا۔ آخرش اسے ڈھونڈ نکالا۔ مگر وہ گھی کو فراموش کر کے چند حقوں کے پینے کی طاقت کا امتحان کر رہا تھا۔ میں نے حقے کی ایک نے خریدی۔ اسکے بعد وہ گھی لینے گیا۔ نے اسکے بغل میں تھی۔ لیکن میں ہمراہ گیا۔ اور اسے صحیح و سلامت واپس لے آیا ؛

تب میں نے بہ نگاہ مسرت اونٹوں کو اسباب سے لدے احاطہ سے نکلتے اور زرد و غبار آلود سڑک پر جاتے ہوئے دیکھا۔ انکے عقب میں ساربان وغیرہ تھے۔ نصف گھنٹے کے بعد ہم گاڑی میں سوار ہوئے۔ اور عدن کے

درہ اعظم سے گذر کر لہریدار پہاڑی سڑک اور خالکنا رستے ہوتے اپنے اسباب کے اونٹوں سے ملنے کے لئے شیخ عثمان روانہ ہوئے۔

اب تقریباً آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ عدن کا نظارہ جسے ہم پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ نہایت شاندار و خوبصورت تھا۔ خلیج کا پانی آئینہ ساں چمک رہا تھا۔ ساکن پانی میں چٹانوں اور استادہ جہازوں کا عکس صاف طور پر نمایاں تھا۔ زردی مائل آسمان ابتک دوپہر کی گرمی سے متاثر معلوم ہوتا تھا۔ دیسی کشتیوں کے بادبانوں سے دور چھوٹا عدن آسمان کی زردی کے سامنے چھپتا دکھائی دیتا تھا۔ اسکے بعد سورج غروب ہو گیا اسکے ساتھ ہی ہماری گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑی ہوئی۔ اور سمالی ہانکنے والا جو ایک نیک مسلمان تھا۔ نماز پڑھنے کے لئے اترا۔ ہوا تازگی بخش و خنک تھی۔ طویل القامت سمالی رکوع و سجود میں تھا۔ اور اسلام کے عروج و جاہ و جلال کا ایک نمونہ دکھائی دیتا تھا گویا وہ درحقیقت گاڑی ہانکنے والا نہ تھا۔

اب گاڑی مسطح زمین پر (جہاں اس سے پہلے تصرف عدن کے متعلق بہت سی لڑائیاں ہو چکی ہیں) پھر روانہ ہوئی۔ آخرکار ہم شفق کی آخری روشنی میں شیخ عثمان پہنچ گئے۔

میں نہایت بشاش تھا۔ اور سفر آئندہ کے خیال سے خوشی سے پھولے نہ سماتا تھا۔ گاڑی ہانکنے والے کو شب اس جگہ وقت میں واپس جانے کی اجازت نہ دی۔ گھوڑے کے گھاس دانے کیلئے اسکو کچھ دے دیا۔ تاکہ وہ بیچارے کو بھی آرام کر کے صبح کو عدن واپس جائے۔ کوچبان کو اپنے ساتھ قہوہ خانہ میں لے گیا۔ جہاں میرے اونٹ و ساربان ٹھہرے ہوئے تھے یہاں ہم عرب۔ اور (عبدالرحمٰن) سمالی اور انگریز سب ملکر بسم اللہ کہکر غریبانہ کھانا (برنج و قہوہ) کھانے میں مصروف ہو گئے۔

لیکن میں آرام سے بیٹھنے کا خواہاں نہ تھا۔ چاہتا تھا کہ جلد چاند نکلے اور ہم روانہ ہوں۔ اپنے عرب دوست کے ساتھ بازار کی سیر کو چلا۔ بہت سے دکاندار گھروں کو جا چکے تھے جسکی وجہ سے بازار نصف ویران نظر آتے تھے۔ شیخ عثمان میں قہوہ خانے بکثرت ہیں۔ کبھی کبھی انکے اندر نگاہ پڑ جاتی تھی۔ کہ عرب بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور عورتیں ہنس رہی ہیں یا اپنے آشناؤں کے حلقے میں ناچ رہی ہیں۔ گویا یہ چھوٹا سا قصبہ اس وقت مصروف عیش تھا۔ کبھی کبھی حقے کے گڑگڑانے کی آواز بھی آتی تھی جسکے خاکی دھوئیں کی بو سے ہوا متاثر ہو رہی تھی۔ باغ کی بلند دیواروں میں سے گذرتے ہوئے ہم باہر ریگستان کو نکل گئے۔ جہاں کھجوروں کے ایک چھوٹے جھنڈ میں شیخ عثمان ولی کا گنبد دار مزار ہے۔ اسکے ساتھ ہی مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔ اور اس کا گنبد دھوپ میں خشک کی ہوئی اینٹوں کا ہے۔

چاند اب بلند ہو رہا تھا۔ اسلئے ہم پلٹ کر قہوہ خانہ کو لوٹے اور آخری حقہ اور قہوہ کا ابلتا ہوا پیالہ پینے کے بعد ہم نے اونٹوں کو لادا۔ اور سرائے والے کو خدا حافظ کہکر آگے چلنے کو تیار ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ میرا نوجوان دوست عرب ہمارے ساتھ آگے جانا نہیں چاہتا۔ مجھے اسکا افسوس ہوا۔ لیکن وہ ساتھ نہیں جا سکتا تھا۔ جب تک کہ اسکے دیئے ہوئے آدمی ہمارے ہمراہ تھے۔ مجھے ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ لیکن میں اس سے بخوشی رخصت ہوا۔ اور اونٹ پر سوار ہو کر میں جھکولے کھانے لگا۔ عبدالرحمن و سعید بھی اونٹوں پر سوار ہوئے۔ اور ہم نے خاموش و سنسان گلیوں اور بازاروں میں سے ریگستان کی راہ لی۔

اس سمت میں توسیع حدود کیلئے برٹش گورنمنٹ قبل ازیں دو مرتبہ شیخ عثمان کے گاؤں اور قلعہ کو تباہ کر چکی ہے۔ یہ مقام اور گردونواح کا

تھوڑا سا عرصہ ہوا جبکہ حکومت برطانیہ نے [illegible] کو [illegible] سلطان فضل بن علی فرمانروائے لاحج سے خرید لیا ہے۔ عدن میں انگریزی پالیسی ایسی کامیاب ہوئی ہے کہ نہ صرف شیخ عثمان میں کوئی امن و امان ہے۔ بلکہ سلاطین ابدالی علوی اور ڈھالہ کے علاقوں میں بھی امن ہے۔ اور کاروانی سڑکیں کھلی ہوئی ہیں۔ جن پر تاجر بے کھٹکے آتے جاتے ہیں۔

ریگستان میں آہستہ مگر ہموار رفتار سے ہمارے اونٹ جا رہے تھے۔ نظارہ کیسا حیرت انگیز تھا۔ ہم نے دیگر ممالک کے بھی ریگستان دیکھے ہیں۔ مگر وہ اسکی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔ عرب میں راتیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ یہاں نرم و خوشگوار ہوا جو موسم بہار کی خوشبو میں بسی ہوئی ہے۔ دل و جان کو فرحت و راحت بخش رہی ہے۔ موسم کی جھاڑیاں ادھر ادھر ریتلی سطح پر اگی ہوئی ہیں۔ جب شبنم پڑنے لگی۔ جو ان جھاڑیوں کو زندگی کی نئی روح بخشتی تھی۔ کبودی آسمان چاند تاروں سے جڑا ہوا تھا۔ ہمارے گرد میلوں تک ریگستان چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ کیڑوں مکوڑوں کی بھنبھناہٹ اور اونٹ کے نرم تلوؤں کے نرم ترین ریت پر پڑنے کی دھیمی آواز کے سوا اور کسی قسم کی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ تمام سماں ایسا ساکن خاموش و مطمئن تھا کہ سانس لینے کی بھی مشکل جرأت ہوتی تھی۔ خیال آتا تھا کہ گویا خواب میں کسی عجیب خطہ میں سفر کر رہے ہیں۔ جسکی نقرئی سرزمین پر جابجا نیلم بکھرے ہوئے ہیں۔ اور جسکا نیلگوں آسمان ہیروں سے مرصع ہے۔ جن جن لوگوں کو ریگستان کی راتوں کا تجربہ نہیں ہوا۔ وہ اس کیفیت کو محسوس نہیں کر سکتے۔ قلم اس منظر کی دلفریبی کو تحریر کرنے سے قاصر ہے۔ گویا ان افاقوں کی مانند ہے۔ جب بخار میں چند گھنٹوں کے لئے چھوڑ جائے۔ جلانے اور جھلسانے والے دنوں کے ہوا و حبس میں قدرت نے یہ خوشگوار ٹھنڈی راتیں مرحمت کی ہیں۔ یہ میرا پہلا شبانہ سفر تھا۔ ہنوز اور کئی راتوں

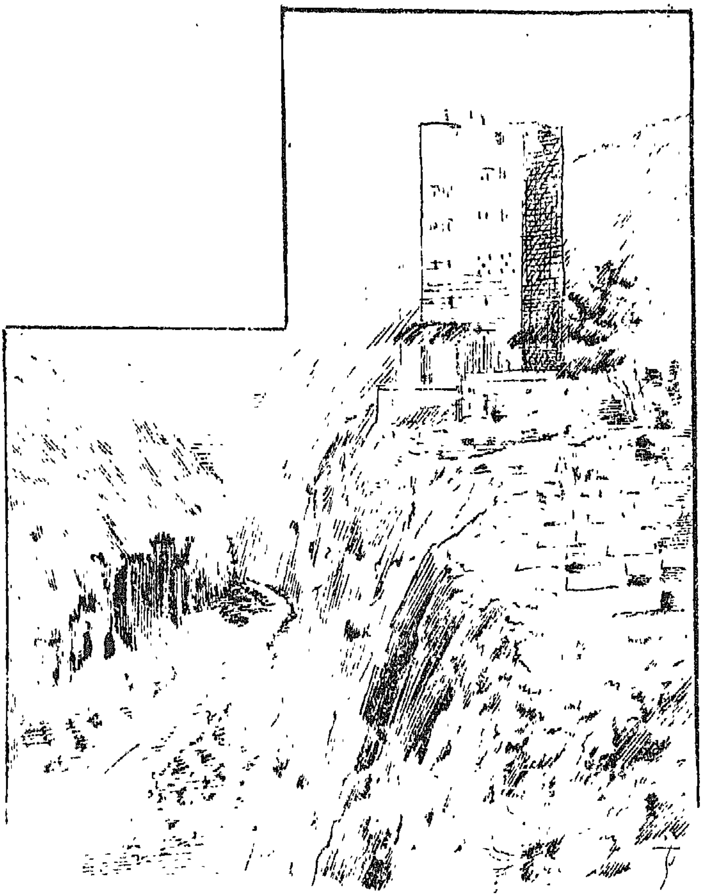

تصوير (٢١) بيت الذرش

کو سفر کرنا تھا۔ لیکن سفر سے میں کبھی نہیں گھبرایا۔ اونٹ کی آہستہ رفتار اور کثیر التعداد ستاروں کے نیچے سفر کرنا۔ ایسا نہیں کہ انسان اُکتا جائے۔ کیا کوئی شخص ایسی غیر معمولی خوبصورتی سے سیر ہو سکتا ہے؟

ایک جگہ جو ریگستان میں ناقابل شناخت تھی۔ ساربانوں نے اونٹوں کو آواز دیکر بٹھایا۔ ہم اُتر پڑے۔ سعید نے میری دری بچھا دی۔ بدوؤں نے ممُوس کی کچھ خشک شاخیں جمع کر کے اونٹوں کے آگے ڈالدیں۔ میں اس خفیف روشنی میں جو ساربانوں نے کی تھی۔ بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ کہ اونٹ ان خاردار جھاڑیوں کو کس شوق سے کھا رہے تھے۔ جنکے کانٹے ایک ایک دو دو انچ لمبے تھے۔ اسکے بعد قہوہ کی پیالیاں گردش میں آئیں۔ اور حقہ پی کر ہمنے پھر اسباب اونٹوں پر لادا۔ اور آگے روانہ ہوئے۔

جونہی صبح کاذب نے آسمان کے مشرقی کنارے پر رنگ آمیزی شروع کی۔ ہم سلطان لاحج کے دارالحکومت نخلستان "ہوطہ" میں داخل ہوئے۔ ملک کا نظارہ بالکل بھول گیا۔ پہلے زرد ریگستان کی بجائے یہاں کی مرطوب سرزمین میں جا بجا جوار و باجرہ کے کھیت نظر آئے۔ جنگلی نہروں کے ذریعہ سے آبپاشی ہوتی ہے۔ اور ادھر اُدھر کھجور کے درخت بھی دکھائی دیتے ہیں۔

یہاں اور وہاں جنوبی عرب کے کوہان والے اونٹ بھی چر رہے ہیں۔ برہنہ لڑکے و لڑکیاں انکے نگہبان ہیں۔ اور ایک شرم آلود نگاہوں سے ایک عیسائی کو گذرتے ہوئے دیکھ رہی ہیں۔ اسکے بعد ہم قصبہ ہوطہ میں داخل ہوئے۔ جو کچی مٹی کا بنا ہوا ہے۔ قصبہ مذکور وحشی عربوں۔ کتوں اور غبار کے مادہ سے بھرا ہوا ہے۔ سلطان کا مکان سب سے بلند ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب گرا اب گرا۔ اسکے گرنے سے آس پاس کے مکانات جھونپڑیوں اور گھروں پر جو تباہی نازل ہوگی محتاج تشریح نہیں۔

اپنے رفیق بدوؤں کے مشورہ سے ایک چھوٹے سے دیسی قہوہ خانہ میں

اترے۔ بہ نسبت سلطان کی مہمان نوازی سے فائدہ اٹھانے کے ہمنے یہیں آزادی سے رہنا زیادہ پسند کیا۔ کرنل سٹیس ریذیڈنٹ عدن نے مجھے سلطان لحج کے نام خط سفارش دیا تھا۔ ہمنے تمام قہوہ خانہ اپنے آرام کے لئے لیلیا اور دری و چٹائی بچھا کر ہمنے ایک گھنٹہ آرام کرنیکا ارادہ کیا۔ جس جگہ ہم ٹھہرے تھے۔ یہ ایک بلند کانٹے دار جھاڑی سے محدود احاطہ ہے۔ ایک گوشہ میں خشت خام کا ایک بڑا کمرہ ہے۔ جسکی چھت بندی چٹائیوں کی ہے۔ اسکے سامنے ایک برانڈہ بھی تھا۔ اس مہمان خانہ سے قطع نظر ایک دو اور چٹائیوں کے غریبانہ جھونپڑے بھی تھے۔ بھیڑ بکریوں۔ کتوں۔ بچوں۔ مرغوں مکھیوں سے یہ جگہ پر شور و زندہ معلوم ہوتی تھی۔ ہماری جماعت یہاں کے لوگوں کے لئے ایک تماشا ہوگئی۔ ہمنے پہلے ہی انگریزی ٹوپی اتار کر فیض ترکی ٹوپی پہن لی تھی۔ تاکہ لوگوں کی توجہ زیادہ مائل نہ ہو۔ انگریزی ٹوپی یہاں کے لوگوں کی نگاہوں میں کفار کا نمایاں نشان ہے۔ کلاہ فیض سے اسے تبدیل کرتے ہی عربوں کی توجہات کا پارہ حیرت انگیز طور سے نیچے اتر آتا ہے۔ تمام یورپین لباس میں صرف ٹوپی ایک ایسی چیز ہے۔ جو عربوں کو قریب نہیں پھٹکنے دیتی۔ اس کے اتارتے ہی انسان ان کا پورا اعتماد و اعتبار حاصل کرلیتا ہے

شمالی افریقہ میں عیسائیوں کو "ٹوپی کا باپ" بھی کہتے ہیں۔

ہم اپنی نئی جگہ میں زیادہ دیر تک سستانے نہ پائے تھے کہ ایک عجیب و غریب شخص ہمیں بلانے آیا۔ جس کثرت سے یہ اسلحہ لگائے ہوئے تھا۔ اس کے لحاظ سے اسے [illegible] لباس کے اسلحہ پہنے ہوئے انسان کہنا زیادہ موزوں ہوگا فی الواقع بہ نسبت کپڑوں کے تلوار اور خنجروں سے زیادہ ملبس تھا۔ ایک لمبا بھالا اس منظر کی شوکت کو اور بھی بڑھا رہا تھا۔ اسکے بل کھائے ہوئے بال چہرے کے دونوں طرف لٹک رہے تھے۔ دو بازوؤں کے گرد چاندی میں مڑھے ہوئے [illegible] تعویذ لپٹے تھے۔ اس نے تپاک سے مجھسے ہاتھ ملایا کہ

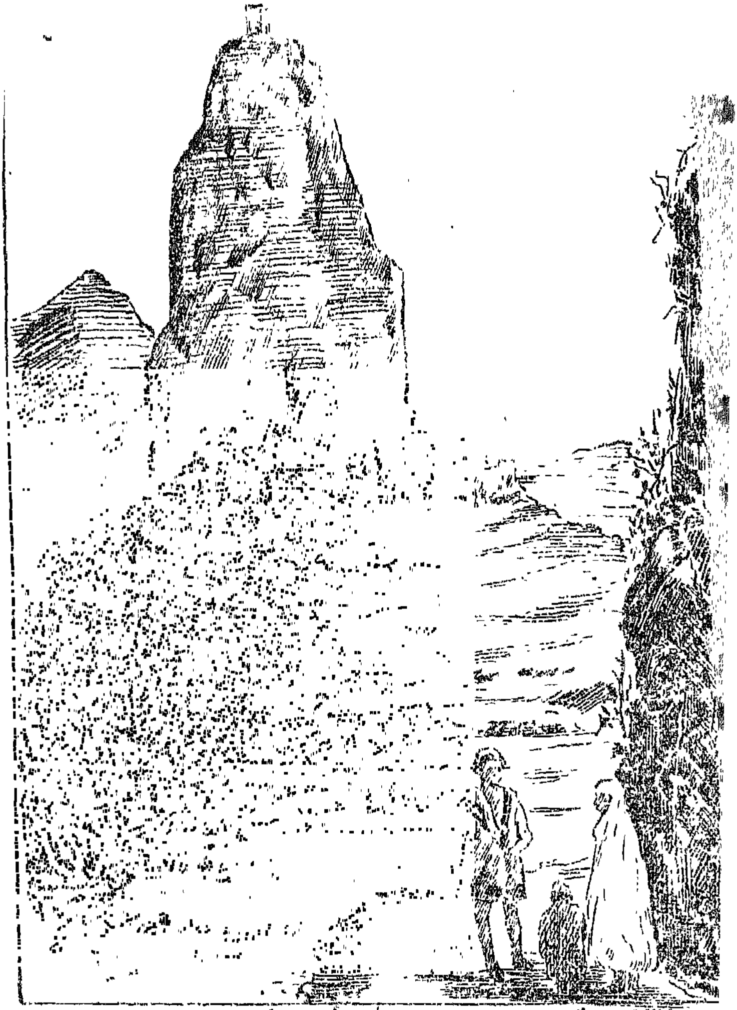

تصویر (۱۱) مناره ٹیبل واسٹ کوہ میسا کا مشہور تودہ

گویا مدت سے مجھے جانتا تھا۔ اور اسلحہ کی جھنکار کے ساتھ بیٹھ گیا۔ قہوہ جلد تیار کیا گیا۔ سعید جو کپڑے پہن کر اور بالوں کو کنگھی کر کے تیار ہو گیا تھا ایک گوشہ میں حقہ پی رہا تھا۔ اس نے حقے کی تواضع کی۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے مہمان نے کہا کہ میرے آقا سلطان نے مجھے آپ کا خیر مقدم کہنے کے لئے بھیجا ہے۔ اور وہ آپ کی ملاقات کے منتظر ہیں؛

سلطان علی محاسن کی ملاقات کا حال بیان کرنے سے پیشتر میں لاہج اور یہاں کے فرمانرواؤں کے متعلق چند الفاظ کہنا چاہتا ہوں۔ قبیلہ ابدالی جو لاہج میں رہتا ہے۔ جنوب مغربی ساحل عرب از سٹریٹ باب المندب ایک سو میل عدن کے مشرق تک نیز اندرون ملک میں پچاس میل رقبہ کی فرمانروائی میں قبائل صبیحہ فضلی اور ہوشابی کا شریک ہے۔ ان میں سے صبیحہ زیادہ جنگجو قبیلہ ہے اور بہ نسبت دیگر قبائل کے خانہ بدوش ہے۔ بخلاف اس کے ابدالی قوم جو کبھی زمانہ میں عدن پر حکمران تھی۔ اور جس کا موجودہ دارالحکومت حوطہ ہے متمول اور امن پسند ہے۔ جو گھر بنا کر رہتا ہے۔ البتہ ان کے چرواہے خانہ بدوش ہیں جنہیں اپنے گلوں کے لئے چراگاہوں کا تبدیل کرتے رہنا لازمی ہے۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔ حوطہ ایک بڑے نخلستان میں واقع ہے جس میں اندرون ملک کے کوہستانوں سے نکلے ہوئے دریا بہتے ہیں۔ نخلستان حوطہ میں محنت سے کاشت کی جاتی ہے۔ یہاں کی خاص پیداوار جوار ہے۔ روئی کے علاوہ ساگ پات اور چارہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ جو عدن کے بازار میں بھیجا جاتا ہے۔ کھجور کے علاوہ یہاں ایک اور سایہ دار درخت ہے۔ جو بادام کہلاتا ہے۔ جس کا ایک عمدہ نمونہ محل سلطانی کے پاس موجود ہے۔ زمین سال بھر میں تین فصلیں دیتی ہے۔ آب و ہوا تقریباً یکساں رہتی ہے؛

حوطہ کا قصبہ ۳۵ میل کے فاصلہ پر عدن کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ اور وسیع رقبہ رکھتا ہے۔ باشندوں کی صحیح تعداد معلوم کرنا محال ہے۔ جو تخمیناً دس ہزار

ہزار ہونگے۔ آبادی مذکور عرب۔ یہودی۔ چند ہندوستانیوں اور زیادہ تر
مالیوں سے مرکب ہے۔ انتہا درجہ کی گرمی اور رطوبت سے یہ مقام انتہا درجہ
رطوب و مولد بخار ہے۔ جہاں اہل یورپ صحت و تندرستی سے نہیں رہ سکتے
صرف چند روزہ قیام ہی میں انکا مرطوبی بخار میں مبتلا ہو جانا ممکن ہے پانی
ھی نہایت خراب ہے۔ جو یورپین افسر شکار کیلئے یہاں آتے ہیں۔ انہیں آگاہ
یا جاتا ہے کہ وہ اس پانی کے پینے سے محترز رہیں۔

اگرچہ موجودہ زمانہ میں سلطان لاہج کے قلمرو میں بہت کچھ امن و امان ہے
ن ہی کیطرح اسکے بھی گذشتہ تاریخی صفحات آئے دن کی معرکہ آرائیوں۔
شت و خون محاصروں وغیرہ کے باعث سے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔

بارھویں صدی عیسوی میں علی ابن مہدی نے یہاں کے باشندوں کو قتل
وا دیا۔ اسکے بعد بھی یہ ملک یکے بعد دیگرے مختلف اقوام کے تحت و تصرف میں
رہا۔ اور اسکے فسادات میں ظالمانہ کشت و خون تاریخ میں بالتفصیل مندرج
ہ بعد کی بہت سی لڑائیاں اور خونریزیوں سے قطع نظر ہم ۱۸۵۳ء میں اسے
چ ماہ تک عبد الربیع باغی کے قبضے میں دیکھتے ہیں جس عرصہ میں عدن ایک
اسکے محاصرہ کی حالت میں رہا۔ اس زمانہ سے پیشتر موجودہ فرمانروا خاندان
شہر پر قابض ہو چکا تھا۔ حکومت مذکور کا بانی اور پہلا سلطان جو عدن و ملک
پر حکمران تھا فضل بن علی بن فضل بن صالح بن سلیم الابدالی تھا جس نے
[illegible]ء میں امام صنعاء کی اطاعت کا حلقہ گلے سے نکالدیا [illegible]ء میں لاہج کا
رہ ہوا۔ اسکے محاصرین قبیلہ لوزبیہ کے لوگ تھے۔ جو صرف دو روز تک اسے
قبضے میں رکھنے میں کامیاب ہوسکے۔ باوجود مسلسل لڑائی و کشت و خون
ذشتہ تاریخ میں کبھی کبھی یہاں کی عمدہ حالت کا منظر بھی بجلی کیطرح نگاہوں
پھر جاتا ہے۔ چنانچہ ۱۷۹۹ء میں انگریزی سپاہ کے پیرم خالی کر دینے پر سلطان
ولاہج کا فوج انگریزی کو شاندار و مکلف دینا۔ مسٹر سالٹ نے اپنی کتاب

بحری سفر ابیسینیا میں جو سنہ ۱۸۴۱ء میں لنڈن میں شائع ہوئی۔ اس زمانہ کے سلطان احمد اور اسکے نائب متعینہ عدن کا نہایت دلچسپ حال لکھا ہے۔ ولسٹڈ نے بھی اس سلطان کو ایک ایسے بڑے عربی سردار کے نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ جو برٹش دوستی کا تہِ دل سے خواہاں تھا۔ اور چاہتا تھا کہ مسلمان تاجر اسکے قبضہ میں آکر آباد ہوں۔ برٹش گورنمنٹ کی نسبت اس کی دوستی اور اس کی روشن خیالی و بیدار مغزی کا بہت سی تصانیف میں اعتراف کیا گیا ہے۔ سلطان مذکور ۱۸۲۷ء میں انتقال کر گیا؀

۱۸۳۶ء میں جہاز دائرہ دولت کی تباہی کی کیفیت میں کسی اور جگہ لکھ چکا ہوں جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے عدن چھین لیا۔ ۱۸۴۹ء میں سلطان لاہج و برٹش گورنمنٹ کے مابین تجارتی و دیگر اغراض کا معاہدہ ہوا۔ بعض اصلاحات و ترمیمات کے ساتھ عہدنامہ مذکور ابتک چلا آتا ہے۔ سلطان کو برٹش زیادہ صحیح طور پر گورنمنٹ ہند کیطرف سے تجارتی راستوں کی حفاظت کے صلہ میں ماہوار وظیفہ ملتا ہے۔ نیز شیخ عثمان و دیگر قطعات متصل عدن انگریزوں کو حوالہ کرنے کے معاوضہ میں بھی بعض رقمیں دیجاتی ہیں۔ اس طرح سلطان خزانہ عدن سے ہر ماہ بہت سا روپیہ بطور وظیفہ وصول کرتا ہے؀

ریاست لاہج اور یہاں کے فرمانروا کے متعلق جسقدر ضروری تھا بیان کر دیا گیا۔ اس سے زیادہ تاریخ کا تذکرہ سفرنامہ میں غیر موزوں معلوم ہوتا ہے۔ اب میں پھر سفرنامہ کے سلسلہ کو سنبھالتا ہوں۔ جبکہ ہم اس شاندار اور بہت سے اسلحہ لگائے ہوئے جنگجو کے ساتھ محل سلطانی کو روانہ ہوئے۔

محل مذکور مکانات کا ایک بڑا مجموعہ ہے۔ جو سب کا سب دھوپ میں خشک کی ہوئی اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔ بیرونی پلاستر اور آرائش سے اسے اصلیت سے زیادہ مضبوط ظاہر کیا گیا ہے۔ ورنہ دیوار میں بعض اِدھر اُدھر

سوراخ سے نظر آتے ہیں۔ خاص عمارت گنبدوں سے مسقف ہے۔ جس پہ
ایک بستی اٹالین بیرون از شہر نکلے یا قسطنطنیہ کی مسجد کا دھوکا ہوتا ہے بہر کیف
دور سے یہ قصبہ بہت شاندار دکھائی دیتا ہے۔ اور اسقدر وسیع و رفیع ہے
کہ صاف دنوں میں عدن سے نظر آتا ہے۔ لیکن قریب آنے پہ اس عمارت کے
نقائص روشن ہو جاتے ہیں۔ خشت خام کی دیوار بہت جگہ سے گر گئی ہے
ایک بڑے سوراخ سے محل کی پہلی منزل کے ایک کمرے کا اندرونی نظارہ
صاف طور پہ نظر آتا ہے ؛

وسیع صحن سے گذر کر ہم ایک چھوٹے سے دروازے میں داخل ہوئے
بھدی سیڑھیاں چڑھ کر اور پیچیدہ راستوں سے گذر کر ہم نے اپنے آپکو سلطان
علی محاسن ابدالی کے حضور میں پایا جس کمرے میں سلطان جلوس فرما تھا۔ یہ
ایک بڑا مربع کمرہ تھا۔ ٹیک کا ایک بھاری منقش شہتیر وسط سقف میں نصب
تھا۔ اور اسی لکڑی کے دیگر ستون چھت کو سہارا دیئے ہوئے تھے فرش عمدہ
مشرقی قالینوں اور نمدے کا تھا۔ دیواروں پہ ریشمی قالین آویزاں تھے بڑی
بڑی کھڑکیوں سے روشنی پہنچتی تھی کھڑکیوں کے چھجے زمین پہ نگارکاری کی
ہوئی تھی۔ کمرے کے ایک گوشہ میں پانچ چھ آدمیوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی
تھی۔ پاس ہی ایک میز پہ چند حیدرآبادی چاندی کے خوبصورت حقے رکھے تھے
جنہیں نصف درجن تہ بند کے سوا برہنہ عرب بھرنے کے لئے تیار رہتے تھے ؛
کمرے میں داخل ہونے پہ پاؤں سے سلیپر نکال ڈالے۔ چونکہ میں
ٹوپی تک میں مشرقی رسم کا اتباع کر چکا تھا۔ تو جوتی اتارنے میں بھی ان کی
تقلید لازمی تھی۔ کیونکہ وہ فرش پہ بوٹ یا جوتی سمیت نہیں پہنچتے۔ مجمع میں
ایک شخص میری ملاقات کے لئے آیا تھا۔ یہ مضبوط و سالخوردہ شخص تھا۔ اس کے
چہرے سے شفقت و بشاشت ٹپکتی تھی۔ رنگ سیاہ تھا۔ گو خوبصورت نہ تھا
تاہم صورت میں شرافت کے وقار نے اسمیں گونہ دلچسپی پیدا کر دی تھی۔ بیٹھنے کا

پکڑ کر مسند پر لیگیا۔ جہاں میں اسکے پاس بیٹھگیا۔ مراسم سلام و علیک کے اختتام پر اسنے اپنے حقہ کی کہربائی منہال مجھے پینے کو دی۔ نیز کات (KAT) کے پتوں کا گچھا جو یمن میں بہت کھایا جاتا ہے۔ مرحمت کیا۔ انگریزوں میں یہ پودہ (CATHA EDULIS) کے نام سے موسوم ہے۔ یہ پتے سبز کھائے جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس سے نیند نہیں آتی۔ ذائقہ کڑوا ہے۔ لیکن جو عادی ہیں۔ وہ اسے شوق سے کھاتے ہیں۔ میرے ملازم عبدالرحمن ساکن مراکو نے سلطان کے حضور میں اسپر عجیب ریمارک کیا۔ جسپر وہ بے تحاشا قہقہہ لگانے سے باز نہ رہ سکا۔ سلطان نے کچھ اسکے پتے عبدالرحمن کو دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ لیکن اسنے اخلاق سے انکار کردیا۔ جب سلطان نے باعث انکار پوچھا۔ تو اسنے جواب دیا کہ "یہ پتے ہمارے ملک میں بکریاں کھاتی ہیں" یمن میں یہ ایک ضروری نعمت متصور ہوتی ہے۔ چونکہ پودہ مذکور ملک کے صرف معدودے چند قطعات میں پیدا ہوتا ہے۔ اسلئے اسکی نہایت احتیاط سے کاشت کیجاتی ہے اور دور دور تک لیجاتے ہیں۔ اور گراں قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ جو پتے ہمیں سلطان نے مرحمت کئے۔ وہ چالیس میل یا اس سے زیادہ مسافت سے اسی صبح کو لائے گئے تھے کیونکہ یہ تازہ کھایا جاتا ہے ؛

سلطان کے پاس ایک شریف سید بیٹھا تھا۔ جو ایک لمبا خوبصورت نوجوان تھا۔ یہ ڈاڑھی منڈوائے مکلف کپڑے پہنے اور ایک پرانا طلائی خنجر کمر میں لگائے ہوئے تھا۔ جو اسنے مجھے دکھلایا۔ فی الواقعہ یہ خنجر نوادرات زمانہ سے تھا۔ اور شاید ہی کسی کی آنکھ ایسے عجیب و غریب خنجر پر پڑی ہوگی۔ خود سلطان ایک ڈھیلا ڈھالا زیتونی سبز رنگ کی عبا پہنے تھا۔ جسکے نیچے سفید و زرد دھاری دار ریشمی خفتان نمودار تھا۔ کمر میں رنگین پیٹی بندھی تھی۔ سر پر ایک بڑا زرد رنگ کا ریشمی عمامہ تھا جس کے گرد سیاہ اونٹ کے بالوں کی رسی اور طلائی ڈوری لپٹی ہوئی تھی ؛

حقے کا پینا سخت آزمائش تھی۔ میں سعید کے زیر ہدایت آہستہ آہستہ حقہ پینا سیکھ رہا تھا۔ لیکن متواتر پھیپھڑوں کو دھوئیں سے بھرنے کا کام ایک نو آموز کیلئے آسان نہ تھا۔ اسکے چند کشوں کے بعد ہی سر چکرا جاتا ہے۔ لیکن سلطان نے اس مہربانی سے مجھے منہال عطا فرمائی تھی۔ کہ میں نے کمال بہادری سے اسے پینا شروع کر دیا۔ لیکن جب میں اٹھا۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ سر چکرا رہا ہے گویا میں بیلون (غبارہ) پر سوار ہوں۔ حقہ پینے کی جد و جہد کات کے پتوں کی بد ذائقگی اور عربی جیسی غیر زبان میں گفتگو جس سے میں ناواقف تھا۔ یہ تمام باتیں ایسی تھیں۔ کہ جب ایک گھنٹہ کے بعد ملاقات ختم ہوئی۔ تو میں نے شکر کیا۔ تاہم میں سلطان علی محاسن کی ملاقات سے کچھ کم مسرور نہیں ہوا۔ جو ایک شریف مہربان طبیعت کا بزرگوار ہے۔ اور جو اپنے خزائن کی نمائش کا نہایت شائق ہے۔ اسکے پاس بغداد کی بنی ہوئی ایک نہایت نفیس تلوار ہے جسکی نسبت اسکا بیان ہے کہ اسے بنے ہوئے آٹھ سو سال گذر چکے ہیں دوران ملاقات میں سلطان کے دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی میری طرف نہایت دلچسپی سے دیکھ رہے تھے عربی رسم کے خلاف آخر تک وہیں موجود رہے۔ یہ دونوں سیاہ فام تھے۔ لڑکا تہ بند کے سوا برہنہ تھا۔ اور لڑکی طلا کار کپڑے پہنے تھی۔

روانگی کے وقت جو سپاہی مجھے سلطان کے حضور میں لائے تھے۔ وہی میری اردل میں مجھے قہوہ خانہ تک پہنچانے آئے۔ واپسی کے وقت میں نے محل سلطانی کے اصطبل کا معائنہ کیا۔ احاطہ کا فرش بھدا تھا۔ یہاں بہت سے گھوڑے تھے۔ چٹائیوں چھپر اور بعض مقامات میں کھونڈی کچی اینٹوں کی چھت بنائی گئی تھی۔ تاکہ سورج کی گرمی سے گھوڑے متاذی نہ ہوں۔ بعض گھوڑے نہایت عمدہ تھے۔ نجد کی ایک سفید گھوڑی واقعی قابل تعریف تھی۔ اگرچہ ملک کی خاصیت اور گرمی سے وہ بہت تکلیف میں معلوم ہوتی تھی۔ نسل لینے والے نجدی گھوڑوں کا نسب نامہ نہایت احتیاط سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اور

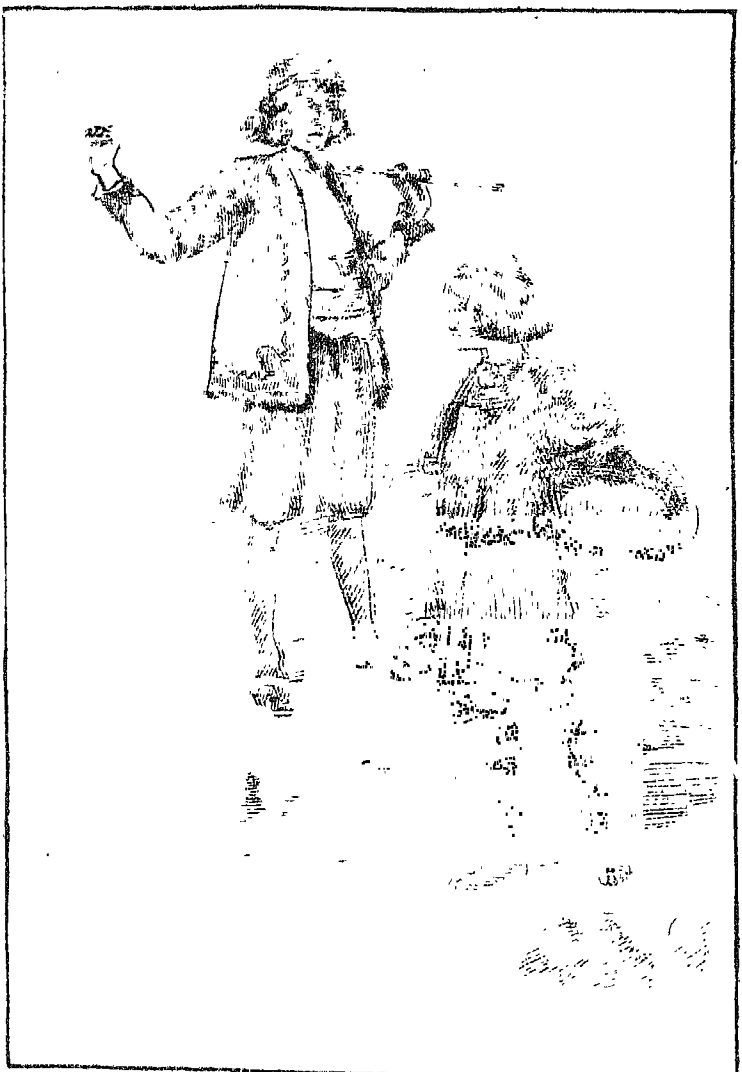

تصویر (۴۲) کوہستان الپین میں ایک مرد اور ایک عورت

تمام عرب میں یہ بہترین گھوڑے سمجھے جاتے ہیں ؛

سلطان لاہج کا اپنا سکہ ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا تانبے کا سکہ ہے۔ اس کے ایک طرف "علی محاسن الابدان" اور دوسری جانب "مضروب ہوٹہ" رقم ہے لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ سکہ مذکور اجارہ کے طور پر بمبئی میں ڈالا جاتا ہے ؛

منشی کے بڑے محل کے صحن میں واپس پہنچکر میں محلسرائے شاہی سے روانہ ہوا۔ اور قہوہ خانے پہنچکر دن کی گرمی کا حصہ نیند میں گذارا۔ تاکہ شام کی خنکی میں ہوٹہ کے بازاروں کی سیر کیجا سکے ؛

باب سوم

لاہج سے کھوریہ تک

میرے بیدار ہونے پر دن کی حرارت زائل ہوچکی تھی۔ پس میں سعید اور ایک ساربان کے ساتھ قصبہ ہوٹہ کی سیر کے لئے نکلا۔ یہ مقام بجائے اس کے کہ ایک ریاست کا قابل فخر دارالحکومت ہو۔ زیادہ تر غلاظت و کثافت کا منظر پیش کرتا ہے۔ تنگ و تاریک بازار کبھی با قاعدگی کے خیال سے تعمیر کئے گئے ہیں۔ جو ہر طرف و ہر سمت مڑ جاتے ہیں اور نہ گھر ہی سیدھی قطاروں میں بنائے گئے ہیں۔ ایک گھر اگر تنگ کوچہ میں نکلا ہوا ہے۔ تو دوسرا مکان پشت بازار میں کانٹے دار جھاڑی یا احاطہ کے وسط میں بنا ہوا ہے۔ جھاڑیوں سے محدود کئے ہوئے احاطے زریبہ کہلاتے ہیں۔ تقریباً ہر ایک گھر کے گرد بنا ہوا ہوتا ہے۔ جنہیں رات کو مویشی بند رکھے جاتے ہیں۔ عجیب خارشی کتے اس آدمی پر جو پاس سے گذرے جھپٹ نکلتے ہیں۔ انکے ساتھ ہی اندر سے ان کے پلے بھی چلاتے ہیں۔ دراصل ہوٹہ میں دیکھنے کے قابل بہت کم چیزیں ہیں۔ شاید سب سے بہترین نظارہ منڈی کا ہے۔ جہاں بادام کے ایک بڑے درخت کے نیچے عورتیں بیٹھی

ہوتی آتا پہنچتی ہیں۔ جبکہ اسکے گرد کا ریتلا میدان عربوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ جو اپنے بیچنے لیئے اونٹوں کے ساتھ استادہ ہوتے ہیں۔ یہاں ساگ۔ پات، اونٹ و گھوڑے کا چارہ اور دیگر بہت سی ملکی پیداوار کی چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔ جو عدن بھی بھیجی جاتی ہیں۔ منڈی سے تھوڑے ہی فاصلہ پر تنگ و مسقف بازار ہیں۔ ہر ایک بازار کے دونوں طرف خشت خام کی بھدی دکانیں بنی ہوئی ہیں جنہیں سوتی اسباب فروخت ہوتا ہے۔ جو زیادہ تر یورپین ساخت کا ہے۔ کچھ رنگین ململ الوان ہندوستان کا ہے۔ جو ان کی تاریک صورتی دکانوں کو ایک قسم کی رنگین رونق بخشتا ہے۔ ایک پورا بازار دھات کے کام کرنیوالوں کا ہے۔ یہ مسقف چوک ہے۔ جو تین فیٹ کی پست دیواروں پر منقسم ہے۔ اور بھیڑ بکریوں کا باڑہ سا معلوم ہوتا ہے۔ ان میں بہت سے سنار۔ لوہا بھٹیوں کے پاس کام میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ نظارہ نہایت دلچسپ ہے۔ ٹوٹی ہوئی چھت کی سوراخوں سے سورج کی روشنی جلا کی ہوئی دھات پر پڑتی ہے۔ اور شعاع آفتاب سے خنجر اور بھالوں کے پھل ہیرے کی طرح چمکتے ہیں بھٹیوں کے دھوئیں سے ہوا میں دھندلا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ہتھوڑوں کی غیر منقطع آواز سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے ہیں۔ کام کرنے والے فی الواقعہ اپنے برہنہ اعضاء کی نمائش سے بڑے گرانڈیل معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے سیاہ بال شانوں پر پڑے ہیں۔ جو انکے جسم کی حرکت کے ساتھ آگے پیچھے ہو جاتے ہیں ہوٹہ کی صنعت بھدی ہے۔ البتہ بھالوں کے پھل اچھے تیار کر لیتے ہیں لیکن خنجر کے میان پر وہ چاندی کا ویسا نفیس کام نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ اندرون ملک کے بڑے قصبوں کے سنار کر سکتے ہیں

قہوہ خانہ میں واپس آکر بیٹھے، اونٹوں کو سفر کے لیئے تیار پایا پس اونٹ پر سوار ہو کر ہوٹہ سے روانہ ہوئے۔ قصبے کو پیچھے چھوڑ کر چند میل تک ہم مزروعہ و سرسبز میدانوں سے گزرے کھیتوں سے نکل کر بیابان میں داخل ہوئے۔ جسے

دریائے وسدی لاہج کے ندی نالوں سے منقسم کر رکھا تھا۔ وادی لاہج کا دریا خشک موسم میں ندی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن موسم برسات میں اسمیں طغیانی آجاتی ہے۔ اور بہت سی مزروعہ اراضی کو تباہ کر ڈالتا ہے نیز اور بھی بہت سا نقصان ظہور میں لاتا ہے۔ بعض اوقات اندرون ملک سے بڑے بڑے درختوں کے تنے بہا کر خلیج عدن میں جا ڈالتا ہے۔ معمولی موسموں میں بہت سا پانی ریگستان میں جذب ہو جاتا ہے۔ اور سمندر تک نہیں پہونچتا۔ لیکن ایام بارش میں اسکی حالت ہی اور ہو جاتی ہے۔ حالانکہ زیادہ بارش یہاں ہوتی ہے۔

یہ دریا بھارت کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اسکی دو رود باریں سمندر تک پہنچتی ہیں۔ لیکن جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ معمولی موسم میں ان کا پانی نشیبی ساحلی ملک کے ریگستان میں خشک ہو جاتا ہے۔ خاص رود بار کا نام وادی الکبیر یا دریائے کلاں ہے۔ جو خلیج عدن کے متصل مشمہ نامی چھوٹے سے گاؤں کے قریب سے بہ نکلا ہے۔ رود بار دوئم کا نام وادی الصغیر ہے۔ جو اپنا مد خلیج گھوبات سیلان میں خالی کر دیتا ہے۔ خلیج مذکور عدن کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اسوقت وحشیانہ اور افسردہ کرنیوالا سین پیش نظر تھا۔ آگے جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی۔ کوئی جھاڑی تک دکھائی نہ دیتی تھی۔ دور کوہی چوٹیاں ڈوبتے ہوئے سورج کی روشنی میں پھیکے سُرخی مائل سیسہ کی مانند نظر آتی تھیں ہم نخلستان کو پیچھے چھوڑے جاتے تھے۔ کوئی دہقان کھیت سے گھر واپس جاتا ہوا نظر نہ پڑتا تھا۔ اور نہ گلہ بان لڑکوں اور لڑکیوں کا وحشیانہ گیت کانوں میں ہنچتا تھا۔ کبھی کبھی کوئی جنگجو پیدل یا اونٹ پر سوار بھالا ہاتھ میں لئے ہوئے س سے گذر جاتا تھا۔ اسکے بعد رات ہو گئی۔ ویسی ہی رات جسکا کہ ہمنے شب ذشتہ تحریر کیا تھا۔ ایسی شب جسکی تعریف میں زبان خامہ لال ہے ہم برابر ھتے چلے گئے۔ اور اونٹ جبر سے قدم اٹھاتے رہے۔ گیارہ بجے شب کے ہم

تھوڑی دیر کیلئے ٹھہر گئے۔ کانٹے دار درختوں کے جھنڈ کے پیچھے دریا کے پاس
دری بچھا کر بیٹھ گئے۔ کیونکہ ہم ہٹ سے روانگی کے وقت سے اب تک ہنسے دریا سے
جدا ہوئے تھے۔ یہاں چند گھنٹے ہم نے آرام کیا۔ آگ برابر کم و بیش شعلہ زن تھی
کیونکہ ہم کانٹے دار شاخیں اسپر ڈالتے جاتے تھے۔ آگ تیز کرنے کی یہ وجہ تھی
کہ رات خنک و سرد تھی۔ اور سخت شبنم پڑ رہی تھی *

اہل عرب کہتے ہیں کہ نہر لاہج سے بڑھکر کسی ندی نالے کا پانی زہریلا نہیں
اور ہمیں اسکا پانی پینے سے منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن جب سے ملازمین نے یہ بخار پیدا
کرنے والا پانی خوب ڈگ ڈگا کر پیا۔ یہ کہنے سے بڑھکر کوئی مغالطہ نہیں ہو سکتا
کہ اہل عرب پیاس کی سب سے زیادہ برداشت کر سکتے ہیں۔ کہیں موروثی یہ
عادت ہو تو ہو۔ ورنہ عام طور پر عربوں سے زیادہ پیاسی کوئی قوم میری نگاہ سے
نہیں گذری۔ یہ بہت زیادہ پانی پینے والے ہیں۔ یمن کے تمام سفر میں میرے
ملازم ہمیشہ سواری سے اتر اتر کر پانی پیتے رہتے۔ کوہی چشمہ کے پانی کا تو مضائقہ
نہ تھا۔ لیکن غلیظ ندی نالوں کے پانی پینے سے سعید عبدالرحمن بیمار ہونے سے
محفوظ نہ رہ سکے۔ اس سے زیادہ کوئی قابل افسوس حالت نہیں ہو سکتی۔ کہ دو بیمار
ایک سیاح کے ساتھ ہوں۔ یہ دونوں چلاتے تھے۔ کہ اب دم نکلا چاہتا ہے۔ اور
کونین اسواسطے نہیں کھاتے تھے۔ کہ کڑوی ہے۔ دریائے لاہج کے پانی کے پینے
سے میرے دونوں ملازم مبتلائے بخار ہو گئے۔ میں نے انہیں بہت سا قہوہ دیا کہ
جب پیاس لگے۔ قہوہ بنا کر پی لیا کریں۔ کیونکہ پانی کے جوش دینے سے اس کی
بہت سی مضرت زائل ہو جاتی ہے۔ لیکن اس پر بھی یہ قہوہ کو جوش دینے کی
تکلیف سے بچنے کیلئے نہر کا مضر پانی پینے سے باز نہ رہتے *

جب ہم پھر روانہ ہوئے۔ تو صبح کاذب کا وقت تھا۔ خاکی سرد اور
ٹھنڈی صبح ایک دو گھنٹے اور ریگستان میں ہو کا عالم قائم رہا۔ اسکے بعد ہم اور آگے
سلطان قبیلہ ہوشابی کا سرحدی قلعہ دیکھ سکتے تھے۔ جنکے علاقہ میں ہم عنقریب

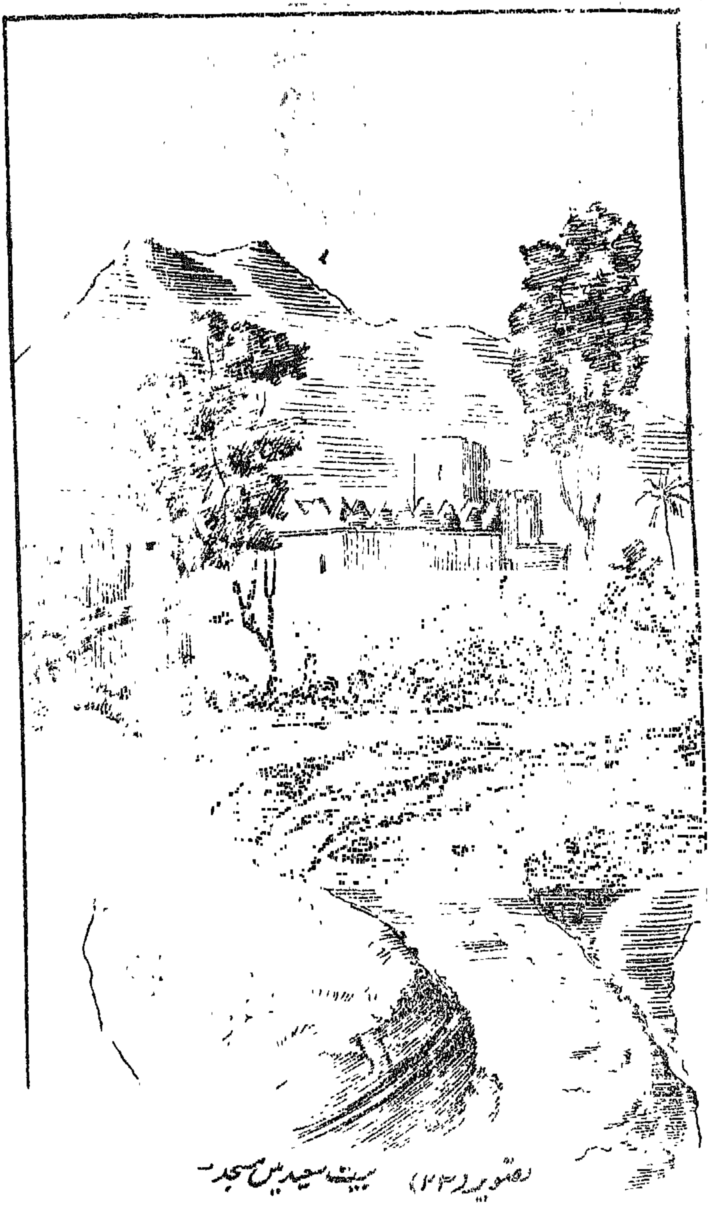

تصویر (۲۳) بیت سعید بن سعد

داخل ہوا چاہتے تھے۔ چند میل آگے بڑھکر خاردار درختوں میں چھپا ہوا سعان لاج کا سرحدی قلعہ نظر آیا۔

ہمیں جلد سفر طے کرنیکی توقع تھی۔ لیکن قسمت ہمارے خلاف تھی چند گھنٹے سفر کرنے کے بعد ہلکی ہوا چلنی شروع ہوئی۔ ابتدا میں۔ خنک و تازگی بخش تھی لیکن آخر میں ناقابل برداشت ہوگئی۔ ریت کا ہوا میں اڑ اڑ کر ہاتھوں اور چہرے سے ٹکرانا سخت تکلیف دہ تھا۔ اونٹوں کو ٹھہرا کر ہم گھری جھاڑیوں میں گھس گئے۔ آدمیوں نے ایک چھوٹا سا کپڑا اسطرح لٹکایا کہ ہم ریت کی زد سے جسقدر ممکن ہو محفوظ رہ سکیں۔ ہم عین وقت پر اتر آئے تھے کیونکہ ہینے فوراً طوفان کی صورت اختیار کی۔ ریت جو ابتک باریک تھی۔ اب بگولوں میں اسکے ڈھیر کے ڈھیر چکر کھانے لگے۔ یہانتک کہ ہوا تاریک ہوگئی ہمنے یکجا جمع ہو کر پگڑیاں اپنے منہ پر باندھ لیں۔ اور آندھی کے فرو ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ تین آدمی کپڑے کو پکڑے رہے کہیں وہ اڑ نہ جائے یہ محض ایک ٹکڑا تھا۔ جیسے میں اپنی دری و زمین کے مابین بچھایا کرتا تھا۔ ریگستانی ہوا نہایت گرم تھی۔ اور ریت کے جلتے ہوئے ذرے کپڑوں کے اندر اور کانوں نتھنوں اور آنکھوں میں گھسے جاتے تھے یہانتک کہ زندگی دوبھر معلوم ہونے لگی۔ میں ایک دو ریت کے طوفان قبل ازیں دیکھ چکا تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی ایسا خوفناک نہ تھا۔ غریب اونٹ خرخراتے ہوئے اپنے سروں کو اوپر پھینکتے تھے۔ جبکہ عرب اس طوفان پر لعنت بھیج رہے تھے۔ تصویر میں طوفان ریت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کی کیفیت کا پڑھنا بھی ولولہ خیز و دلچسپ ہے۔ لیکن اسکا برداشت کرنا اور ہی چیز ہے۔ ریت آمیز ہوا اسقدر طاقتور تھی کہ ہمارے آدمیوں کو پانی کیلئے دریا تک جانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اور پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے باوجود ان تکالیف کے ہوا کے حیرت انگیز اثر کو دیکھنے سے باز نہیں رہا جاسکتا تھا۔ آسمان غبار خشت کی مانند سرخ نظر آتا تھا۔ خوش قسمتی سے یہی ایک روز

طوفان تھا جسکا ہمیں کل سفر کے دوران میں مقابلہ کرنا پڑا۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ خدا آئندہ کوئی دوسرا ایسا طوفان نہ دکھلائیگا۔

طوفان جسطرح جلد آیا تھا۔ اسیطرح آناً فاناً فرو بھی ہو گیا۔ دوپہر کے بعد ہم آگے سفر کرنے کے قابل ہوئے۔ سلطان ہوشابی کے قلعہ الامات نامی میں پہونچکر ہمنے خط سفارش جو برٹش ریذیڈنٹ کی طرف سے سلطان کے نام لایا تھا دیدیا۔ فروکش ہونے کے متعلق سلطان کی شفقت آمیز دعوت کو منظور نہ کرکے آگے روانہ ہوا۔ یہ قلعہ بھی سلطان لاہج کے قلعہ کیطرح جس کے پاس سے ہم تھوڑی دیر پہلے گذرے تھے مربع صورت کا وسیع اور مٹی کا بنا ہوا ہے۔ اور بادشاہی یعنی دو منزلہ ہے۔ عرب سطح فوج کے مقابلہ میں جو توپ سے نابلد ہو تو ایسے مسلح ہوتے ہیں۔ یہ قلعہ کچھ جائے پناہ ہو تو ہو۔ لیکن میدانی توپ کے دو گولوں کے سامنے بھی اسکی دیواریں نہیں ٹھہر سکتیں۔ بشرطیکہ یہ دیواریں اس قدر نرم ہوں کہ گولے انکے اندر سے گذر جائیں۔ جو بہت اغلب نہیں معلوم ہوتا۔ اس مقام کے متصل ہمنے ہرنوں کو ایک جگہ چرتے دیکھا لیکن قریب پہنچنے پر وہ نگاہوں سے غائب ہو گئے۔ جس قبیلہ کے علاقہ میں ہم اسوقت سفر کر رہے تھے اسکا نام ہوشابی ہے۔ برٹش گورنمنٹ سے اسکے تعلقات اچھے ہیں۔ ۱۸۵۱ء میں کیپٹن ملنی کے مارے جانے پر انہوں نے اسکے قاتل کو ایک خبطی شریف (سید) تھا پناہ دینے سے انکار کیا۔ مذہب کے لحاظ سے وہ ابدالی قبیلہ پر فوقیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ دریائے لاہج کا پانی قلمرو ہوشابی کے اندرونی پہاڑوں سے نہروں کے ذریعہ سے آتا ہے۔ اور وہ کسی جنگی موقع پر ان نہروں کا رخ پھیر کر علاقہ لاہج کو بر خشک سالی بنا دیتے رہے ہیں۔ خوش قسمتی سے آجکل دونوں قبائل کے تعلقات بہت کچھ دوستانہ ہیں۔ اسلئے قبیلہ ہوشابی والوں کو اطمینان کا دور کبھی بہت کم میسر واقع ہوا ہے۔

جوں جوں ہم پہاڑوں کے قریب پہنچتے گئے۔ نباتاتی زندگی کے مزید آثار

نمایاں ہو گئے۔ ادھر ادھر غریب مویشیوں کے گلے چرا رہے تھے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس ریگستان میں کانٹے دار جھاڑیوں کے سوا چرنے کی اور کیا چیز تھی؟ آخر کار ہم نے ریگستانی میدان چھوڑ دیا۔ اور پہنچے کوہ شیف کے دامن کے تنگ درہ میں داخل ہوئے۔ یہاں نظارہ بالکل بدل گیا۔ کھلے ریگستان کی بجائے اب ہمارا راستہ چٹانی دیواروں کے بیچ میں سے ہو کر نکلتا تھا۔ اور درے بھی زیادہ تر گہری چٹانوں سے نکلی ہوئی شکستہ سطح کی جگہ تھی۔ چنانچہ کئی جگہ پانی موجود تھا۔ اور دیگر مقامات میں سطح کے نیچے غائب ہو گیا تھا۔

تیسرے پہر کا وقت اچھا گزرا۔ کہاں میدانی دھوپ اور کہاں پہاڑی گہرے تنگ راستے کی ٹھنڈک۔ تاہم منظر کسی قدر تاریک تھا۔ چٹانیں جن میں جا بجا ندیاں بہتی تھیں۔ بیابان و دشت سے بہت کم بہرہ ور تھیں۔ یہاں زیادہ تر ایک خاردار پودا ابیعل نامی ہوتا ہے۔ باوجودیکہ یہ اکثر ایسی ندیوں کے کنارے اگا ہوا ہوتا ہے جن کا پانی جاری معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اسے بھی یہ پودا مرجھایا اور سوکھا ہوا ہی نظر آیا۔

جوں جوں شام قریب پڑتی جاتی تھی۔ تاریکی کا اثر بڑھتا جاتا تھا حالانکہ آسمان ابھی تک غروب ہوتے ہوئے سورج کی روشنی سے چمک رہا تھا۔ لیکن ہم تنگ گھاٹی میں صرف اس کے عکس ہی سے مستفید ہو سکتے تھے۔ ہر طرف شفقی مائل تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایک جگہ گہرے چشمے کے کنارے ایک کارواں رات بھر ٹھہرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ وحشیانہ شور و غل۔ عربوں کا گانا۔ اونٹوں کی چیخیں جیسے بوجھ اتارا جا رہا تھا۔ منظر کو وحشت فزا بنا رہی تھیں۔ ان کے خیموں کے آگے جلتی ہوئی لکڑیوں کی روشنی میں ہمیں اہل کارواں کمبل ہاتھ میں لیے شب باشی کے انتظام میں ادھر ادھر چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ ہم انکے پاس نہ ٹھہرے۔ صرف سلام علیکم کہکر قریب سے گزر گئے۔ تاریکی بہت زیادہ تھی۔ رستے کے اتار چڑھاؤ اور تیز ہوا ہی سے معلوم ہوا کہ ہمارا راستہ چھوٹا

گیا ہے۔ اور ہم دہنے گوشہ کی طرف جا رہے ہیں۔

چند گھنٹوں کے بعد ہمنے جنگل میں آگ کی روشنی دیکھی۔ ایک بدو نے آگے بڑھکر سار بانوں سے کہا کہ ایک کاروان یہاں رات بسر کرنے کے لئے آترا ہوا ہے۔ اسنے مجھے آواز دیکر بلا لیا۔ ہم اونٹوں سے اتر پڑے۔ اور چند منٹ کے بعد میں آگ کے سامنے اپنی دری پر دراز ہو کر نیند کے مزے لینے لگا۔ یہ عرب کاروان کا کیمپ تھا۔ اور جس مقام پر خیمہ زن تھے۔ اسکا نام زیدہ تھا۔

یمن کے اس حصے میں بدوؤں کے دیہات بہت کم اور دور دراز فاصلہ پہ واقع ہیں۔ یہ خانہ بدوش قوم ہے۔ جو آج تو یہاں ہیں۔ لیکن کل معلوم نہیں کہ کہاں ہونگے؟ پس جو کاروان اس تنگ راستے سے اندرون ملک کی طرف سفر کرتے ہیں۔ وہ نوع انسان کی موجودگی و غیر موجودگی کا خیال نہ کرکے جہاں مناسب موقعہ دیکھتے ہیں۔ رات بسر کرنے کے لئے ٹھہر جاتے ہیں۔ غذا و مویشیوں کا چارہ انکے ہمراہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسے بے ٹھور و ٹھکانے سفر میں وہ دیہات سے رسد وغیرہ بہم پہنچنے کی توقع نہیں کرسکتے۔

ہمنے دوسرا تمام روز بھی یہیں گذارا۔ جسکی وجہ میرے آدمیوں نے یہ بتائی کہ اونٹوں کو آرام دینا ضروری ہے۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ انہیں اس کاروان میں چند دوست مل گئے تھے۔ تاہم میں ٹھہرنے سے آزردہ نہ تھا۔ اگرچہ میری بڑی خواہش یہی تھی۔ کہ اندرونی ممالک کیطرف سفر مسلسل جاری رہے لیکن راستے میں ستانا بھی کچھ ناگوار نہ تھا۔ مجھے بھی ان عربوں میں جنمیں ہم ٹھہر گئے تھے۔ دلچسپی کا کافی سامان مل گیا۔ خوش قسمتی سے قریب ہی بدو گلہ بان ٹھہرے ہوئے تھے۔ جنسے تازہ غذا میسر آسکتی تھی۔ چند خار دار درخت ہمیں قدرے قلیل دھوپ کی تیز شعاعوں سے بچاتے تھے۔ اہل کاروان میں ایک مفرور ترکی سپاہی تھا۔ جو ہدف مصائب ترکی فوج سے بھاگ نکلا تھا۔ فوج مذکور جنگل یمن میں بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھی۔ اس مفرور سپاہی کی گردن کلائیاں

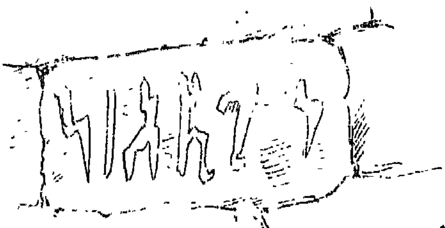

تصویر (۲۲) مقام منقات قریب یریم پتھر پر کتبہ

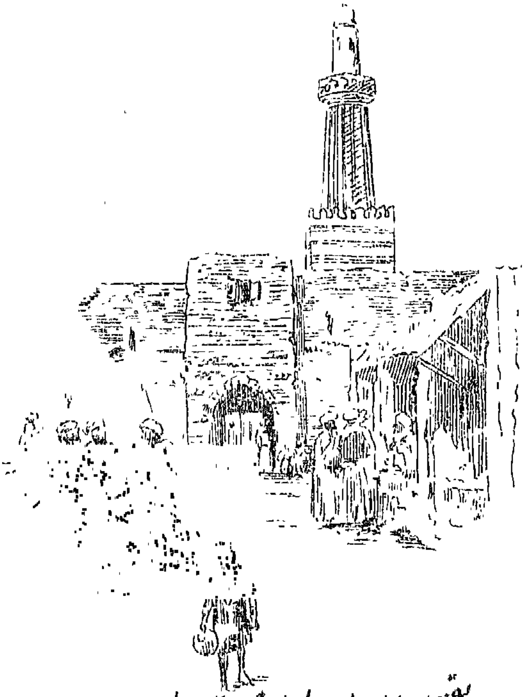

تصویر (۲۳) ذمار میں مسجد اور مینار

اور گلے طوق و زنجیر پہننے کی وجہ سے مجروح تھے۔ کیونکہ یہ ایک عرصہ پیشتر ترکی سے بھاگ کر گرفتار ہوا تھا۔ وقتاً فوقتاً بہت سے مفرور سپاہی عدن پہنچتے رہتے ہیں کسی قدر روپیہ جمع کر لینے پر (کیونکہ یہ ہمیشہ محنت و مشقت کیلئے تیار ہوتے ہیں) جہاز پر سوار ہو کر اپنے وطن غالباً کوہستان ایشیائے کوچک کو روانہ ہو جاتے ہیں مفرور ترک سپاہیوں پر شفقت و رحم کرنے سے زیادہ اہل عرب کی مہمان نوازی کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک کہ وہ گورنمنٹ عثمانیہ کی ملازمت میں سپاہی رہتے اور اسلحہ اٹھاتے تھے۔ تب تک وہ دشمن سمجھے جاتے تھے۔ فوج سے بھاگ آنے پر انہیں اپنا بھائی مسلمان سمجھ کر ہر طرح انکی دستگیری و اعانت کیجاتی تھی۔ ان بھوکے مفروران کو پیٹ بھر کھانا کھلایا جاتا۔ اور بسا اوقات روپیہ سے بھی مدد کیجاتی تھی۔ تاکہ وہ کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں۔ میں نے دوران سفر یمن میں اس قسم کی ہمدردی انسانی کی بہت سی مثالیں دیکھی ہیں خوش قسمتی سے اس روز کہ ہم درختوں کے سائے نیچے پڑے تھے۔ کوئی افسردہ کرنیوالا نظارہ یا کہانی دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی۔ چند نوجوان عرب جو ساربانی کا پیشہ سیکھنے کے لئے کاروان کے ہمراہ تھے۔ تفریحاً لنگوروں اور بندروں کے بچے بھی ہمراہ لائے تھے۔ یہ بچے بہت سدھے ہوئے تھے۔ دن بھر آزادی سے پھرتے رہتے تھے۔ لیکن اپنے دوست اونٹوں کو فراموش نہ کرتے تھے۔ جنپر سوار ہو کر وہ آگے سفر کرتے تھے۔

اس سے زیادہ دلچسپ نظارہ گشت کرنیوالے موسیقی نوازوں کا تھا۔ جو بانسری اور ڈھول وغیرہ پر گاتے بجاتے تھے۔ کاروان میں اس قسم کے تین آدمی تھے۔ انہوں نے تھوڑی سی سطح زمین پاکر اپنا گانا اور ناچ بھی دکھلایا۔ تینوں سیدھے کھڑے ہو گئے۔ ایک ڈھول بجانے لگا۔ دوسرے نے دو بانسریاں سنبھالیں تیسرا بانسریوں کی آواز کے ساتھ سر ملا کر گانے لگا۔ گانے کے اثنا میں وہ آہستہ آہستہ کبھی آگے بڑھ جاتے اور کبھی پیچھے ہٹ جاتے

اور کبھی گھورنے لگتے تھے۔ فی الواقعہ یہ حیرت انگیز برہنہ مخلوق تھے۔ ان کے لمبے ریشم کے سے بال۔ نقرہ ششدر اور دلچسپ حرکات کے دیکھنے سے طبیعت کبھی سیر نہ ہوتی تھی۔ چونکہ ہمارے پاس روٹی کے بجائے کھانے کی کوئی اور چیز نہ تھی اسلئے سعید و عبدالرحمٰن نے آٹا گوندھکر عربی طریقہ پر گرم کئے ہوئے پتھر پر روٹیاں پکائیں۔ گو یہ روٹیاں اچھی نہ تھیں۔ تاہم بوجہ گرسنگی غنیمت معلوم ہوئیں جو گھی ہمنے عدن سے خریدا تھا۔ ابھی تک اسکے استعمال کی نوبت نہ آئی تھی جب ہمنے مرتبان کے منہ کی مٹی دور کرکے اسے کھولا۔ تو تمام وادی اسکی بو سے بس گئی مرتبان کے کھلتے ہی عرب اسے یکمشت خرید لینے پر تیار ہو گئے۔ یہ انکے دو کام آتا ہے۔ چارہ میں ویش کیلئے۔ نیز سر کے بالوں میں لگانے کے واسطے۔ لیکن سر میں گھی لگانیکا طریقہ اچھا نہیں۔ اپنی انگلیوں کو مرتبان میں ڈبو کر پھر انہیں بالوں میں ملتے ہیں۔ اسطرح تین چار مرتبہ انگلیاں ڈبو ڈبو کر ملنے سے بال چمکدار ہو جاتے ہیں لیکن درستہ۔ قریب سے سخت بو آتی ہے میں عدن سے سامان رسد ہمراہ نہیں لایا تھا۔ کیونکہ کاروان کی حیثیت سے یمن میں داخل ہونے سے ترکی افسران سرحد کو شبہ پیدا ہو جاتا۔ پس مینے فیصلہ کیا۔ کہ جسقدر کم سامان ہمراہ جاسکے۔ اسقدر بہتر ہے میں بطور غربت یونانی سوداگر کے سفر جاری رکھ سکونگا۔ اور میری تجاویز میں ناکامی نہیں ہوئی۔ رسد کی قلت کا یہ کافی معاوضہ تھا کہ مجھے زیادہ اسباب ساتھ رکھنے کی تکلیف برداشت نہیں کرنی پڑی۔ بیت سے پھر ہم آگے روانہ ہوئے۔ سڑک ویران وحشتناک تھی بار بار چڑھنا اترنا پڑتا تھا۔ ادھر ادھر سیاہ پتھر اور چٹانوں کے بکھرے ہوئے ہونے سے ہمارا سفر نہایت سستی سے طے ہو رہا تھا۔ صرف ایک ہموار سطح رتفع سے ہمیں گذرنے کا موقعہ ملا۔ یہ مدور صورت کا تھا۔ جیسے چاروں طرف سے پہاڑ حلقہ میں لئے ہوئے تھے۔ ظاہری صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوہ تش فشان کا دہانہ ہے۔ گرد و نواح کے پہاڑوں سے بھی اسی قسم کی علامات

ہویدا کئیں۔ پس اس مدد ورد ہوا نتیجے کہ کوہ آتش فشاں کے دہانہ ہونے کے متعلق ہمارا قیاس غیر اعتناب سے نہ تھا۔ رات کو ہم الملح نامی گاؤں میں پہونچے۔ جہاں چند بدوؤں کے حقیر جھونپڑے تھے۔ لیکن انہوں نے یقین دلایا کہ انکے پاس اسقدر پانی یا غذا نہیں کہ ہمیں قیمتاً دیسکیں۔ نیز وہ ہمیں مشتبہ نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ لہٰذا ہم آگے چلے گئے۔ راستہ نہایت دشوار گذار تھا۔ بارہا ہمیں سہارے کیلئے وہ رسی پکڑ لینی پڑتی تھی جس سے اونٹ کی پشت پہ اسباب بندھا تھا تاکہ نیچے نہ گرجائیں۔ دور فاصلہ پہ روشنی دیکھکر گمان ہوا کہ کوئی کاروان اترا ہوا ہے۔ اور چوکی پہرے کے لیئے آگ جلا کر گشت کی جارہی ہے۔ وہاں ہمیں پانی ہونیکا یقین تھا۔ چنانچہ اونٹ تیزی سے روانہ ہوئے۔ اور کاروان کے قریب پہنچکر ساربان کی آواز دینے کے بغیر خود بخود بیٹھ گئے۔ یہاں عرب آگ کے چند شعلہ زن ڈھیروں کے گرد بیٹھے تھے۔ اور ان کے بھالے زمین میں گڑے ہوئے تھے جنکے پھل آگ کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ لیکن جس تپاک سے انہوں نے ہمیں خیر مقدم کہا اور مجھے کھانے میں شامل ہونیکی درخواست کی اس سے تمام خوف وہراس دور ہوگیا۔ اونٹوں کو پانی پلا کر انکے سامنے چارہ ڈالدیا۔ ہم پھر آگ کے پاس آبیٹھے۔ رات گانا اور افسانہ سننے میں بسر ہوئی پو پھٹنے سے پہلے ہمنے کوچ کردیا۔ تھوڑے فاصلہ تک دو بدوئے بیت الملح نے رفاقت کی۔ یہاں کا علاقہ اور بھی کوہستانی تھا۔ ایک چپٹی چوٹی خصوصیت سے نظر آتی ہے۔ باشندے اسے ذو بیات کہتے ہیں۔ لیکن میں نے یہ نام کہیں اور نہیں سنا۔ اس چپٹی چوٹی پر حسن نامی ایک سید کی قبر ہے۔ جسے صاحب کشف و کرامت ظاہر کیا جاتا ہے۔ لیکن انکے حالات زندگی کوئی نہیں جانتا اور نہ میں نے کوئی ایسی تحریر دیکھی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ کوئی واقعی امام (حسن [illegible]) یہاں مدفون ہوا ہے۔ غالباً یہ کوئی یمن کا سید ہے [illegible]

اسکی شہرت عربی تہذیب و شائستگی کے صدر مقام تک نہیں پہنچی۔ کہتے ہیں۔
جوئی ند کو قیمتی چراگاہ رکھتی ہے۔ اور قبیلہ ہو شابی کے بدو یہاں گاؤں آباد
رکے رہتے ہیں۔ اور مویشیوں کے گلوں کو چراتے ہیں۔ اس راستے سے کچھ آگے
وادی کا دامن وسیع ہو گیا ہے۔ جسے "بلد علے اجوؤ" کہتے ہیں۔ یہ مسطح میدان
سبز و شاداب کھیت رکھتا ہے۔ اور اسکے وسط میں دریا بہتا ہے۔ یہاں خانہ
بدوش بدوؤں کو چھوڑ کر سیاح مستقل مکان رکھنے والے عربوں کی سرزمین میں
داخل ہوتا ہے۔ ایک موقعہ پر کسیقدر بلندی پر ایک گاؤں واقع ہے۔ جہاں ایک
بلند برج بھی بنا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ علوی قوم کا یہ سرحدی قلعہ ہے۔ قبیلہ مذکور
کے نائب کے سامنے جو ایک دیہاتی شیخ تھا ہمنے اپنی اسناد پیش کیں۔ یہاں
مردوں عورتوں بچوں کتوں وغیرہ کا معمولی مجمع تھا۔ باہم صاحب سلامت
ہوئی پہلے وہ کسیقدر متوقع نظر آئے۔ لیکن کیفیت و شنید و ہنسی مذاق کے بعد
ہم ان سے بہترین دوستوں کی طرح جدا ہوئے۔

یہاں کی سرزمین سے کاشت و زراعت کے علامات نمایاں تھیں۔ چونکہ
دھوپ نہایت تیز تھی۔ اسلئے ہم دریائے کھوریہ کی خشک سطح کے وسط میں
جھاڑیوں کے نیچے ٹھہر گئے۔ بہ نسبت دیگر مقامات کے یہاں کا نظارہ دلچسپ
تھا کیونکہ بہت سے درخت سُرخی مائل سیاہ چٹانوں پر اُگے ہوئے تھے۔ جو
نظارہ میں جدت پیدا کرتے تھے۔ ہمیں ایک گھنٹہ بیٹھے ہوئے گذرا تھا کہ ایک
نہایت خوبصورت تنومند عرب جوان اونٹ پر سوار آیا۔ جو یمنی قوم کا بہترین نمونہ
تھا۔ ہمیں اسے عرب کہنا صحیح نہیں کیونکہ ختان بانی اقوام یمنی اور عدنان بانی
بائل عرب کے زمانہ سے اب تک دونوں کے خون باہم ملکر ایک ہو گئے ہیں۔ اور
ب ختان و عدنان کی اولاد میں تاریخی داستانوں کے سوا اور کوئی مابہ الامتیاز
ق باقی نہیں رہا۔ باوجود اسکے اہل یمن کو عرب کہا جاتا ہے۔ ہمیں دیکھکر شخص
نٹ سے اُتر پڑا۔ اور جس سایہ میں ہم بیٹھے تھے۔ اسمیں رینگ کر آگیا۔ نووارد کو

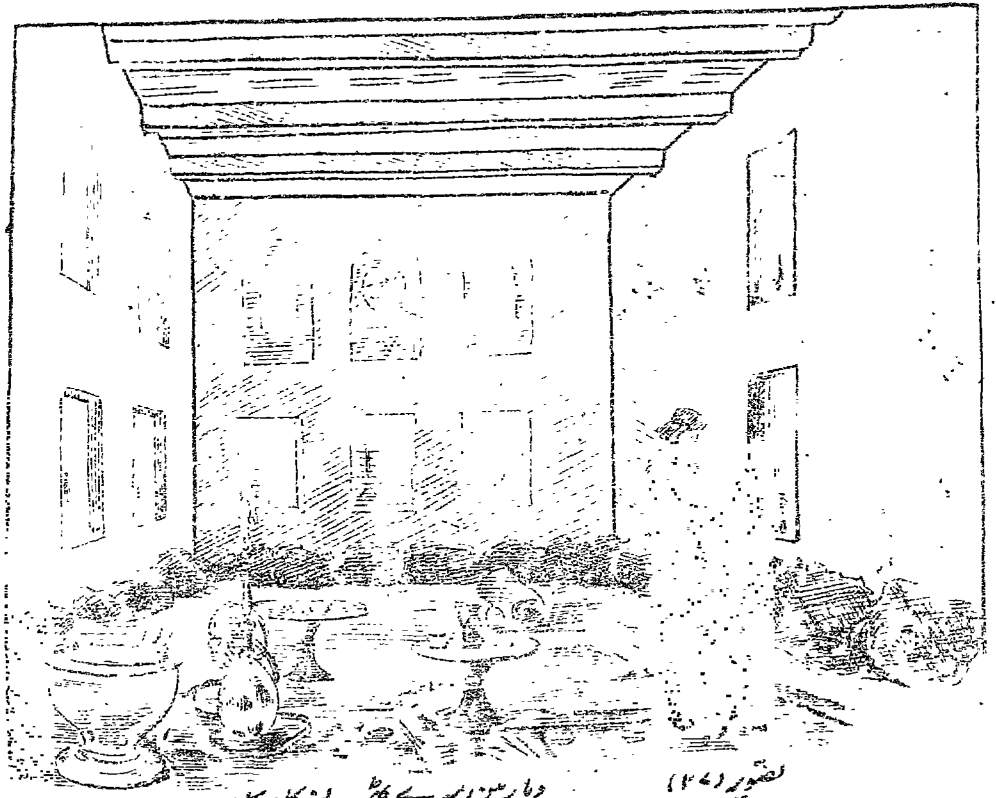

تصویر (۲۷)

وارین پیر سے کیفیرلے کا مکان

اقوام مغرب کی طاقت کا نمونہ دکھلانے کے لئے مینے برقی مشین نکالی۔ جو میرے بستر کے تھیلے میں رکھی ہوئی تھی۔ اسکی تار سے خوبصورت عرب کے جسم کو ہلکا سا جھٹکا پہنچایا۔ لیکن وہ حواس باختہ نہ ہوا۔ صرف مسکرا دیا۔ اور کچھ کہنے سننے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔ کمر باندھکر اونٹ پر سوار ہو گیا۔ اور اسے اس تیزی سے بھگا لیگیا۔ جسقدر کہ ممکن ہو سکتا تھا۔

جنوبی ضلع یمن کے اونٹ اپنی نسل اور تیز رفتاری کی وجہ سے مشہور ہیں۔ یہ ہلکا و سبک جسم اور عمدہ ٹانگیں رکھتے ہیں۔ شمالی افریقہ کے بھاری بھرکم اور سست رفتار اونٹ اس کے خلاف ہوتے ہیں۔ بہت سے اونٹوں کو سواری کے لئے سدھایا جاتا ہے۔ اور وہ محض اسی کام آتے ہیں۔ اُن کی تیزی رفتار غضب ڈھاتی ہے۔ بہرکیف یہ نسل اندرون ملک میں اسی میل سے آگے کے علاقہ میں نہیں پائی جاتی۔ جہاں سلسلہ کوہ شروع ہو جاتا ہے۔ وہاں کے بھدے دبال دار سیاہ اونٹ صفات میں اپنے میدانی (تھامہ) بھائی کے خلاف ہوتے ہیں۔ یہی تھامہ کے میدان کوہستان یمن کو سمندر سے جدا کرتے ہیں۔

ہم ابھی اس خوبصورت عرب کے بھاگ جانے پر ہنس ہی رہے تھے۔ کہ دو انگریز گھوڑوں پر سوار نمودار ہوئے۔ جنکے اردل میں بہت سے ہندوستانی اور چند عدن کے سپاہی تھے۔ اور عقب میں بہت سے حیوان ساز و سامان سے لدے ہوئے آرہے تھے۔ مجھے عدن میں روانہ ہونے سے پہلے کہا گیا تھا کہ ممکن ہے کہ پیمائش کرنیوالی جماعت سے میری ملاقات ہو جائے۔ جو کیپٹن ڈدم ولی اور کیپٹن وہاب کی ماتحتی میں گورنمنٹ ہند کے حکم سے ترکی و عدن کے حدود کے مابین خود مختار سلاطین کے علاقہ کی پیمائش کے لئے بھیجی گئی ہے۔ اگرچہ یہانتک وہ پیمائش میں کامیاب ہوئے تھے۔ لیکن یہاں سے باشندوں کی طرف سے مزاحمت شروع ہوئی۔ میرے ترکی قلمرو سے یمن میں پہنچ جانے پر یہ مخالفت اسقدر بڑھ گئی۔ کہ ایک دو مرتبہ باشندوں نے بندوقوں

تک نوبت پہونچا دی۔ پس یہ تجویز تکمیل تک پہنچنے سے پہلے ہی ترک کر دینی پڑی۔ میں نے تیسرا پہر ان کے ساتھ بسر کیا۔ جو نہایت خوشی سے گذرا۔ میں نے ان سے اپنا آلہ مقیاس الموسم درست کروایا۔ جو چند آلات میرے پاس تھے انکو میں چھپا کر رکھتا تھا۔ تاکہ کسی قسم کی بدگمانی پیدا نہ ہو۔

کپتان وہاب و کپتان ڈودم ولی کے ساتھ پر لطف ڈنر تناول کرنیکے بعد میں اپنے اونٹوں کی تلاش میں روانہ ہوا۔ جنہوں نے اب اونٹوں پہ بوجھ لادنا شروع کر دیا تھا۔ نصف شب کے بعد ہم روانہ ہوئے۔ چاندنی نہایت صاف و ستھری تھی۔ لیکن رات نہایت سرد و خنک تھی۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہم بلندی پہ چڑھ رہے ہیں۔ آلہ مقیاس الموسم سے معلوم ہوا کہ یہ جگہ سطح سمندر سے تقریباً دو ہزار فٹ بلند ہے۔ جبکہ ہم وادی میں آگے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سردی سے عرب ہمراہیوں کے دانت بج رہے تھے۔ دفعتہً راستہ نہر کی بائیں سمت کی بلندی کی طرف شروع ہو گیا۔ اور ہمنے ایک ایسی سطح مرتفع طے کی۔ جو سطح نہر سے چند میل بلند تھی۔ پو پھٹنے کے ساتھ ہی سردی سخت ناقابل برداشت ہو گئی۔ مینے اونٹ سے اتر کر اپنے آدمیوں کے ساتھ دوڑنے سے بہت خوش ہوا۔ ہم اسطرح اکثر کاروان سے بہت آگے بڑھ جاتے۔ آگ روشن کر کے سب ملکر تاپتے۔ اور جب اونٹ قریب آجاتے۔ تو پھر دوڑ کر آگے نکل جاتے تھے۔

طلوع صبح کا وقت پھر غروب آفتاب سے تبدیل ہو گیا۔ شام نے دن کے نظارے کو بدل دیا۔ ہم پھر دریائے کھوریبہ کی وادی میں داخل ہوئے۔ ابتک برہنہ پہاڑ ہمارے دونوں طرف تھے۔ لیکن گھاٹی سرسبز و شاداب تھی۔ نہر کے کنارے درخت اگے ہوئے تھے۔ بعض جگہ درخت اس طرح نہر پر سایہ ڈالے تھے۔ کہ اسکا پانی بالکل نگاہوں سے چھپ گیا تھا۔ طیور چہچہاتے ہوئے اس شاخ سے اس شاخ پہ اڑ کر جا بیٹھتے تھے۔ تتریاں پانی پہ بیٹھی ہوئی تھیں

ریگستان و چٹانوں میں سفر کرنے کے بعد یہ نظارہ دلفریب تھا۔ چند اونٹنیوں کو جنگل میں چرتے ہوئے دیکھکر ہمنے خیال کیا کہ یہاں سے کہیں قریب ہی بدوؤں کا کمپ ہوگا۔ پس میں اپنے اونٹ سے اتر کر دو رفقا کے ساتھ انہیں ڈھونڈنے نکلا۔ نصف گھنٹے کی تلاش میں انکا سراغ ملگیا۔ انہوں نے گنجان درختوں کی ایک کھلی جگہ میں اپنی چٹائیوں کے جھونپڑے نصب کئے ہوئے تھے۔ جہاں وہ بیفکری سے بیٹھے تھے۔ عورتیں ایندھن لا رہی تھیں۔ یا گایوں کے دودھ دوہنے میں مصروف تھیں۔ ہر ایک آدمی خنجر اور بھالے سے مسلح تھا۔ یہ چوبی حقے پی رہے تھے۔ جن پہ مٹی کی چلمیں دھری تھیں۔

انہوں نے نہایت مہربانی سے ہمیں قبول کیا۔ اور ہم جلد انکے چھوٹے حلقے میں داخل ہو گئے۔ اور اس طرح باہم گفتگو کرنے لگے۔ گو سالہا سال سے جان پہچان تھی۔ ایک بوڑھی عورت کی عجیب حرکت پر نہایت ہنسی ہوئی۔ یہ بالوں کو مکھن لگائے ہوئے تھی۔ اور اسکے چکنے رخسارے زعفرانی رنگ سے رنگے ہوئے تھے۔ اسنے آگے بڑھکر میرا بوسہ لیلیا۔ کچھ عرصہ تک میں اس مذاق کو سمجھ نہ سکا۔ لیکن آخرش معلوم ہوا کہ بڑھیا نے مجھے داڑھی منڈا اور پاجامہ پہنے دیکھکر عورت فرض کرلیا۔ کیونکہ یمن میں صرف عورتیں پاجامہ پہنتی ہیں۔ مرد تہ بند باندھتے ہیں۔ اور ٹھوڑی کے نیچے ڈاڑھی بڑھاتے ہیں۔ جب اس بوڑھی عورت کو اس کی غلطی بتائی گئی۔ تو وہ بھی بہت ہنسی۔ جبکہ میں اپنی شرمندہ ہونیوالی گالوں سے چکنائی دور کر رہا تھا۔ وہ میرے لئے بکری کے دودھ کا ایک پیالہ بھر لائی۔

ساربانوں کی آواز نے مطلع کیا کہ ہمیں وہاں زیادہ دیر نہ ٹھہرنا چاہئے۔ پس جھاڑیوں میں ہوتے ہوئے ہمنے پھر اس دریا کو تلاش کرلیا۔ جہاں ہمارے اونٹ و ساربان بہر سفر تیار تھے۔ ہم اونٹوں پر سوار ہو گئے۔

۹ بجے صبح کے سورج بہت گرم تھا۔ ہمنے بعض سایہ دار درختوں کے نیچے اونٹوں کا اسباب اُتارا۔ اور جانسوز دن بسر کرنے کے لئے ٹھہر گئے۔ ہمارے پاؤں کے پاس دریا رواں تھا۔ اس کے کنارے کے پھول دار پودے، ایلوا کے پیڑ اور کہیں کہیں کھجوروں کے سر بفلک درخت عجیب بہار دکھاتے تھے۔ دریا کے سامنے کے کنارے سے تقریباً نصف میل کے فاصلہ پر ایک بلند چٹان پر الضیر ڈھالا کا سرحدی قلعہ نظر آ رہا تھا۔ یہ مربع صورت کا برج تھا۔ اس کے گرد نسبتاً کم بلند مکانات بنے ہوئے تھے۔

قلعہ مذکور مضبوط اور ناقابل تسخیر دکھائی دیتا تھا۔ ایک شاندار شیخ کے آنے پر آخری خط سفارش جو میں عدن سے لایا تھا۔ پیش کر دیا۔ کیونکہ حکام عدن کا اثر زیادہ سے زیادہ یہیں تک تھا۔ اس سے آگے ترکی عملداری شروع ہوتی ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اسنے خط کو کافی قابل اطمینان تصور کر لیا کیونکہ وہ اسے پڑھنے کے ناقابل تھا۔ اسنے وہ دن ہمارے ساتھ وہاں بسر کیا۔ فی الواقع پھر ایک نیک آدمی تھا۔ شیخ موصوف نے بھی ہمیں ترکی یمن کے راستوں کی بے امنی سے اطلاع دی۔ اور بتایا کہ جس مقام پر ہم بیٹھے ہیں اسے مجبیہ کہتے ہیں۔ جو سطح سمندر سے اڑھائی ہزار فیٹ بلند تھا۔

تیسرے پہر ہم آگے روانہ ہوئے۔ سقوبہ کے خوشنما گاؤں سے گذرتے ہوئے اسکے بائیں طرف ہمنے پھر کوہ ذوبیات اور وہاں کے سفید گنبد والی قبر پہ آخری نگاہ ڈالی۔ یہ امر کہ اب ہم مستقل مکان بنا کر رہنے والے لوگوں کے خطہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ ہر لحظہ زیادہ وضاحت سے منکشف ہو رہا تھا۔ اکثر مقامات پر آبپاشی کے عمدہ وسائل مہیا کیئے گئے تھے۔ جو گاؤں چوٹیوں پر آباد تھے۔ ان کے سنگی مکانات لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور مھوسہ کی جھاڑیوں میں دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک گاؤں "اری رداہ" نامی فی الواقع خوبصورت تھا۔ اگرچہ نواح کا ملک نسبتاً زیادہ بنجر نظر آتا تھا۔ سیاہ آتش فشاں چٹانوں نے گویا سنگ

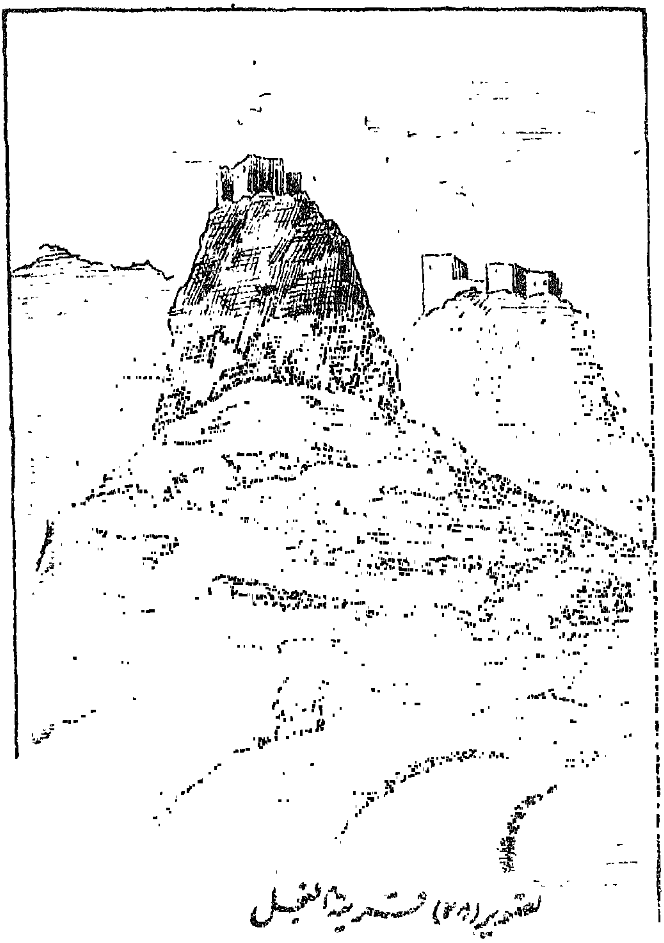

تصوير (٢٠) شمسرية الجبل

چونے کے پہاڑوں کے لئے جگہ چھوڑ دی تھی۔ جو نواح میں آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ ان میں خصوصیت سے "کوہ اہورم" اور "کوہ اشعری" مشہور ہیں۔ ایک جگہ ایک خوبصورت نظارہ دیکھنے میں آیا۔ ایک بڑی چٹان کے سایہ میں ایک میانجی کتاب وقیجی ہاتھ میں لئے ہوئے چند طلباء کو پڑھا رہے تھے۔ جو ان کے پاؤں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے قریب پہنچنے پہ ایک عجیب رستخیز کا عالم برپا ہوا۔ تمام طلباء ہمارے اونٹوں کے پاس آکر خیرات مانگنے لگے بیچے ایک دو سے دو کتابیں لیکر دیکھیں۔ جو وہ پڑھ رہے تھے۔ یہ بیروت کے خوشخط چھپے ہوئے قرآن شریف کے نفیس ترین نسخے تھے۔

شام ہوتی جاتی تھی۔ اور ہم آگے بڑھتے چلے جاتے تھے۔ سویشیوں کے گلے اور ریوڑ چراگاہ سے واپس آتے ہوئے ملاقی ہوتے تھے۔ انکو زیادہ تر لڑکے ہانکتے لاتے تھے۔ جو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمیں دیکھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ اور بانسری بجانا چھوڑ دیتے۔ ہوا بند تھی۔ مکانات کا دھواں سیدھا آسمان کی طرف اٹھ رہا تھا۔ لوگ گروہ در گروہ درختوں کے سایہ میں بیٹھے ہوئے کیڑے مکوڑوں کی بھنبھناہٹ چھوٹی ندیوں میں روانی آب کی آواز سن رہے تھے۔ تمام نظارہ پُرامن تھا۔

اس کے بعد راستہ کوہستان میں تنگ ہو گیا۔ لنگوروں اور بندروں کی گونج زور سے سنائی دیتی تھی۔ ہم اب بلد اشعری میں داخل ہونے کو تھے جو امیر ڈالا کی زیر حکومت ہے۔ یہ بالکل خاموشی پسند، پُرامن لوگوں اور گلہ بانوں سے آباد ہے۔

جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے۔ درہ تنگ ہوتا گیا۔ اور شام کی دھندلی روشنی میں منظر بھی تیرہ و تار ہو گیا۔ لیکن تاریکی سے پیشتر اپنے قیام گاہ کندوبہ میں پہنچ گئے۔ جو امیر لشٹی کے گاؤں کے نیچے واقع ہے۔ ہم بادام کے ایک درخت کی پناہ میں شب بسر کرنے کے لئے ٹھہر گئے۔ گاؤں کے مکانات [illegible]

اور یہ آباد ہیں۔ دریا کے بائیں کنارے پہ واقع ہے۔ گاؤں کو نواح کی بلند چوٹیوں نے چھپا دیا ہے۔ یہ مقام دلفزا تھا۔ سرسبز گھاٹی نیچے اور اوپر گاؤ دم ڈھلوان چٹان کا منظر عجیب فرحت خیز تھا۔ درختوں کے سوا کھیتوں میں بھی چند چند انچ غلّہ اُگ آیا تھا۔

میرے سفر کی کامیابی کا انحصار آیندہ ایک دو روز کے سفر پر ہے۔ ہم نہایت تیزی سے ترکی قلمرو یمن کے نزدیک ہوتے جاتے ہیں۔ کیا مجھے سفر کرنے کی اجازت دیجائیگی؟ یا مجھے واپس کرکے تلخ ناکامی کا مزا چکھایا جائیگا

ہر روز کا سفر میرے لیئے دلچسپی بڑھاتا جاتا تھا۔ اور میں اپنے سفر کو کامیاب بنانے کے لیئے ہر طرح ساعی تھا۔ اور چاہتا تھا کہ جسطرح ہو سکے دارالحکومت صنعا میں پہونچ جاؤں۔ میرا شوق اس وجہ سے زیادہ ہو گیا تھا کہ ایک کے سننے سے عدن میں ہر شخص مجھے کہتا تھا کہ تم اس سفر میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اور پھر اس حالت میں سفر کرنا جبکہ یمن میں بغاوت برپا ہے۔ دیوانگی سے کم نہیں۔ درانحالیکہ امن کے زمانہ میں بھی وہاں کی سیاحت پُرخطر اور غیر محفوظ ہی

باب چہارم

آروئے سرحد ترک

دوسری صبح آفتاب طلوع ہونے کے وقت امیر لیثی کا گاؤں بہت پیچھے رہ گیا۔ ہمارا راستہ دریا کے ساتھ ساتھ جاتا تھا۔ یہانتک کہ وادی ایک ڈھلوان چٹان پر ختم ہوگئی۔ عربوں نے اس ڈھلوان چٹان پر کچھ سڑک سی بنا دی ہے جسکی وجہ سے اسپر چڑھنا کسیقدر آسان ہو گیا ہے۔ لیکن اب بھی یہ چڑھائی چنداں سہل نہیں ہے۔ ہاتھ پاؤں کے بل چڑھکر ہم اونٹوں سے پہلے چوٹی پر پہونچ گئے۔ اس جگہ ہمیں وہاں تھوڑی دیر آرام کرنے کا موقع ملگیا۔ چوٹی سے ہم اونٹوں کو بہ کمال

پیچدار راستے سے اوپر چڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ وادی کھوریبہ سے چوٹی تک ساڑھے چھ سو فیٹ کی بلندی تھی۔ گویا ہم سطح سمندر سے تقریباً پانچہزار فیٹ کی بلندی پر سے عقب کا نظارہ نہایت دلچسپ تھا۔ ہمارے نیچے وادی کھوریبہ ڈھلوان چٹانوں کی دیواروں سے محدود تھا۔ وادی کے سرسبز کھیتوں سایہ دار درختوں میں دریا خط نقرہ کیطرح نظر آتا تھا۔ وادی کی مزید انتہا پر دیگر پہاڑوں کی چوٹیاں دکھائی دیتی تھیں۔

جب اونٹ ہم تک پہونچ گئے۔ تو ہمنے صاف وشفاف پہاڑی چشمے سے پانی کی بوتلیں بھرلیں۔ اور آگے روانہ ہوئے۔ یمن میں ان بوتلوں کو زمزمی کہتے ہیں۔ مراکو میں غرابہ کے نام سے موسوم ہے۔ جو غراب کی جمع ہے۔ ان کے بغیر عربستان میں سفر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ چمڑے کے بنائے جاتے ہیں۔ عرب میں چمڑے کو کاٹ کر ایک خاص صورت کا بنا لیتے ہیں۔ درانحالیکہ مراکو میں پوری کھال مسکہ غراب بنا لیا جاتا ہے۔

وقتاً فوقتاً ہمیں لنگوروں کے گلے ڈھلوان پہاڑوں پر پھرتے نظر آتے تھے۔ لیکن اکثر صرف ان کی چیخیں سنی جاتی تھیں۔ کیونکہ ان کے جسم سنگ چونہ کی چٹانوں میں چھپے ہوئے تھے۔

بلند چوٹی پر ہوا ایسی سرد و فرحت بخش تھی۔ کہ تھکے ہوئے اونٹوں پر سوار ہونے کی بجائے ہمنے پیدل چلنا زیادہ پسند کیا۔ دار النخیل کا گاؤں داہنی طرف چھوڑ کر ہم پست چٹانوں کے ایک درہ میں داخل ہوئے۔ اور پھر میدان زیرین کی طرف آترے جس میں جا بجا پہاڑیاں اور چوٹیاں نکلی ہوئی تھیں۔ یہ سطح مرتفع معہ اس سطح کے جس میں ڈھالا آباد ہے جبل جیاف کے گرد حلقہ بناتا ہے۔ جبل مذکور جلیلہ کے بڑے گاؤں کے اوپر واقع ہے۔ باوجودیکہ حد بندی کی رو سے یہ مقام ترکی قلمرو میں داخل نہیں تاہم یہاں ایک چھوٹا سا ترکی قلعہ بنا ہوا ہے۔ میدان عمدہ طور پر مزروعہ ہے میری سیاحت کے وقت یہاں خوب ہل چل رہے تھے۔ کہیں کہیں درخت بھی تھے۔

چونکہ ہنوز اجناس کاشت شدہ نے زمین سے سر نہیں نکالا تھا۔ اس لئے ملک کسی قدر ویران و بنجر نظر آتا تھا۔

میدان کے وار پار تمام راستہ کوہستانی ہے۔ یہ وسیع سلسلہ کوہ دو نام رکھتا ہے مشرقی حصہ جبل مرتیس اور مغربی جبل ہدا کے نام سے مشہور ہے۔ میدان میں چند میلوں کے سفر کے بعد ہم ایک ڈھلوان چڑھائی پہ پہونچے۔ جہاں سے بلیلہ نامی گاؤں کو راستہ جاتا تھا۔ اگرچہ ترکوں کی اصلی سرحد کتابہ ہے۔ جو یہاں سے چند گھنٹوں کے فاصلہ پہ ایک قصبہ ہے تاہم انہوں نے یہاں بھی قلعہ تعمیر کروا رکھا ہے اور ایک چھوٹی پہاڑی کے مدور برج پہ ان کا پھریرہ اڑ رہا ہے۔ جس پہ ہلال ایستادہ کی علامت ہے۔

میرا ایک ساربان اس گاؤں (بلیلہ) کا باشندہ تھا۔ اس اچھے آدمی کو خوش کرنے کے لئے میں نے یہاں ایک رات ٹھہرنے کا وعدہ کیا تھا۔ ورنہ بصورت دیگر میری خواہش تھی۔ کہ سفر کو جاری رکھکر اسی روز سرحد سے گذر جاتا۔ اس خیال سے کہ لوگوں کی نگاہوں سے بچا رہوں بازار وغیرہ میں نہ ٹھہرا۔ بلکہ اس ساربان کے صحن مکان میں اونٹ سے اتر کر اس کے گھر میں داخل ہوا۔ یہ ایک غریبانہ گھر تھا۔ اور سطح مرتفع یمن کے دیگر مکانات کی طرح ٹھوس مربع پتھروں کا بنا ہوا تھا۔ دو بڑے برجوں پر مشتمل تھا۔ بنیاد ۳۰ مربع فیٹ اور چوٹی بیس مربع فیٹ تھی۔ نیچے کی منزل میں ایک کمرا بطور اصطبل تھا۔ چھت پتھر کے ستونوں پہ استادہ تھی۔ دوسری منزل کو باہر کی طرف سے زینہ جاتا تھا۔ منزل زیرین راستہ اور دو کمروں سے مرکب تھی۔ چھت لکڑی کی تھی۔ فرش اور دیواروں پہ چونہ کا پلاستر تھا۔ زینہ سے چھتے کو کوٹھے پر پہنچتے تھے۔ جو تین فیٹ کی سنگی دیواروں سے محدود تھا۔ مکان کی تعمیر سے اعلیٰ درجہ کی ہنرمندی ظاہر ہوتی تھی دوسرا برج کسیقدر بڑا تھا۔ لیکن وہ عورتوں کے واسطے مخصوص تھا۔ میں نے اس کا اندرونی حصہ نہیں دیکھا۔ مردانہ برج کے ایک کمرے میں مجھے بٹھا کر میزبان نہایت تیزی سے زنانہ حصہ میں چلا گیا۔ اور وہاں عورتوں کو میرے شایان شان کھانا پکانے

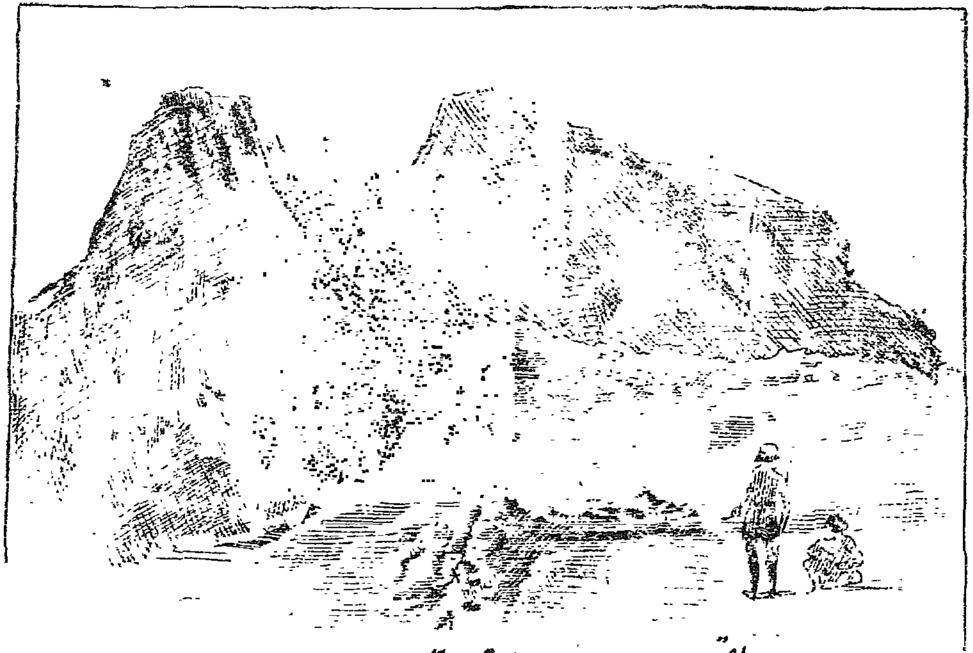

تصویره (۳۰) تصویر حرّان

کے لئے تاکید کرنے لگا۔ تاہم میں اپنی کوٹھڑی سے گرد و نواح کے ملک کا بخوبی نظارہ کر سکتا تھا۔ مزید براں میزبان کی بیویوں اور لڑکیوں کو بھی دیکھ سکتا تھا۔ وہ کیسی بدصورت تھیں؟ قدرت نے انہیں قدرے قلیل خوبصورتی بخشی تھی وہ مصنوعی آرائش و زیبائش میں بالکل چھپ گئی تھی۔ مکھن آلودہ بالوں کی پٹیاں پیشانی پر چھائی ہوئی تھیں۔ اور ان کے تانبے کے سے رنگ کے گالوں پر غازہ ملا ہوا تھا۔ جسم کے بالائی ڈھیلے ڈھالے شوخ نیلے کتانی کپڑے زیادہ دلچسپ تھے۔ جن کے گریبانوں۔ کناروں اور آستینوں پر ریشم کے بیل بوٹے کاڑھے ہوئے تھے۔ لیکن نیل سے رنگے ہوئے پاجامے نہایت غیر موزوں تھے۔ ان کے پائنچوں پر بھی ریشمی کام کیا ہوا تھا۔ بظاہر میرا میزبان اپنی عورتوں پہ نہایت نازاں تھا۔ چنانچہ جب اپنی عورتوں کو کھڑکیوں سے بار بار میری طرف یا باہر جھانکتے ہوئے دیکھتا۔ فوراً للکارتا۔ جس پر وہ پیچھے ہٹ جاتیں۔ لیکن پھر تھوڑی دیر کے بعد نظر بچا کر کھڑکی کے پاس آجاتی تھیں۔ تاکہ اجنبی مسافر کی نسبت اپنی نکتہ چینی کو جاری رکھ سکیں۔

اسی اثناء میں میرے میزبان کے مرد رشتہ دار آگئے۔ تاکہ میرے ساتھ شامل دعوت ہو سکیں۔ بوڑھے نوجوان اور بچے سب ملا کر تقریباً بیس ۲۰ آدمی) ہونگے۔ جن سے دونوں کمرے اور راستہ بھر گیا۔ ہر ایک شخص اپنا حقہ ہمراہ لایا تھا۔ پس ہر طرف حقوں کی گڑگڑا کی آواز آنے لگی۔ مہمانوں کے علاوہ وحشی حیوانوں میں پسو بافراط تھے۔ حالانکہ بہت سے مصنفین نے انسان سے کتوں اور گھوڑوں سے انس کی نسبت بہت کچھ خامہ فرسائی کی ہے۔ لیکن وہ ان پسوؤں کی رفاقت کو فراموش کر گئے جنہیں مصنوعی طور پہ پالنے اور سدھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جونہی پسو خود غذا کھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ انسان کی رفاقت اختیار کر لیتا ہے۔ نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ وہ ہرگز برضا و رغبت انسان سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ یا کم از کم عرب میں یہ کیفیت دیکھی جاتی ہے۔ ان کے مقابلہ میں صرف مچھروں ہی کو پیش کیا جا سکتا ہے

جو شاید انسان سے محبت رکھتے ہیں۔ پسوؤں سے بھی چند درجے بڑھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس وقت جبکہ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ ایک مچھر میرے ہاتھ پر بیٹھا ہوا ہے۔ جب مینے اسکی کچھ پرواہ نہ کی۔ تو اسنے نرمی سے کاٹ کر اپنی موجودگی پر مجھے توجہ دلائی۔ اس کے کاٹنے سے ایک بڑا دھپڑ پڑ گیا۔ جب مینے کھیل کے طور پر اس کے پکڑنے کی کوشش کی۔ تو وہ بھاگ گیا۔ جیسا کہ ان کا معمول ہے۔

دوسرے روز کے کوچ پر میرے سفر کی کامیابی منحصر تھی۔ میرا خیال تھا۔ کہ اگر ترکی سرحد میں ایک مرتبہ مجھے سیاحت کرنے کی اجازت مل گئی۔ تو پھر میں ضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤنگا۔ بشرطیکہ کوئی غیر معلوم و ناگہانی رکاوٹ حائل نہو جائے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ اجنبیوں کے داخلہ کے خلاف احکام کیسے سخت ہیں؟ تاکہ بغاوت یمن کے متعلق جو کئی مہینوں سے ملک میں بپا تھی۔ کوئی خبر باہر نہ نکلنے پائے۔ بہرکیف میں ایسی سرحد سے ملک میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا جہاں سے کسی اجنبی کے آنیکی انہیں مطلق توقع نہ ہو سکتی تھی۔

دوسرے روز جلیلہ سے چند گھنٹوں کے سفر کے بعد ہم ترکی کمرک (جنگی خانہ) میں پہونچے۔ کتابہ کا یہ کمرک خانہ وادی اشعری کے جنوب میں قصبہ کورسے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ کتابہ کا روانی سڑک کے شمال میں بسا ہوا ہے اگرچہ یہ سفر مختصر تھا۔ لیکن گرمی بشدت تھی۔ میدانی رقبہ گو زیر قاعدہ تھا۔ مگر عام نظارہ وحشت خیز تھا۔ دائیں طرف دور فاصلہ پر قعوبہ کا بڑا گاؤں دکھائی دیتا تھا۔ جسے پہاڑ پر بروج کا مجموعہ کہنا چاہئے۔ ان میں مسجد اور مقبرہ کے سفید گنبد نمایاں تھے۔

سرحدی جنگی خانہ ایک پست دیوار پر مبنی ہے۔ جو ایک قلعہ اور ایک بڑے احاطہ پر مشتمل ہے۔ احاطہ مذکور میں اونٹ اور ان کے مالک ٹھہرتے ہیں۔ قلعہ و احاطہ دونوں کا رقبہ بہت بڑا ہے۔ بڑی عمارت کے نیچے کے کمرے مال گدام کے طور پر کام آتے ہیں۔ جن میں آنے جانیوالا اسباب تجارت رکھا جاتا ہے۔ منزل بالائی میں

حکام رہتے ہیں۔ اس کا ایک حصہ ان لوگوں کی رہائش کے لیئے خالی رکھا گیا ہے جنہیں وہاں سے گذرنے کا اتفاق ہو۔ ان خالی کمروں میں شب باشی کا کرایہ لیا جاتا ہے۔ تمام مقام کا نظارہ افسردہ کرنیوالا تھا۔ تین ماہ سے کوئی کارروان سڑک پر نہ گذرا تھا۔ تجارت کی حالت سخت ابتر ہو رہی تھی۔ عدن سے جو اسباب صنعا بھیجا گیا تھا۔ وہ چنگی خانہ میں ادھر ادھر بکھرا پڑا تھا۔ کیونکہ اسے آگے پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ تین ماہ پیشتر ایک کارروان جو ادھر سے جارہا تھا اسے راستہ میں پہاڑیوں نے لوٹ لیا۔ مزید براں کاروان کے سوداگروں نے تین سو ساٹھ ڈالر بہ ہدیہ دیکر رہائی پائی۔

یہ خیال کرنا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ کہ چنگی خانہ کی اس زرد عمارت پر میری سیاحت کی کامیابی کا انحصار تھا۔ پس میں کمال اضطراب و شش و پنج کی حالت میں اس قلعہ کے کھلے دروازہ سے گذرا۔ جس کے ایک پہلو پر غار نما کمرے میں ایک بوڑھا عرب قہوہ پی رہا تھا۔ احاطہ میں اونٹ سے اترکر ایک گوشہ میں سایہ میں بیٹھ گیا۔ اور میرے آدمی افسران چنگی خانہ سے ملنے چلے گئے۔ چند منٹ کے بعد وہ ایک طرفہ مجمع کی صورت میں واپس لوٹے۔ ان کے آگے ایک غلیظ و کثیف ترک تھا۔ جو میلی قمیص اور فرسودہ فوجی پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے عقب میں ایک شاندار آدمی تھا۔ جو شوخ و نفیس لباس سے ملبس تھا۔ یہ شیخ لسیبی تھا جو قبائل عرب میں اپنے اثر و اقتدار کے لیئے مشہور ہے۔ خوش قسمتی سے یہ میرے ساربانوں کا رشتہ دار تھا۔ سر پر بھاری زرد و قرمزی دستار باندھے تھا۔ جس کے گرد اونٹ کے بالوں کی رسی اور طلائی ڈوری لپٹی ہوئی تھی۔ اس کا لباس بھی قابل اظہار ہے۔ یہ شوخ نیلے رنگ کا ڈھیلا لباس پہنے ہوئے تھا۔ پٹی میں ایک نہایت خوبصورت خنجر آویزاں تھا۔ خنجر پر نہایت نفیس نقرئی کام ہو رہا تھا۔ اور اسمیں عہد [illegible] کی اشرفیاں جڑی ہوئی تھیں۔ اس کا قبضہ بھی ویسا ہی مرصع تھا۔ میں اس خنجر کو خریدنا چاہتا تھا۔ لیکن میں جانتا کہ اگر اسکی زیادہ

قیمت بتائی گئی۔ تو مجھے متمول سمجھکر چنگی خانہ کا عملہ زیادہ ستانے پر آمادہ ہوگا۔ کیونکہ مجھے پہلے ہی سے یقین تھا کہ اخذ زر کا کام نہایت آہستگی سے انجام دیا جاتا ہے۔ اگر میں ان کے حسب خواہش معقول روپیہ نہ دیسکا۔ تو میرے سفر کا فوراً خاتمہ ہو جائیگا۔ علاوہ بریں متمول کی شہرت سے دنیا کو بھی اسبات کا علم ہو جائیگا کہ میں لوٹے جانے کے قابل ہوں۔ ان خیالات کی وجہ سے میں خاموش ہو رہا۔ بسیس کے عقب میں ایک اور ۳۵ سال کی عمر کا آدمی تھا۔ جو مراکو کا رہنے والا معلوم ہوتا تھا۔ یہ تینوں کمرک خانہ کے عہدہ دار تھے۔ جو ایک تھیٹر کے تین جداگانہ ایکٹر نظر آتے تھے۔

سلام علیک کے بعد انہوں نے مجھے ساتھ چلنے کو کہا۔ چند منٹ کے بعد میں نے آپکو اپنے میز بانوں کے ساتھ اسباب سے بھرے ہوئے ایک چھوٹے سے نہایت غلیظ کمرے میں پایا۔ وہ اسقدر خلیق تھے۔ کہ خود مجھ سے زاد بوم و سیر و سیاحت کے بارہ میں سوال نہ کرسکے۔ لہذا خود مجھے یہ مورچہ سر کرنا پڑا۔ میں نے کہا کہ خاکسار ترکی گیا تھا۔ جس شخص نے استنبول نہیں دیکھا۔ وہ گویا دنیا ہی میں نہیں آیا۔ پُر جلال استنبول۔ فی الواقعہ کسی ترک سے ملنا خوش قسمتی کی علامت ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ ایک شریف آدمی پایا جائیگا۔ میں عدن سے یہانتک ساربانوں اور جاہل ملازموں کے ساتھ سفر کرتا ہوا پہنچا ہوں۔ یہاں ایک ترک کو دیکھکر جو شادی مرگ کی حالت طاری ہوتی ہے۔ اسے میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا کیا آپ مہربانی سے سگرٹوں کا ایک بکس اور ایک سگریٹ ہولڈر قبول نہ فرمائینگے جو اپنی چھوٹی سی دکان واقع پورٹ سعید سے ہمراہ لایا ہوں۔ جہاں میری بیوی و بچے [illegible] اسی مضمون لیاقت کی وجہ سے [illegible] وہیں پڑا ہوا ہے۔ پھر [illegible] کی خاطر میں اس غیر مامون ملک [illegible] تو قہوہ کو صنعا سے لے آؤں۔

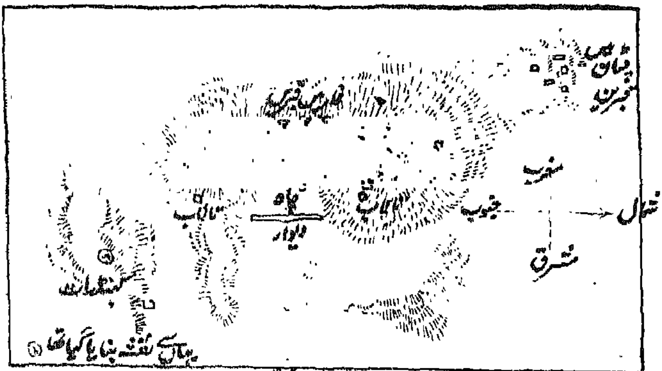
چٹان میں قبریں
پہاڑ پر قبریں
مغرب
شمال
جنوب
مشرق
چاہ
دیوار
تالاب
یہاں سے نقشہ بنایا گیا تھا ⑧

تصویر (۳۱) حران کی چٹان کی قبریں

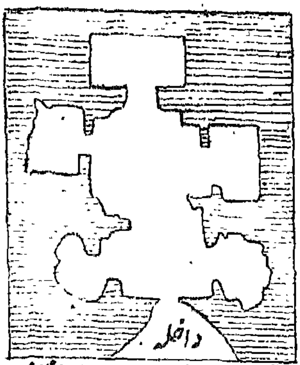

تصویر (۳۲) قبر سوم کا زمینی نقشہ

اس اثناء میں میرا ایک بھائی جو میری طرح یونانی ہے۔ میری دکان کا نگران ہے ترک ہمیشہ کیسے خوش و خورم نظر آتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک تو اس غلیظ و کثیف ترک کی خوشامد تھی۔ اب نمبر دوم (شیخ بسیسی) کی باری آئی۔

کیا آپ شیخ بسیسی ہیں؟ بارک اللہ۔ نہیں مجھے یقین نہیں آتا۔ کہ میری ناپاک آنکھیں ایسے شاندار شخص کو دیکھ رہی ہوں جس کی شہرت تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ پورٹ سعید اس کے کارناموں کی شہرت سے گونج رہا ہے۔ اسکی ناموری اعزاز اور بے انتہا دولت (بحیثیت پرانے جابر محصل ٹکس ہونے کے) اس کی عالیشان فیاضیاں ہر شہر و دیار میں مشہور ہیں۔ اسے بھی سیگرٹوں کا بکس اور سیگرٹ ہولڈر نذر کیا گیا۔ جس سے اس کی زبان بند ہوگئی۔

یہ تیسرے صاحب کہاں سے تشریف لاتے ہیں؟ نہیں یہ فیض کا باشندہ نہیں ہو سکتا۔ مولائی ادریس! (مراکو کا مربی ولی) مجھے محفوظ رکھ! اگر مجھے یہاں مراکو کے ایک مسلمان سے ملنے کی توقع ہوتی۔ تو عدن سے سر کے بل دوڑ آتا۔ فیض کی از قبر سیدی عسلی تا دار المخزن میں ہر ایک بازار سے واقف ہوں۔ یہ دیکھئے عبد الرحمٰن بھی تابحیر (مراکو) کا رہنے والا ہے۔ خدا کیسا کارساز ہے جس نے ہمیں رشتہ دوستی میں منسلک ہونے کا موقعہ دیا۔ اسے بھی سیگرٹوں کا بکس اور سیگرٹ ہولڈر تواضع کیا گیا۔ پھر ہم سب بغلگیر ہوئے۔ میری باتوں سے مارے ہنسی کے سعید کی آواز گلوگیر ہوگئی۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کہیں اس کی ہنسی کی آواز عملہ چنگی خانہ کے کانوں تک نہ پہونچ جائے۔ اس کے بعد قہوہ آیا۔ جنوری ۱۸۹۲ء میں کوئی انگریز ترکی سرحد یمن سے نہیں گذرا ہے۔ ہاں صرف ایک اجنبی جو پورٹ سعید کا غریب دکاندار تھا ذاتی اسباب سے دو نٹوں کو ساتھ لیکر پہونچا تھا۔ وہ صنعاء جانا چاہتا تھا۔ وہاں سے قہوہ کے چند بار حاصل کئے۔ جو وہ [illegible] بیوی کی اور بچوں کا [illegible] ان کے [illegible] چیزیں عرض خطر میں ڈالدی تھی۔ اور [illegible] میں سفر کر کے صنعا پہونچنے کی

کوشش کررہا تھا۔ اسے اپنے مارے جانے یا لوٹے جانے کی کچھ پرواہ نہ تھی
معلوم ہوتا ہے عمارہ گمرک خانہ نے میری کہانی پر یقین کرلیا۔ اگر ابتداء میں یقین
نہ بھی کیا ہو۔ تو چند ڈالروں نے جو عقلمندی سے خرچ کئے گئے تھے۔ اس فسانہ کی
صحت کا یقین دلا دیا۔ دو روز کے مصنوعی آنسوؤں اور اصلی ڈالروں کی بدولت
مجھے آگے بڑھنے کی اجازت مل گئی۔ لیکن ایذا اور نچوڑنے کی کارروائی ختم نہ ہوئی
چنانچہ میری رائفل مجھ سے لے لی گئی۔ کہ دوران بغاوت میں ایسے اسلحہ کی ملک میں لے
جانے کی ممانعت ہے۔ لیکن مجھے رسید مل گئی۔ یہ رائفل اکتوبر ۱۹۲۳ء میں تاشقند میں
مجھے واپس دیگئی۔ جبکہ میں کوہستان الکس کو جارہا تھا۔ بہرکیف رائفل کی تو کیا
حقیقت تھی میں اجازت سفر کیلئے ہر ایک چیز قربان کرنے پر آمادہ تھا۔ یہ دو روز
نہایت پریشانی و اضطراب میں گذرے۔

آخرکار انہوں نے مجھے اجازت دیدی۔ اس اثناء میں سید سفری کاروبار میں
مصروف تھا۔ ہمارے اونٹ تھک گئے تھے۔ اس نے انتظام کیا کہ صرف ایک اونٹ
ہمارے ساتھ رہے۔ اور بقیہ دو اونٹوں کی بجائے دو خچریں بہم پہونچائی جائیں۔
ساربانوں نے بھی اس تجویز سے اتفاق کرلیا کہ بجائے اس کے کہ آگے کے دشوار
گذار سفر میں ان کے اونٹوں کو تکلیف ہو۔ بہتر ہے خچر کرایہ کرلئے جائیں۔ کیونکہ
خچر نہایت تیزی و خاموشی سے منازل و مراحل طے کرسکیگا۔ خوش قسمتی سے میں نے
[illegible] جو معاہدہ کیا تھا۔ اس کا مضمون بھی یہی تھا کہ دشوار گذار راستہ شروع
ہونے پر خچر اونٹوں سے تبدیل کئے جائیں گے۔ اس امر کو تکمیل پر پہنچانے میں ان
کی تکلیف واقع نہیں ہوئی۔ وہاں صرف دو خچریں مل سکیں جس آسانی سے حیوانوں
کا تبادلہ عمل میں آیا۔ وہ حیرت انگیز تھا۔ لیکن اصلی بات یہ ہے کہ ان کاروانی سڑکوں
پر باربرداروں کی جماعتیں مصروف کار رہتی ہیں۔ وہ مختلف مقامات پر کافی حیوان
باربرداری کے لئے رکھتے ہیں۔ جو مال و اسباب ایک مقام سے دوسرے مقام کو
لے جاتے ہیں۔

بلاشبہ یہ ملک جس طرح اقوامی اضلاع پر منقسم ہے۔ اس کے لحاظ سے بار برداری کا یہ سلسلہ بھی نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ بریں یمن کی قدرتی صورت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ ایک ہی قسم کے حیوانوں کو ابتدائی سفر سے انتہا تک لیجانا ناممکن ہے۔ تمثیلاً فصلی اضلاع کے تیز رفتار اونٹ کتابہ و یریم کے درمیانی پہاڑی ڈھلوان اور متدوش کوہستانی ملک میں ناکارآمد ہیں بجائیکہ پہاڑی اونٹ ریگستانی سفروں میں سخت تکلیف اٹھاتے ہیں۔ جبکہ ان کے پاؤں نرم لیکن آگ کی طرح جلتی ہوئی ریت میں گہرے دھنس جاتے ہیں۔

جونہی مجھے آگے جانے کی اجازت ملی۔ میں وہاں سے چلتا بنا کیونکہ حتی الامکان حکام سرحد کو تبدیل رائے کا موقع نہ دینا چاہتا تھا۔ پس نصف النہار کو جبکہ وہ سب آرام کرنے چلے گئے تھے۔ ہم دروازہ سے ترکی قلمرو یمن میں داخل ہوئے۔ مجھے گذشتہ چوبیس گھنٹوں میں حد سے بڑھکر جھوٹھ بولنا پڑا۔ تاہم بنسبت اس مکاری پر متاسف ہونے کے مجھے اپنی کامیابی و اجازت سفر ملجانے کی نہایت مسرت تھی۔ یہ سڑک کتابہ میں داخل نہیں ہوتی۔ جسکا مجھے ذرا بھی افسوس نہ ہوا کیونکہ ہم اس قصبہ کی دیواروں کے نیچے ترکی فوج کو ڈیرہ ڈالے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ یہ اسماعیل پاشا کا ڈویژن تھا۔ جو وسط یمن کے دو بڑے شہروں ذمار و یریم کو مسخر کرکے یہاں پہونچا تھا۔ اپنے اور فوج کے مابین بڑا فاصلہ چھوڑ کر ہم جلد سب کی نگاہوں سے دور نکل گئے۔ وادی اشعری کو طے کرکے وحشتناک و شکستہ کوہستان میں داخل ہوئے۔ سلسلہ کوہ ہمارے راستہ کا مزاحم معلوم ہوتا تھا مگر کتابہ سے روانہ ہونے سے پیشتر ایک اندوہناک ماجرا سننے میں آیا۔ مجھے وہاں ایک بنگالی تیا قریب ترک کو پھٹے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تھا جو مجھے نگاہ سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ جبھی میں روانہ ہونیکو تھا۔ یہ میرے پاس آیا۔ میرے ہاتھوں کو چوم کر اسنے ترکی زبان میں مجھسے حفاظت و امداد کی التجا کی۔ بیچارہ غریب ملازم گو [illegible] تھا۔ لیکن اسکی باتیں مجھکو ترجمہ کرکے [illegible]

نہایت درد انگیز تھا۔ یہ جبری فوجی خدمت کے اصول کی رو سے سمرنا کے متصل کسی گاؤں سے بھرتی کیا گیا تھا۔ اور اپنے بھائی کے ساتھ یمن میں جنگ پر بھیجا گیا۔ آخر کار بہت سی لڑائیوں میں موجود رہنے اور انواع و اقسام کی تکالیف اٹھانے کے بعد کتابہ پہونچا۔ جہاں باقی ماندہ سپاہیوں کی فہرست طلب ہوئی۔ اس کا نام فہرست میں موجود نہ تھا۔ لہذا تصور کر لیا گیا کہ غلطی سے اپنے وطن کو چھوڑ کر فوج کے ساتھ ہو لیا ہے۔ اس پر اسمٰعیل پاشا کے حکم سے وردی اتار کر اسے آزاد کر دیا گیا۔ کہ یہ سلطانی سپاہی نہیں۔ غریب الدیار مسافروں کی طرح ایک غیر ملک میں آوارہ پھرتا ہوا کمرک خانہ تک پہنچا۔ جہاں شیخ لبیبی نے براہ ترحم اسے غذا و کپڑا دیا۔ یہ عربی زبان سے نابلد تھا۔ صرف ایک عرب ہی تھا۔ جو اسکی دیسی زبان سے کچھ تھوڑی بہت واقفیت رکھتا تھا۔ اسنے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے ہمراہ لیجاؤں۔ بدقسمتی سے یہ ناممکن تھا۔ میرے ساتھ ایک ترک کی موجودگی عرب باغیوں کے بھڑکانے کا موجب ہوتی۔ لیکن میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ عدن پہنچنے کی کوشش کرے۔ چونکہ وہ مضبوط خوبصورت نوجوان آدمی ہے۔ اسلئے مجھے امید ہے کہ اسے بہت سا کام مل جائیگا۔ اور وہ جلد اپنے وطن کو لوٹنے کے قابل ہوگا۔ عدن کے خرچ راہ کیلئے کچھ زر نقد دینے کے سوا میں کسی اور صورت سے اسکی امداد نہ کرسکا۔

جن علاقوں سے ہم گذر رہے تھے۔ اگرچہ وہ سنگلاخ تھا۔ تاہم ادھر ادھر وادیوں میں زراعت کی ہوئی تھی۔ بہت سے مقامات خوبصورت باغ کا منظر دکھاتے تھے میدان کا سبزہ بمشکل تین انچ تھا۔ ادھر ادھر باغ میں درخت استادہ تھے۔ چھوٹی نہریں اور چشمے ٹھنڈک بخشتے تھے۔ پہاڑوں کی چٹانیں درختوں اور پھولوں سے لدی ہوئی تھیں۔ ان میں ٹاگر کے درخت کا سرخ پھول قابل دید تھا۔ کھیتوں میں کیڑے مکوڑوں کے چھتے چھ سے آٹھ فیٹ تک بلند تھے۔ غروب آفتاب کے خوشنما نظارہ کے بعد رات آئی جسکی تاریکی میں تمام سین غائب ہوگیا۔

ہم تاریکی میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ سنگستانی راستے میں جو نہایت احتیاط

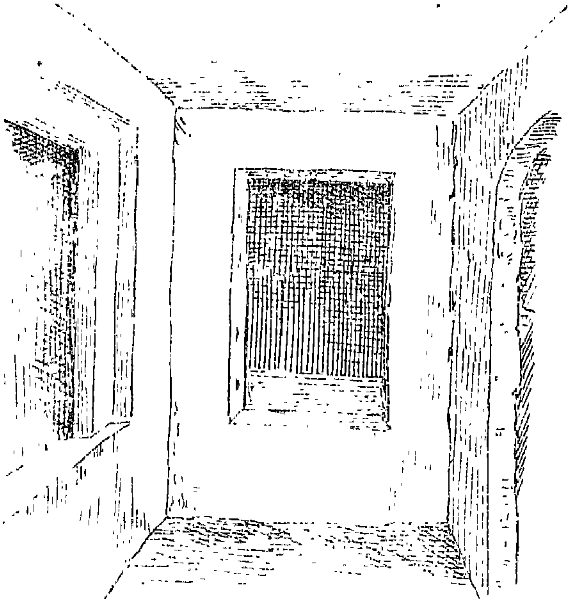

تصویر نمبر ۲۳ ۔ قبر سوم کا اندرون ۔ بیت جبران

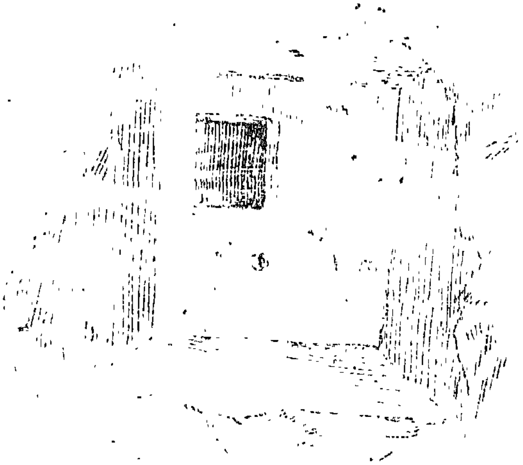

تصویر نمبر ۲۴ قبر چہارم کا داخلہ ۔ بیت جبران

سے پاؤں رکھتے تھے۔ آس پاس کے قبائل بغاوت کو مغتنم سمجھ کر بالکل آزاد و مصدر شورش بن گئے تھے۔ اس لئے رات کی تاریکی و خاموشی میں سفر کرنا ضروری سمجھا گیا۔ کبھی کبھی کسی گاؤں میں آگ جلتی ہوئی نظر آتی تھی۔ اور کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی کانوں میں پہونچتی تھی۔ جنکی تیز قوت سماعت ہمارے خچروں کی ٹپوں پر چلنے کی آہٹ کو سننے سے قاصر نہ رہتی تھی۔ لیکن ان کے بھونکنے پر گاؤں والوں نے ایک دوسرے کو پکارنے کے سوا اور کوئی کارروائی نہ کی۔ دریا کی خشک سطح جس پر سفر کر رہے تھے۔ دفعتہً بلند ہوتی گئی۔ اب حفاظت دامن سے سفر کرنا اور بھی مشکل ہو گیا۔

“نہیں یہاں آدمیوں کا انتظار کرنا چاہیئے” شیخ لبیسی کے عرب آدمی نے کہا۔ جو ہمارے ساتھ تھا۔ میں نہیں جانتا کہ اس سے کن آدمیوں کی مراد تھی؟ چونکہ وہ ہمارے کارروان کا مسلمہ قافلہ سالار تھا۔ اس لئے میں کسی قسم کا سوال کرنے سے باز رہا۔ ہمنے اُتر کر ایک چٹان کے سوراخ میں آگ جلائی۔ اور اس کے گرد تاپنے کے لئے بیٹھ گئے۔ لیکن ہم لکڑیوں پر پانی ڈالتے جاتے تھے۔ تاکہ شعلے بلند نہ ہونے پائیں۔ اور لوگوں کو ہماری موجودگی کا علم نہ ہو۔

تھوڑی دیر تک منتظر رہے۔ لیکن کوئی آتا دکھائی نہ دیا۔ ہم جلتی ہوئی آگ کو پسماندگان کے لئے نشان کے طور پر چھوڑ کر کہ کاروان یہاں سے گذر گیا ہے آگے روانہ ہوئے۔

ہمارا یہ مختصر سا قیام بھی دلچسپی سے خالی نہ تھا۔ نیم برہنہ سیاہ فام عرب جو ہمارے ساتھ تھے بھالوں سے مسلح تھے۔ یہ سب کے سب آگ پر جھکے ہوئے تھے یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا ان کے بھالوں کے پھل زیادہ چمک رہے تھے۔ یا سر کے بالوں کی لٹیں۔ کبھی کبھی آگ کا کوئی شعلہ باوجود سخت احتیاط کے ہوا میں بلند ہو جاتا تھا۔ جس کی روشنی میں ہم بالائی چٹانوں کو درختوں سے ڈھنپا ہوا دیکھتے تھے۔

جوں جوں آگے بڑھتے گئے۔ راستہ زیادہ سنگلاخ و ڈھلوان ہوتا گیا۔ آخر کار چڑھائی کے وسط میں آواز عقب نے آگاہ کیا کہ جلد گروہ کا انتظار تھا وہ آپہنچا ہے۔ ستاروں کی روشنی میں (چونکہ ابھی چاند بلند نہیں ہوا تھا) ہم تاریک سایوں کو جو ہمارے عقب میں رہتے تھے۔ دیکھ سکتے تھے۔ یہ عجیب جماعت تھی۔ ان میں چھ سات توڑے دار بندوقوں اور بھالوں سے مسلح تھے۔ ان تمام پرانے اسلحہ میں سے جنہیں مجھے یمن میں دیکھنے کا موقع ملا ہے یہ بندوقیں سب سے زیادہ عجیب تھیں۔ جنکا وجود و عدم وجود برابر سمجھنا چاہئیے۔

ایک گھنٹہ اور ہم تاریک سڑک پر چلے گئے۔ کانٹے دار موسہ نے ہمارے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اور خچروں کی ٹانگوں کو زخمی کر دیا۔ بعض جگہ تو راستہ بھی رُکا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے بعد یہ راستہ چھوڑ دیا گیا۔ اور ڈھلوان چٹان پر چڑھکر ایک وادی میں داخل ہوئے۔ جو تقریباً نصف میل طویل تھی یہاں ہمنے مقام کر دیا۔ شبنم سے بچنے کے لئے درختوں کی شاخوں میں کپڑا باندھکر نیچے بیٹھ گئے۔ اور کھانا پکانے کے لئے آگ جلائی۔ ہمارے پاس کھانے کیواسطے مکھن اور بوڑھی بکری کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

یہ آخری رات تھی۔ جو ہمنے اندراب کے بڑے گاؤں کے نیچے کھلے میدان میں بسر کی۔ اگرچہ اس کے بعد بھی چند روز تک تاریکی میں سفر کرنا پڑا۔ لیکن دیہات کے قہوہ خانوں میں ٹھہرنے کے لئے جگہ ملجاتی رہی۔ اور یریم کے بعد ہم کارروان سراؤں میں اُترتے رہے جنمیں سے بعض صاف و آرام دہ تھیں۔

دوسری صبح میں گرد و نواح کے نظارے کو زیادہ عمدگی سے دیکھنے کے قابل ہوا ہمنے رات پہاڑی نہر کے خشک حصہ میں بسر کی تھی۔ اس کے بعض بعض مقامات میں پانی موجود تھا۔ ہمارے سامنے ڈھلوان چٹانیں تھیں۔ جن پر جابجا موسہ کے درخت اور دیگر خار دار جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ وادی کے آگے اندراب کا گاؤں جو ایک بلند چوٹی پر واقع ہے جو دیواروں اور برج نما تودہ معلوم ہوتا

ہمنے دن بھر درختوں کے نیچے آرام کیا۔ دو آدمی گاؤں میں غذا خریدنے گئے۔ جو ایک پیالہ مکھن۔ پتلی پتلی روٹیاں اور ایک بوڑھا بکرا خرید کر لائے۔ جس کی عمر کا پتہ لگانا محال تھا۔ یمن جیسے ملک میں بحالت سیاحت ان اشیاء کا میسر آنا بھی مغتنمات سے ہے۔

غروب آفتاب کیوقت پھر اپنا اسباب باندھکر آگے روانہ ہوئے۔ نہایت آہستگی سے قدم اٹھاتے ہوئے جا رہے تھے۔ تاکہ گاؤں والے ہماری موجودگی سے آگاہ نہ ہوں۔ دن کی آخری روشنی ہنوز آسمان پہ نمایاں تھی۔

اور غروب ہونے والے ازاب نامی گاؤں کا نظارہ۔ آفتاب کی آخری شعاعیں پہاڑ کی چوٹیوں کو سرخی مائل طلائی رنگ میں رنگ رہی تھیں۔ یہ عظیم الشان پہاڑ چونہ کے پتھروں کا ہے۔ اسکی چٹانیں مختلف صورتوں کی ہیں۔ چوٹیوں کی بھی عجیب کیفیت ہے کسی پہ کسی کوہستانی جاگیردار کے قلعے کا اور کسی پہ گرجا کے صلیب نما مینار کا دھوکا ہوتا ہے۔

راستہ حسب معمول سنگلاخ ہے۔ بار بار کے اتار چڑھاؤ سے سفر باہستگی سے طے ہو رہا ہے۔ جب تاریکی بڑھ گئی۔ تو ہمارے قافلہ نے تاروں کی روشنی میں قیام کیا۔ اور نہر کی سفید نرم ریت پر قطار باندھکر اہل قافلہ نماز پڑھنے لگے۔ ان کی نیم برہنگی اور سر کے بکھرے ہوئے بال وحشت انگیز مرقع پیش کر رہے تھے۔ لیکن مکھن اور تیل کی بو سے جو ان کے بالوں کو لگا ہوا تھا۔ دماغ پریشان ہو رہا تھا۔ اہل قافلہ نے اپنے توڑے دار بندوقوں کی بتیاں روشن کرلیں۔ اور ان میں دو چپ و راست کا خیال رکھنے کے لئے آگے چلے گئے۔ ان کے پیچھے ہم بھی روانہ ہوئے۔ سگریٹ کے جلتے ہوئے سرے [illegible] میں اس روشنی کے تعاقب میں رواں تھا۔

جوں جوں انسان آگے بڑھتا جاتا ہے۔ وادی کے خد و خال زیادہ نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔ آخر دس بجے تھوڑے سے قلعہ کے [illegible] پہاڑ پر [illegible]

ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ نہر کے کناروں پہ درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ لیکن بوجہ تاریکی انکا محض سایہ ہی دکھائی دیتا تھا۔ راستہ دفعتاً ختم ہوگیا۔ یہاں ہم ٹھہر گئے۔ آگے ایک ایسی چڑھائی شروع ہوئی۔ جسے میں کبھی فراموش نہ کرونگا۔ ایک پیچیدہ راستہ جسے محض پگ ڈنڈی کہنا چاہیئے۔ ڈھلوان چٹان پہ جاتا ہے۔ یہانتک کہ سطح سمندر سے آٹھ ہزار فیٹ کی بلندی پہ پہونچ جاتے ہیں۔ ہنوز چاند نہ نکلا تھا۔ اور ایک قدم راستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ مزید براں انتہا درجہ کی سردی تھی۔ بار برداری کے جانوروں کا کسیقدر بوجھ ہلکا کر دیا گیا۔ یعنی کچھ کچھ بوجھ ہر ایک آدمی پر سوائے عبدالرحمٰن کے جو میری بندوق SHAT GUN/ اٹھائے ہوئے تھا تقسیم کر دیا گیا۔ اس کے بعد ہمنے چڑھنا شروع کیا۔ اگر کسی انسان یا حیوان کا ذرا بھی پاؤں خطا کر جائے۔ تو وہ نیچے وادی میں جا پڑے صرف چڑھائی ہی تکلیف دہ نہ تھی۔ بلکہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس وقت ہم باغیوں کے ملک میں تھے۔ اور ہمارے معلوم ہو جانیکا یہ ضروری نتیجہ ہوتا کہ کم از کم میں مارا جاتا۔ ہم قبیلہ العور کے علاقہ میں داخل ہو رہے تھے۔ جنہے چند ماہ پیشتر طوق اطاعت گلے سے نکال کر اپنے شیخ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔ اور ان ٹکڑوں کو دوسروں کی تنبیہ و آگاہی کے لیئے تمام ملک میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہماری پارٹی معہ ان آدمیوں کے جو شیخ بسیسی نے ہم پہنچائے تھے۔ دس آدمیوں پہ مشتمل تھی۔ لیکن میری شاٹ گن وریوالور کے سوا میرے ہمراہیوں کے پاس کوئی ایسا کارآمد اسلحہ نہ تھا۔ جو دست بدست جنگ کے سوا کسی اور صورت میں مفید ثابت ہو سکتا۔ تاہم ہماری تعداد اسقدر تھی کہ کسی چھوٹی موٹی جماعت کو حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ ہم چند سو فیٹ سے زیادہ نہ چڑھے تھے۔ کہ معلوم ہوا کہ ہمارا باقیماندہ اونٹ ایسی سخت چڑھائی کے ناقابل ہے۔ اسکے علاوہ بلبلانے سے اندیشہ تھا کہ کہیں گاؤں والے خبردار نہ ہو جائیں حالانکہ ہم نیچے ان کے کتوں کی بھونکنے کی آواز برابر سن رہے تھے۔ ایک یا دو مرتبہ

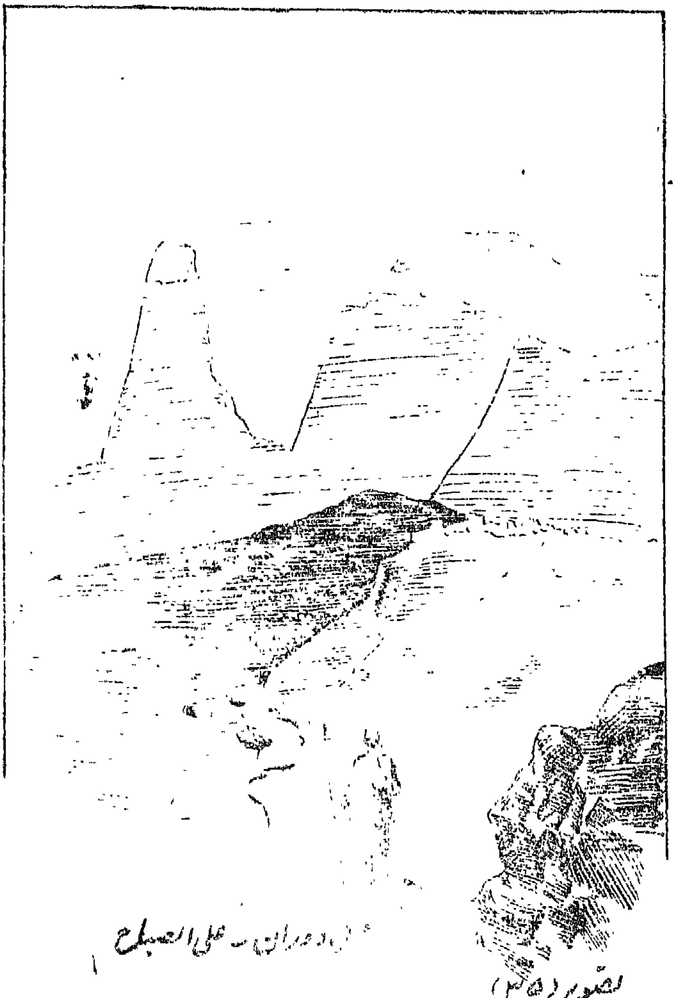

الدعوات على الصباح

تصوير (٣٥)

گاؤں کے آدمیوں نے بھی ایک دوسرے کو پکارا۔ اور روشنی بھی حرکت کرتی ہوئی نظر آئی۔ اس وقت ہم خاموشی سے لیٹ جاتے۔ اور چوپایوں کو بھی اس طرح رکھتے۔ کہ خاموشی میں خلل انداز نہ ہوں۔ آخر کار اس امر کا فیصلہ ہوا کہ اونٹ کو واپس بھیج دیا جاوے۔ دو آدمیوں نے اس کام کو انجام دینے کا بیڑا اٹھایا کہ وہ صبح آنے سے پیشتر اونٹ کو لیکر خطرے کی حد سے دور نکل جائیں گے۔ اب اس اونٹ کا بوجھ بھی خچروں اور آدمیوں پر لادا گیا۔ جس سے گو انکا بوجھ بڑھ گیا مگر انہوں نے خوشی سے اٹھا لیا۔ اور ہمنے پھر چڑھنا شروع کیا۔

مجھے خیال پیدا ہونے لگا۔ کہ چڑھائی کبھی ختم ہی نہ ہوگی۔ جو زیادہ ڈھلوان ہوتی گئی۔ آخر کار دو گھنٹوں اور دو ہزار فیٹ کی چڑھائی کے بعد ہم چوٹی پر پہونچے جہاں کسی ہمدرد نوع انسان نے انسان و حیوان کی پیاس بجھانے کیلئے ایک کنواں بنوا دیا ہے۔ جسکا پانی نہایت ٹھنڈا ہے یہاں دس منٹ سے زیادہ ٹھہرنے کے لئے ہمارے پاس وقت نہ تھا کیونکہ پو پھٹنے سے پیشتر ہمیں ایک طویل راستہ طے کرنا تھا۔ آٹھ ہزار ایک سو فیٹ کی بلندی پر پہنچکر ہم پھر ایک درہ میں داخل ہو کر نیچے اترنے شروع ہوئے گھنی جھاڑیوں اور پھسلنے والے پتھروں پر ہوتے ہوئے ایک وادی میں پہونچے۔ جہاں سے ہمارا راستہ نکلتا تھا۔ وادی مذکور میں ایک نہر وادی التا کے نام سے رواں تھی۔ جو بحالت طغیانی راس سیلان پہنچکر جو عدن سے شمال مشرق میں تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ سمندر میں جا ملتی ہے۔ جب ہم لنگوروں کے آرام شب میں اپنے سفر سے خلل انداز ہوتے تھے۔ تو وہ کسطرح چیختے چلاتے تھے۔ وقتاً فوقتاً ان کے بھاگنے سے پتھروں کے لڑھکنے کی آواز آتی تھی۔ اپنے چھوٹے سے دستے کے اجتماع اور ہتھیاروں کے امتحان کے بعد ہم نے خاموشی سے قبیلہ الحور کے مورچوں سے گذرنا شروع کیا۔

باب پنجم

سوبے [illegible] تک

اس طرح سطح وادی تک اترنے کے بعد ہمارے سفر کا نہایت مشکل و خطرناک حصہ شروع ہو گیا۔ اس پاس کے علاقہ جا بجا دیہات کے واقع ہونے سے گنجان طور پر آباد تھا۔ گو یہ ہمیں جان سے نہ مارتے۔ لیکن ہمارے اسباب کے لوٹے جانے میں کوئی شک نہ تھا۔ چاہئے امن تک پہنچنے کے لئے ہنوز ایک لمبا سفر درپیش تھا۔ اور رات کے صرف چند گھنٹے باقی رہ گئے تھے۔ گویا یہ خطرناک سفر نہایت جلدی سے طے کرنا تھا۔ عرب تاجر بھی [illegible] سے زیادہ عرصہ سے ادھر سے نہ گزرے تھے۔ اس عرصہ میں یہ ضلع بالکل [illegible] ایک بند دروازے کے تھا۔ جب قافلہ روانہ ہونے سے پہلے [illegible] کی خاموشی اختیار رکھنے کی ہدایت کی۔ تو اس وقت مجھے یہ خیال گزرا کہ میں پہلا شخص ہوں جو [illegible] سے جان جوکھوں اٹھا کر اس راستہ کو دوسروں کے لئے کھول رہا ہوں۔

راستہ کو چھوڑ کر ہم جھاڑیوں میں گھس گئے۔ تا کہ جہاں تک ممکن ہو دیہات سے دور رہیں۔ لیکن ایک گاؤں سے مجبوراً نہایت قریب سے گزرنا پڑا۔ اس گاؤں کا نام [illegible] تھا۔ جہاں قوم [illegible] کا خاص [illegible] کیسی خاموشی سے ہم آگے بڑھتے گئے۔ کہیں کہیں ہمارے خچروں کا پاؤں غلط پڑنے سے پتھر کھڑکھڑاتے تھے۔ اس حالت میں ہم سب ایک سیکنڈ کے لئے خاموش ٹھہر جاتے۔ اور سانس روک کر سنتے کہ کہیں کوئی غیر معمولی آواز تو نہیں آتی۔ ایک مرتبہ ایک [illegible] کتے کے [illegible] کتیاں اور ان کے پلوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا گویا انہوں نے [illegible] قریب سے اہل دہ کو آگاہ کرنے کے [illegible] کوشش [illegible] کر لیا تھا لیکن خوش قسمتی سے وہ گاؤں [illegible] تھے۔

اور عربی کتوں کی عادت کے مطابق اپنے آقا کے گھروں کے احاطہ ہی [illegible] چونکہ رہے تھے۔ تاہم یہ شور ایک آدمی کو جگانے کے لئے کافی تھا جس نے دوسرے کو پکارا۔ اور باہم گفتگو ہونے لگی۔ میرے آدمی مجھے کلائی سے پکڑ کر بانسوں کے ایک گھنے جھنڈ میں لے گئے۔ ہم ایک لالٹین کو دیکھ سکتے تھے۔ جو چند صد گز کے [illegible] گاؤں میں ادھر ادھر متحرک تھی۔ یہ نہایت اضطراب کا وقت تھا۔ [illegible] کا بھونکنا بند ہوا۔ اور روشنی غائب ہو گئی۔ اس امر کا یقین [illegible] پھر خاموشی چھا گئی ہے۔ ہمنے اپنے بال بچے پہ خدا کا شکر [illegible]

[illegible] ہو آیا۔ لیکن سردی بدرجہ کمال تھی [illegible] پر نگاہ نہ ڈال سکا۔ ایک یا دو مرتبہ [illegible] ایک مرتبہ ایک آدمی نے چلا کر پوچھا [illegible] لیکن [illegible] مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ [illegible] یہ ایک اتفاقی امر ہوگا [illegible] نکلنے سے پیشتر دشمنوں کے اس علاقے سے نکل جائیں

[illegible] نہایت سرد اور فضا کی صبح تھی [illegible] مار مار کر تیزی سے ہانکنے لگے [illegible] جلد جلد قطع راہ کرنے لگے۔ سورج تقریباً طلوع [illegible] تھا۔ [illegible] ایک برج کی طرف دیکھا [illegible] "ایک وقت ہم وہاں پہنچ جائیں۔ تو پھر محفوظ [illegible] گھنٹے میں نکل آئے۔ اور سر [illegible] چابک [illegible]

طلوع آفتاب سے تھوڑی دیر پہلے برف کی طرح سرد [illegible] بیت الندیش نامی گاؤں کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

یہ گاؤں ڈھلوان چٹان کے کنارے پر آباد تھا۔ دور دور سے نہایت خوبصورت دکھائی دیتا تھا۔ وسط میں ایک بلند برج استادہ تھا۔ یہ ان تمام بروج سے جو ابتک ہمنے دیکھے تھے بڑا تھا۔ جیسا کہ کھڑکیوں سے معلوم ہوتا تھا۔ یہ چھ منزل اونچا تھا۔ اسکی چوٹی ناتمام معلوم ہوتی تھی۔ نصف چھپی ہوئی تھی۔ اسکے گرد چند پست اور چپٹے سقف کے مکانات تھے۔ ڈھلوان سے کسیقدر فاصلہ پر ایک مسجد اور گاؤں کا زیادہ تر حصہ آباد تھا۔ قبرستان تمام پہاڑی پہلوؤں کو گھیرے ہوئے تھا۔ برج کے متصل چند سایہ دار درخت تھے۔ جو اس عجیب مقام کی دلاویزی کو بڑھا رہے تھے

اگرچہ کتوں نے ہمیں چیخنے اور بھونکنے سے خیر مقدم کہا۔ لیکن ہمنے کوئی توجہ نہ کی۔ آگ جلا کر اپنے ٹھٹھرے ہوئے اعضاء کو گرم کرنے لگے۔ اور قہوہ جوش دینے کے لئے رکھ دیا۔ میں اپنی دری پر لیٹ کر جلد سو گیا۔ جب جاگا تو سورج کی گرم شعاعیں مجھ پر پڑ رہی تھیں۔ اور ہنستے بولتے عربوں کا گروہ ہمارے گرد مجتمع تھا۔ نیم دائرے کی صورت میں بیٹھے ہوئے میرے بیدار ہونیکا انتظار کر رہے تھے۔ جب میں اٹھا۔ تو میرا جسم بھاری تھا۔ تھیلے میں سے صاف کپڑے نکالکر دریا کی طرف دوڑا گیا۔ اور ٹھنڈے پانی میں نہا کر پھر اس مجمع میں شامل ہوا جسکی دلچسپی کا مرکز میں تھا۔ ایسا واقعہ کبھی اس سے پیشتر ان کے دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ اسی اثناء میں چاشت کا کھانا تیار ہو گیا۔ اور ہمنے حاضرین میں سے چند کو مدعو کر کے بسم اللہ کہکر مٹی کے ایک بہت بڑے باسن میں انگلیاں ڈالکر کھانا کھانا شروع کر دیا۔

آج کی صبح کیسی شاندار تھی؟ اور ہر ایک چیز کیسی تازہ و خوبصورت دکھائی دیتی تھی؟ درختوں کے سبز پتوں اور گھاس پر شبنم کے موتی ہنوز چمک رہے تھے۔ وادی دیرین سے ابھی کہر دور نہ ہوا تھا اگرچہ دھوپ تیز تھی۔ لیکن نسیم صبح نے اس میں اعتدال پیدا کر دیا تھا۔ ہم کیسے خوش تھے؟ شب گذشتہ کے خطرات سے صحیح و سالم نکل آنے پر ہم سب خنداں و شاداں تھے۔ لیکن ایک روز کے قیام کرنے اور سستانے کے متعلق ہماری امیدوں کا خون ہو گیا۔ کیونکہ ہمارے آدمیوں کو عین وقت اطلاع ملی

کہ بہتر یہ ہے کہ آگے کوچ کر جائیں۔ ورنہ ممکن ہے کہ کوئی حادثہ واقع ہو۔ پس چند گھنٹوں کے بعد وہی سفر تھا۔ اور وہی ہم۔

ہم اب عرب فلیکس (زرخیز) حصہ میں داخل ہو گئے تھے۔ ہر طرف چھوٹی چھوٹی ندیاں۔ پتھروں اور سنگریزوں میں بہ رہی تھیں۔ سیاح کے سوا کوئی شخص نہیں جانتا کہ روانی آب کیسی شریلی آواز رکھتی ہے۔ جن سیاحوں کو کیچڑ آلود پانی بھی تین تین چار چار روز کے بعد ملا ہو۔ اُن سے اس افراط آب کی قدر پوچھنی چاہئے۔ اب ریگستان و کوہستانی وادیاں سب بھول گئی تھیں۔ ہر طرف سر سبز و شاداب کھیت تھے۔ جو و جوار کا نشوونما عمدہ فصل کی خبر دیتا تھا۔ ہر طرف ڈھلوانوں کو سایہ دار درخت اور جنگل ڈھانپے ہوئے تھے۔ ہمارے آدمی ہنسی خوشی آگے بڑھتے گئے۔ وقتاً فوقتاً دوڑ پڑتے تھے۔ اور کبھی اپنے بھالوں کو چمکاتے۔ حالانکہ ہمنے بارہ گھنٹوں کے سفر اور تیس میل کی قطع راہ کے بعد صرف دو تین گھنٹے استراحت کی تھی۔

یہاں ہم پہلی مرتبہ پہاڑی باشندوں سے ملاقی ہوئے۔ جو میدانی باشندوں سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ یہ عموماً طویل القامت اور قوی ہیکل ہیں۔ اُنکے اعضا کام کرنے میں نسبتاً تیز و آزاد ہیں خصوصاً ٹانگیں نہایت خوشنما ہیں۔ جسکی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ یہ بہت چلنے پھرنے والے ہیں۔ میدانی لوگوں کی طرح مرد سروں پر لمبے بال رکھتے ہیں۔ مونچھیں نیچے سے منڈواتے ہیں۔ ٹھوڑی کے نیچے چھوٹی سی داڑھی اُگی ہوئی ہوتی ہے۔ گہرے نیلگوں تہ بندوں کے علاوہ جنہیں خنجر لگائے ہوتے ہیں۔ یہ بھیڑ کی کھال کے کوٹ بھی پہنتے ہیں۔ بالوں والا رخ اندر کیطرف ہی ہوتا ہے۔ اور بیرونی جلد پر سیاہ دھاگے سے بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ یہ کوٹ کوہستان کی سخت سردی سے انہیں محفوظ رکھتے ہیں۔ عورتیں بھی میدانی بہنوں کیطرح نیلگوں کرتیاں پہنتی ہیں۔ جنکے گریبانوں۔ آستینوں اور سینہ پر سنہری۔ روپہری و ریشمی دھاگوں سے کشیدہ کا کام کیا ہوتا ہے۔ مرد عموماً انتہا درجہ کے خوبصورت ہیں عورتیں بخلاف ان کے بھاری بھرکم ہیں۔ بلاشبہ نیلگوں تنگ پاجامے اور نیل و

غازہ جو وہ چہروں پر ملتی ہیں۔ انہیں بدصورت بنانے کا موجب ہیں صبح کی سردی میں ان کے بالوں پر تیل کے سفید قطرے نظر آتے ہیں۔ جو بعد میں دھوپ کی گرمی سے پگھل کے چہرے پر بہہ نکلتے ہیں۔ اور غازہ کی مصنوعی سرخی میں لمبی لمبی دھاریاں پڑ جاتی ہیں۔

بیت الفقیہ سے تین گھنٹے کے سفر اور عبور دریا کے بعد بیت [illegible] میں پہنچے جو ایک بڑا اور مرفہ الحال نظر آنے والا گاؤں ہے۔ اور دریا کے مغربی کنارے [illegible] پر سایہ دار درختوں کے جھنڈ میں واقع ہے۔

اس مقام پر پہنچنے سے پہلے دو بڑے دیہات سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ دونوں دریا کے ادھر ادھر کے کناروں پر آباد ہیں۔ بائیں کنارے پر نادر نامی گاؤں ہے جس کے اوپر ترکی قلعہ بنا ہوا ہے۔ اور داہنے کنارے پر گھادن نامی گاؤں آباد ہے۔ یہ دونوں اچھے گاؤں ہیں۔ اور خوش حال و خوبصورت نظر آتے ہیں۔ قلعہ آجکل عربوں کے قبضے میں ہے۔ باوجود بلندی پر واقع ہونے کے ترکوں نے اسے غیر مستحکم تصور کرکے آغاز بغاوت میں چھوڑ دیا تھا۔ اسماعیل پاشا کی فوج اور کمر کے [illegible] کے سوائے اب تک ترکی تسلط میں کا کوئی نشان نگاہوں سے نہیں گذرا۔

کوہستان کو نہایت ہوشیاری سے قابل کاشت بنایا گیا ہے۔ جو دور سے کھیت ہرے دار سیڑھیاں نظر آتی ہیں۔ اگرچہ اس جگہ کے سیڑھی نما کھیت [illegible] کھیتوں کے زیادہ سادہ نہیں، کیونکہ پہاڑ [illegible] محنت کا نتیجہ ہیں۔ ایک مقام پر پہنچ [illegible] اور پھر ایک سیڑھی پر [illegible] اور اس [illegible] قہوہ [illegible] وادی [illegible] قسم کے کھیت [illegible] اور [illegible] جس کو دیکھ چکا تھا [illegible]

ان سے نہ صرف عربوں کا اعلیٰ درجہ کا مشاقانہ پن ثابت ہوتا تھا۔ حالانکہ عام طور پر وہ سخت محنت کے عادی نہیں، بلکہ ان کی گرانقدر ہنرمندی اور انجینئری سے آگاہی کا بھی ثبوت ملتا تھا۔

دنیا کے دیگر حصص میں اہل عرب باغات لگانے کے نہایت شائق ہیں۔ نیز وہ کاشت کے متعلق تجربے بھی کرتے رہتے ہیں۔ خواہ ان کی سعی مشکور ہو یا نامشکور۔ وہ جلد اس سلسلہ سے اکتا جاتے ہیں۔ اور اس کام کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ باغات مذکور میں پھول داروں کی بجائے سرکنڈے اور جھاڑیاں اُگ آتی ہیں۔ عربوں کی ابتر حالت کا باعث ان کی ناتجربہ کاری نہیں۔ بلکہ ان کا تلون ہے۔ میں مراکو میں ایسے عربوں کو جانتا ہوں جنہوں نے خوشنما باغ لگائے۔ جو صرف گرد و نواح ہی کی زینت کا موجب نہ تھے۔ بلکہ نہایت منفعت انگیز بھی نظر آتے تھے۔ میوہ دار درختوں کو پانی پہنچانے کے لئے دور کے چشموں سے پانی لایا گیا۔ اور ان تمام امور پر بہت سا روپیہ خرچ ہوا۔ لیکن چند ماہ کے بعد میں نے انہیں باغات میں بھیڑ بکریوں کو چرتے دیکھا۔ جو نارنگیوں اور دیگر میوہ دار درختوں کو خوب شوق سے کھا رہی تھیں اور باغ اجڑے پڑے تھے۔ لیکن یمن کی وادیوں میں یہ کیفیت دیکھنے میں نہیں آتی یہاں کھیتوں کو سہارا دینے والی دیواریں عمدہ مرمت کی حالت میں تھیں۔ اور آبپاشی کا ہر ایک مصنوعی حوض و نہر پانی سے لبالب تھی۔ یہ تمام نظارہ نہ صرف ان کے اعلیٰ درجہ کی خوگر محنت ہونے کی صفت کو ظاہر کرتا تھا۔ بلکہ اس امر پر بھی روشنی ڈالتا تھا کہ وہ اپنی محنت کے نتائج کو معقول مرمت و خبرگیری سے محفوظ رکھتے ہیں۔

فن باغبانی کے متعلق عربوں کے استقلال کی ایسی مثال قبل ازیں میری نگاہ سے نہ گذری تھی۔ چنانچہ اس کا مجھ پر نہایت اثر ہوا۔ کوہ اٹلس پر پانچ سو میل کے فاصلہ پر اندرون مراکو میں نے تھوڑے سے رقبہ پر اسی قسم کی زرعی محنت و مشقت کا نمونہ دیکھا تھا۔ مگر اس کے بانی بربری قوم کے لوگ تھے۔ جو عربی قوم

سے آمیزش نہیں رکھتے قبیلہ گالا کے علاقہ میں بھی زراعت کی یہی کیفیت پائی جاتی ہے۔ گو سمالی اہل یمن سے کچھ تعلق رکھتے ہوں۔ لیکن گالا قوم عربوں سے بالکل جدا و متمیز ہے۔ ممکن ہے کہ یہ دلیل پیش کی جائے۔ یہاں ملک کی حالت ہی اس قسم کی ہے۔ کہ اگر نیچے سے سہارا دیکر کھیت نہ بنائے جائیں۔ تو لوگوں کو کھانے کے لئے غلہ تک دستیاب نہ ہو۔ اور وہ بھوک سے مرنے لگیں۔ لیکن مینے دیگر ممالک میں بھی ایسے ہی قطعات و آبادیاں دیکھی ہیں۔ جہاں اس قسم کا زرعی سامان فراہم کرنے کی طرف توجہ نہیں کیگئی۔ میں اس زرعی جد و جہد و پیداوار قہوہ کے لئے محنت شاقہ کو ان کے اصلی یمنی خون سے منسوب کرتا ہوں۔ جو عرب کی آمیزش سے مبرا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس طرح گھر بنا کر رہنے کا طریقہ انہون نے عرب حملہ آوروں سے اخذ نہیں کیا۔ بلکہ وہ قبل از اسلام یعنے قدیم سے اسطرح رہنے کے عادی تھے۔ جس کا ثبوت تاریخوں سے ملسکتا ہے۔ غالبًا اسی قدرتی دولت خوبصورتی و زرخیزی کی وجہ سے اس صوبہ نے عرب فلیکس کا خطاب حاصل کیا۔

بیت سعید کا گاؤں ان تمام دیہات سے جہاں جہاں ہمیں گذرنے کا اتفاق ہوا۔ زیادہ آباد تھا۔ ایک کھلا میدان خوبصورت چھوٹی سفید مسجد کو جو نصف سے زیادہ درختوں سے ڈھنپی ہوئی تھی۔ گاؤں سے جدا کر رہا تھا۔ پتھر کے مکانات خوشنما تھے۔ ان میں ایک دو منزلہ مکان خصوصیت سے قابل تعریف تھا۔ جس کا دروازہ محراب نما اور چوبی کواڑ وزنی تھے۔ یہ شیخ لبیسی (کتابہ والے) کے چچازاد بھائی کی مملوکہ کاروانسرائے تھی۔ مالک سرائے ہمارے اکثر آدمیوں کو جانتا تھا اسنے مکان کے بالائی حصے میں ہمیں آتارا۔ اوپر جانے کی سیڑھیاں باہر کی طرف تھیں۔ کمرہ مختصر لیکن ٹھنڈا تھا۔ ہمنے بہت جلد اپنا اسباب اُتار کر ایک جگہ ڈھیر کر دیا۔ اور لیٹ گئے۔ کیونکہ ہمیں آرام کرنیکی بڑی ضرورت تھی۔

ایک جماعت ہماری حس و حرکت کی نگران تھی۔ مرد۔ عورتوں۔ بچوں اور کتوں کا ایک بڑا گروہ آنکھیں پھاڑے قافلہ کو کاروان سرائے میں اترتے ہوئے دیکھ

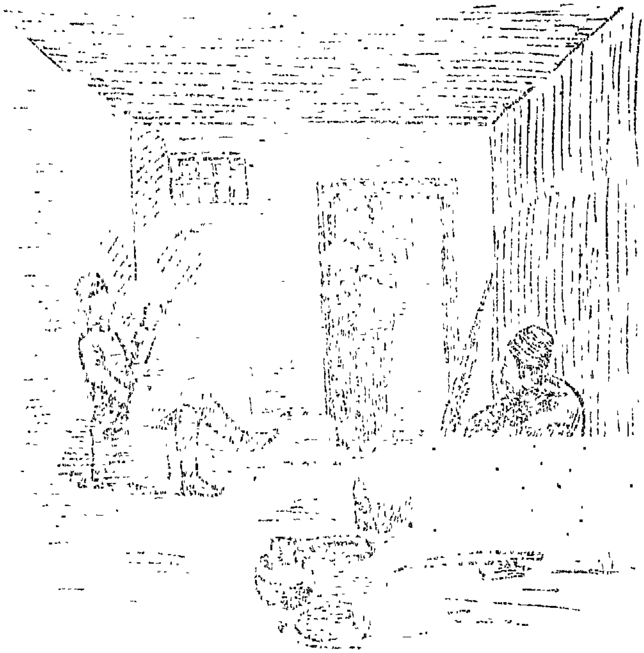

تصویر [illegible]

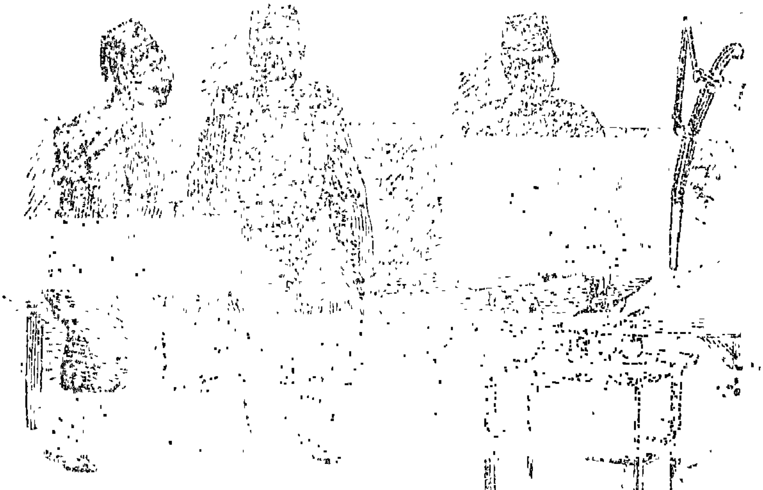

تصویر [illegible] افسر

رہا تھا۔ اور اپنی نکتہ چینیوں کو ایک دوسرے پر ظاہر کر رہے تھے۔ تاہم وہ سب کے سب نہایت خلیق تھے۔ البیسی کے بھائی کی موجودگی انہیں کچھ فاصلہ پر استادہ ہونے کے لئے مجبور کرتی تھی۔ کیونکہ یہ اپنے چچا زاد بھائی (ساکن کتابہ) کی طرح کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔

ہمنے بیت سعید کے لوگوں کو نہایت خوش مزاج پایا۔ ہر طرف سے مزاج پرسی کرنیوالوں کا کمرے کے باہر ہجوم ہوگیا۔ جو عجیب مسافر کو بہ نگاہ شوق سے دیکھ رہے تھے۔ آرام نہایت ضروری تھا۔ ہمارا نہ صرف یہاں ایک روز ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔ بلکہ ہم رات بھی وہیں رہنا چاہتے تھے۔ تاکہ کئی راتوں کے بعد اچھی طرح سونیکا موقعہ ملجائے۔ لیکن قسمت ہمارے خلاف تھی۔ میں مہمان خانہ کے شور وغل سے بچنے کے لئے ۸ بجے شب کے ذخیرہ خانہ میں داخل ہوا۔ جہاں چوہوں کے سوا مجھے تکلیف دینے والا کوئی نہ تھا۔ تاہم میں اسقدر تھکا ہوا تھا۔ کہ جلد سوگیا۔

ابھی ایک دو گھنٹے ہی سویا ہونگا۔ ایسا معلوم ہوا کہ کوئی شخص مجھے باہستگی جگا رہا ہے۔ مینے پوچھا "کون ہے؟" ایک آواز نے آہستہ میرے کان میں کہا۔ "خاموش! مت بولو۔" مینے فوراً دیا سلائی جلائی۔ دیکھا کہ لمبے بالوں والا ایک وحشی مجھ پر جھکا ہوا ہے۔ اور دیا سلائی کو بجھانا چاہتا ہے۔ تاہم میں اس قدر دیکھ سکا کہ وہ کوئی غیر آدمی ہے۔ اسنے پھر کہا۔ اٹھو۔ تمہاری جان معرض خطر میں ہے۔ ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالو۔ مت گھبراؤ۔ اپنا بسترہ اور دری مجکو دیدو۔ تاریکی میں مینے کپڑے پہنے۔ غیر معلوم شخص میری دری و دیگر سامان متعلقہ اٹھا کر چلا گیا۔ چند لمحوں کے بعد لوٹا۔ اور بولا کہ تمہارے خچر تیار ہو رہے ہیں۔ پھر مجھے ہاتھ سے پکڑ کر کہا کہ میرے پیچھے چلے آؤ۔ میں اس کے عقب میں چاند سے منور خاموش بازار میں آیا۔ اور مکانوں کے سایہ کے نیچے نیچے ہوتے ہوئے گاؤں سے نکلے یہاں مینے حیرت سے دیکھا۔ کہ میرے خچروں پر بوجھ لد چکا ہے۔ چپ وراست کوئی غیر شخص دکھائی نہ دیتا تھا۔ چاند کی روشنی میں ہم آگے روانہ ہوئے

ہماری سڑک دشوار گذار اور ڈھلوان تھی۔ بعض جگہ راستہ صرف دو فیٹ چوڑا تھا۔ نیچے کی طرف ہم دیکھ رہے تھے۔ کہ کہر تمام مرطوب وادی کو چھپائے ہوئے ہے۔

مجھے بالکل معلوم نہ تھا کہ ہم کیوں بھاگے جا رہے ہیں۔ تاہم اسمیں ذرا بھی شبہ نہ تھا۔ کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ میں اس اجنبی پر جس نے خطرے سے آگاہ کیا تھا۔ (نہ معلوم کیوں) اعتبار کرتا تھا۔ یہ ایک غیر شخص تھا۔ اور جہانتک میں خیال کر سکتا ہوں۔ جیسا کہ وہ آگے آگے ہمارے قافلہ کی رہبری کر رہا تھا میں اسے قبل ازیں کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس سے پہلے بھی ایک اجنبی نے اپنی جان کو خطرے میں ڈالکر میری جان بچائی تھی۔ اور نیز وہ بھی عرب ہی تھا۔ گو یہ واقعہ یمن سے بہت دور دراز ملک میں وقوع میں آیا تھا۔ مجھے یہ سابقہ فسانہ یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا ہی کافی ہے کہ میں اس اجنبی عرب کے گھر رات کو تھکا ماندہ ننگے پاؤں جبکہ تلوؤں سے پتھروں اور کانٹوں کے چبھنے سے خون جاری تھا پہنچا تھا۔ جسنے مجھے میرے خون کے پیاسے متعاقب دشمنوں کے پنجے سے بچایا تھا۔ حالانکہ وہ میری جان لینے کی قسم کھا چکے تھے۔ اور وہ شریف عرب مجھے اپنے گھر لیگیا۔ میرے خون آلود پاؤں دھوکر اپنے کپڑے پھاڑ کر زخموں کو باندھا۔ اور دو روز تک اپنے گھر میں چھپا رکھنے کے بعد مجھے علاقہ سے بخیر و عافیت باہر پہنچا گیا۔ میرا یہ بچانیوالا عرب چند ماہ کے بعد ایک خونریزی میں مارا گیا۔ اسی گذشتہ واقعہ کی یاد نے حال کے غیر معلوم دوست کی نسبت اسقدر اعتماد و اعتبار پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ آگے چلکر معلوم ہوگا کہ میں اس بارہ میں غلطی پر نہ تھا

بعض اوقات خچر کے پاؤں کی ٹھوکر سے پتھر کا کوئی ٹکڑا کھڑکھڑاتا اور چٹانوں پر لڑھکتا ہوا تاریکی میں غائب ہو جاتا تھا۔ ہر ایک ایسی کھڑکھڑاہٹ پر ہمارا رہنما راہ یا تو ناپسندیدگی کرتا تھا۔ ایک دو مرتبہ میں نے اس سے بھاگنے کی وجہ دریافت کی۔ لیکن بلا جواب میں "خاموش رہو" کے الفاظ سنتا رہا۔ آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہانتک

کر تین گھنٹوں کے سفر کے بعد ہمنے اُترنا شروع کیا۔ ریتیلے و پتھریلے نشیب سے پھسلتے ہوئے ہم سداہ کے بڑے گاؤں میں داخل ہوئے۔ جہاں کے لوگ اسوقت دنیا و مافیہا سے غافل سو رہے تھے۔ اس کے بعد سداہ کا گاؤں آیا۔ اسے بھی طے کر کے پھر میدان میں آنکلے۔ کچھ کتے بھونکے۔ ایک دو آدمی بھالوں سے مسلح ملاقی ہوئے۔ لیکن ہمارے آدمیوں سے کچھ بات چیت کر کے اپنی راہ چلے گئے۔ سداہ سے وادی مغرب کیطرف گھوم جاتی ہے۔ یہاں دریائے سقوبا دریائے بنا میں شامل ہوتا ہے۔ موخرالذکر دریا تقریباً شمالی و جنوبی سمت میں بہتا ہے۔

ایک گھنٹہ کے بعد وادی کو چھوڑ کر اور ایک ڈھلوان چٹان پر چڑھ کر ہمنے سطح مرتفع کو طے کیا۔ اور آخرکار سوق الثلوثہ نامی گاؤں میں پہونچ گئے۔ مجھے ہرگز بتایا نہیں گیا تھا۔ کہ ہم کدھر جا رہے ہیں۔ یا ہمارا رہنما ہمارا قیام کہاں محفوظ تصور کرتا ہے؟ سوق الثلوثہ کے قریب پہنچنے پر جب اسنے کہا کہ تم یہاں جبتک چاہو۔ قیام کر سکتے ہو۔ تو مجھے نہایت حیرت انگیز مسرت ہوئی۔ اس چھوٹے سے گاؤں کے بازار میں ہو کا عالم طاری تھا۔ ہاں کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آواز آتی تھی۔ ایک دروازے کو دیر تک کھٹکھٹانے اور زور سے آواز دینے کے بعد ایک عورت نے دروازہ کھولا۔ جو اس چھوٹے قہوہ خانہ و کاروانسرائے کی مالکہ تھی۔ فی الواقع یہ ایک شریف اور نیک دل عورت تھی۔ اور ایک بجے شب کے جگائے جانے پر چیں بہ جبیں نہ ہوئی۔ ہمیں ایک غار نما کمرے میں داخل کر کے جو تمباکو اور قہوہ کی بُو سے بس رہا تھا۔ اور عرب سونیوالوں کی بدبو سے جدا دماغ پھٹا جاتا تھا۔ اسنے آگ جلائی۔ اور قہوہ پکانا شروع کیا۔ اور پوستین پہنے سوئے ہوئے عربوں کو لاتوں سے جگانے لگی۔ تاکہ وہ زیادہ معزز مہمانوں کے لئے اس کمرے کو خالی کر دیں۔ مینے مالک سرائے کو انہیں جگانے سے روکا۔ محض اپنے آرام کے خیال سے کہ اس گڑبڑ میں مجھے اور کچھ عرصہ تک سونا نہ ملیگا۔ عبدالرحمٰن و سعید کو بلاکر مینے چھت پر بچھونا بچھوایا۔ اور فوراً سوگیا۔

جب میں جاگا تو صبح ہو چکی تھی۔ میری آنکھوں نے کیسا خوشنما نظارہ دیکھا؟ جو اس سے پہلے کبھی نگاہ سے نہ گذرا تھا۔ اور نہ آئندہ دیکھنے میں آیا۔ یہ سوق الثلوثہ بازار سہ شنبہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ دریائے بنّا اور ختوبہ کے جائے اتصال پر پہاڑ کی ایک چوٹی پر واقع ہے۔ ہمارے نیچے وہ بڑی وادی تھی جس پر ہم نے دو گذشتہ راتوں کو سفر کیا تھا۔ اس کے سرسبز کھیتوں پر صاف و شفاف کہر پھیلا ہوا تھا۔ اور دریا نقرۂ سانپ کی طرح لہراتا ہوا ریگستان و سمندر کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے کنارے کے درختوں کے پتے سیاہ نظر آتے تھے۔ اس نقرۂ خط کے دونوں طرف سیڑھی دار کھیت زینوں کی طرح سطح آب سے پہاڑ کی معقول بلندی تک پہنچے تھے۔ پہاڑ کے وسطی حصے میں گہرا جنگل تھا۔ اسکے آگے پھر ڈھلوان چٹان برف پوش چوٹی تک پہنچتا تھا۔ میرے پاؤں کے نیچے (کیونکہ میں کوٹھے پر تھا) گاؤں کے لوگ صبح کے تازگی بخش وقت میں خوش خوش کام کے لئے جا رہے تھے۔ اور بھیڑ بکریاں چراگاہ میں ممیا رہی تھیں۔ عورتیں گھڑے اٹھائے ہوئے پانی بھرنے کے لئے چشموں پر جا رہی تھیں۔ مرد بھالے ہاتھوں میں لئے شانوں پر بال بکھرے اس خوبصورت سبزی میں کسقدر وحشت پیدا کر رہے تھے۔ اس وقت جیسا نظارہ پیش نظر تھا۔ وہ ان تمام خطرات کا معاوضہ تھا۔ جو ہم نے شب ہائے گذشتہ میں اٹھائے تھے۔ کہرہ کے دور ہو جانے پر وادی کے تمام خط و خال صفائی سے نظر آئے۔ اور چوٹیوں پر بکثرت دیہات دکھائی دینے لگے۔

ہمارے تمام خطرات کا خاتمہ ہو گیا۔ یہاں سے ہمارا راستہ محفوظ تھا۔ ہم عنقریب وسط یمن کے سطح مرتفع اعظم میں داخل ہونے والے تھے۔ جب میں نے پھر وادی کی طرف نگاہ کی تو سورج نکل آنے سے اس کا جوبن اور بھی دوچند ہو گیا تھا اور میں اس خوف و ہراس کا بخوبی موازنہ نہ کر سکا۔ جبکہ شب ہائے گذشتہ کو ہم نے اس وادی کو عبور کیا تھا۔

میں نے سعید کو بلا کر کہا تھا کہ اس آدمی کو بھیجو۔ جو شب گذشتہ ہمیں یہاں لایا تھا

اسنے جواب دیا کہ وہ تو چلا گیا۔ نہ تو انعام اور نہ ادائے شکریہ کا اسنے انتظار کیا اور مجھے سوتا چھوڑ کر اپنی جان کے خوف سے پھر واپس چلا گیا۔ جسطرح کسی تماشہ میں اُلٹ دکھایا جاتا ہے۔ اسیطرح مجھے رات کے اس واقعہ پر اشتباہ ہوا میرے آدمی نے اسے ٹھہرانے کی کوشش کی۔ بلکہ انعام کی بھی توقع دلائی۔ لیکن وہ ہنسا۔ سر کے بالوں کو درست کر کے بھالا سنبھال کر اور تہ بند باندھ کر چلا گیا۔ نیک اجنبی آدمی اسنے میری جان بچائی۔ لیکن مجھے شکریہ ادا کرنے تک کا بھی موقعہ نہ دیا۔

ہمارا ایک آدمی گذشتہ شب بیت سعید میں رہ گیا تھا۔ جو شام کو اپنے ایک دوست کے ہاں کھانا کھانے چلا گیا تھا۔ جہاں یہ ہمارے فرار سے بیخبر سو رہا علی الصبا اسنے دیکھا کہ ہم وہاں سے چلے گئے ہیں پس اس کے بجائے کوہی رستے کے جس پر کہ سفر کر کے ہم پہونچے تھے۔ سیدھی سڑک اختیار کی۔

اسنے ہمارے فرار کا راز حل کر لیا۔ بیت سعید سے چند میل کے فاصلہ پر اس نے چالیس آدمیوں کو سڑک روکے ہوئے پایا۔ جو دانتوں تک مسلح تھے۔ اور جنکی غرض یہ تھی کہ ہمیں لوٹیں۔ لیکن میرے لوٹنے سے انہیں کیا ملجاتا۔ چند ڈالر موٹے جھوٹے کپڑے ایک پرانی دری اور چٹائی بس یہ کل کائنات میرے ہمراہ تھی۔ لیکن انہوں نے مجھے تاجر سمجھکر خیال کیا کہ میرے پاس بہت سا روپیہ ہے۔ اور میرے مارڈالنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ جان کی وہاں کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ میںنے اس آدمی سے پوچھا کہ انہوں نے تجھسے کیا کہا۔ اسنے جواب دیا کہ وہ تمہاری نسبت دریافت کرتے تھے۔ اور یہ معلوم کر کے کہ تم مطلع ہو کر بھاگ گئے۔ اس ندامت و ناکامی کو ہنسی میں اڑانیکی کوشش کی۔

استراحت نے پھر تازہ دم کر دیا تھا۔ ہم ہلکے دلوں سے آگے روانہ ہوئے کیونکہ یقین تھا کہ آگے کوئی خطرہ نہیں۔

ہمارا راستہ بلند۔ ڈھالو و تنگ تھا یہاں میںنے پہلی مرتبہ قہوہ کا درخت دیکھا۔ یہ درخت آبشاروں میں اُگے ہوئے تھے۔ ہر جگہ پانی موجود تھا۔ کہیں قدرتی نہروں

اور کہیں اصلی ندیوں کے ذریعہ سے پانی پہنچتا تھا۔ جنگلی پھول بکثرت تھے۔ اور چنبیلی و یاسمن کے پھولوں کی افراط سے چٹان سفید ہو رہے تھے۔ ہم سے ایک ہزار فیٹ نیچے دیہات تھے۔ جنکے مکانات کی چھتیں ہمیں اوپر سے دکھائی دیتی تھیں اور یہ فاصلہ گویا ایک قدم ہوتا تھا۔ ایک مقام دکھا کر میرے آدمیوں نے کہا کہ تھوڑا عرصہ گذرا یہاں ایک اونٹ بمعہ بوجھ کے گر گیا تھا۔ یہ ڈھلوان چٹان کو مس کرنیکے بغیر اس نکلے ہوئے چھجے پہ گرا۔ اور وہاں سے وادی میں جا پڑا۔

یمن کا یہ حصہ انتہا درجہ کا زرخیز ہے کیونکہ ہمیشہ پانی بافراط موجود رہتا ہے جس کے بارہ میں میدانی علاقہ کے لوگ بہت سے قصص بیان کرتے ہیں۔ وہ اسے بلد المواد کہتے ہیں۔ ہور یہاں کا خاص گاؤں ہے۔ جو کسی جاگیردار کے قلعہ کی طرح چٹان پر واقع ہے۔

کچھ سفر کے بعد سڑک داہنی طرف مڑتی ہے۔ اور ایک چھوٹی نہر کے ساتھ ساتھ بلند وادی کا رخ کرتی ہے۔ وادی مذکور کے جانب چپ ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر اوفار نامی گاؤں ہے۔ جہاں پہنچنے کے لئے سڑک سے ایک ہزار فیٹ کی بلندی پر چڑھنا پڑتا ہے۔ متعدد مقامات سے ہم پانی پینے کے تالابوں سے گذرے۔ اس قسم کے تالاب انسان و حیوان کو تازگی بخشنے کے لئے بعد کے سفر میں سطح مرتفع میں جا بجا نظر آتے۔ یہ تالاب گو سادہ ہیں۔ لیکن نہایت عمدگی سے بنائے گئے ہیں۔ انکی صورت مربع ہے۔ اور گنبد نما سقف رکھتے ہیں۔ ہر ضلع چھ فیٹ کا ہے۔ حیوانوں کے پانی پینے کے لئے باہر چوبچہ بنا ہوا ہے۔ جسمیں تالاب کے ایک پائپ دار سوراخ کے ذریعے سے پانی گرتا رہتا ہے۔ اور اسی پائپ سے انسان پانی پیتے ہیں۔ چونکہ حوض اوپر سے مسقف بنا ہوا ہے۔ اسلئے پانی ٹھنڈا و تازہ رہتا ہے۔ اس قسم کے چشمے و تالاب یمن میں بکثرت ہیں۔ جو ہمدردان نوع انسان نے اپنے ہم جنسوں کے آرام کے لئے تعمیر کروائے ہیں۔ برخلاف انگلستان کوئی شاندار کتبہ ان کے بانی یا بانیوں کے نام نہیں بتاتا۔ یہیں پہلے مرتبہ پہاڑی اونٹ

نگاہوں سے گذرے۔ جو تھامر کے ریگستان کے اونٹوں سے مختلف ہیں۔ یہ بدصورت ہوتے ہیں۔ بال سخت۔ ہڈیاں بھاری۔ رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ بخلاف اسکے لاہج اور اسکے گرد و نواح کے اونٹ جو عرب میں مشہور ہیں۔ موزوں اعضاء اور ہلکا رنگ رکھتے ہیں۔ اور اکثر دیکھنے میں نہایت خوبصورت ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کا خیال ہے کہ اونٹ صرف ریگستانوں ہی میں کام آسکتے ہیں۔ وہ شاید یہ سنکر متعجب ہونگے۔ کہ ہم اُن اونٹوں کے ساتھ آٹھ آٹھ ہزار فیٹ کی بلندی پر سفر کرتے رہے ہیں۔ گو وسط ایشیا کے اونٹ پہاڑی علاقہ میں سفر کرسکتے ہیں۔ لیکن شاید اس امر سے بہت سے لوگ ناواقف ہونگے۔ کہ چین کے انتہا درجہ کے بلند مقامات میں اس سے باربرداری کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ جہاں ایسی دشوارگذار سڑکوں پر ہمیں چلنا پڑتا ہے۔ کہ خچروں کے پاؤں بھی وہاں نہیں جم سکتے۔

آخرکار ہم اس چھوٹی وادی کے انجام پر پہونچ گئے۔ جو سطح سمندر سے کئی ہزار فیٹ بلند تھا۔ چڑھائی کا آخری چند صد گز کا حصہ نہایت ڈھلوان اور پھسلانیوالا ہے۔ اس پر چڑھنا انسان و حیوان دونوں کے لئے نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ صدیوں کی تجارتی وغیرہ آمد و رفت نے ان پتھروں کی سطح کو نہایت چکنا کر دیا ہے جو دور سے آئینہ کی مانند چمکتے ہیں۔

یہاں خوبصورت منظر کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسکے آگے وسط چین کی سطح مرتفع شروع ہوتی ہے۔ جو تقریباً آٹھ ہزار فیٹ سطح سمندر سے بلند ہے۔ سطح مذکور ایک وسیع میدان ہے۔ جو سمندر سے تقریباً آٹھ فیٹ اونچا ہے۔ جس میں بڑے بڑے سیاہ آتش فشاں پہاڑوں کے آگے کیطرف بڑھتے ہوئے جھنڈ ادھر ادھر سر نکالے ہوئے ہیں۔ چونکہ ہنوز مزروعہ اراضیات میں بوئے ہوئے اجناس نے نشوونما حاصل نہ کیا تھا۔ اس لئے تمام نظارہ سنسان و وحشت انگیز تھا۔ میلوں تک زرد اراضی اور سیاہ دندانہ دار چٹان دکھائی دیتے تھے۔ ایک مختصر لیکن ڈھلوان اترائی کے بعد اس سطح مرتفع میں پہونچ جاتے ہیں۔ جہاں سے خفیف اترائی کے

ساتھ سڑک دارالحکومت صنعا کو جاتی ہے۔

باشندوں نے ان باہر نکلے ہوئے چٹانوں پر گاؤں بسائے ہیں جنہیں سے بعض چوٹی پر اور بعض نشیب میں آباد ہیں۔ دیہات مذکور میں سے ایک منکات نامی ہیں۔ خاندان ہمیار کی بعض یادگاروں کے دیکھنے کے لئے ہم تھوڑی دیر ٹھہرے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ بلا موقعہ ہے کہ مینے ہمیار کی نسل کا ذکر کیا ہے۔ جو زمانہ سابق میں فرمانروائے یمن تھی۔ ان کا حال یہاں بیان کرنے کی بجائے اسے جداگانہ باب کے لئے مخصوص کردیا ہے جیطرح کہ یمن کے جغرافیہ۔ تاریخ۔ تجارت اور عام حالات کے لئے علیحدہ علیحدہ باب تجویز کئے گئے ہیں۔ میری خواہش تھی کہ جہانتک ممکن ہو۔ میرے سفر کے حالات دیگر ضروری مسائل حالات واقعات سے جدا رہیں۔ اور ان مسائل پہ جداگانہ ابواب میں بحث کیجائے۔ تاکہ سفرنامہ کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔ جغرافیہ و تاریخ کے بارہ میں حتی الامکان صحیح حالات بہم پہونچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ صرف نہایت اشد ضرورت کے موقعہ پہ سفرنامہ میں کہیں کہیں انکی نسبت مجملاً اشارہ ہوا ہے۔

منکات کا گاؤں چار دیواری کے اندر واقع ہے۔ اور اچھا خاصہ آباد ہے۔ ایک مکان قلعہ نما ہے۔ اور سفید مسجد کے گرد عمدہ پانی کے تالاب ہیں۔ مسجد کی دیواروں کے بعض پتھروں پر خط ہمیاری و کوفی میں کتبے کندہ ہیں۔ چند سال ہوئے اوّل الذکر حروف کے کتبوں کے نقول ڈاکٹر گلاسر نے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں۔ گاؤں کے دوسرے حصے میں سنگ مرمر آٹھ دس فیٹ بلند سفید ستون ہے۔ یہ خاندان ہمیار کے زمانہ کا ہے۔ لیکن اہل دہ اسکا دفعتہً نمودار ہونا بیان کرتے ہیں۔ اس حصہ ملک کے لوگوں کی جہالت حیرت انگیز ہے۔ بہت سے کتبہ کے پتھر جو انہوں نے مجھے دکھلائے۔ ان میں سے بعض عربی اور بعض خط ہمیاری میں تھے۔ لیکن باشندوں کو مطلق معلوم نہ تھا کہ عربی خط کونسا ہے؟ اور دوسرا کونسا؟ وہ ان کتبوں کا ایک خاص حد تک ادب کرتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے یہ بکمال احتیاط دیوار میں نصب کئے گئے تھے

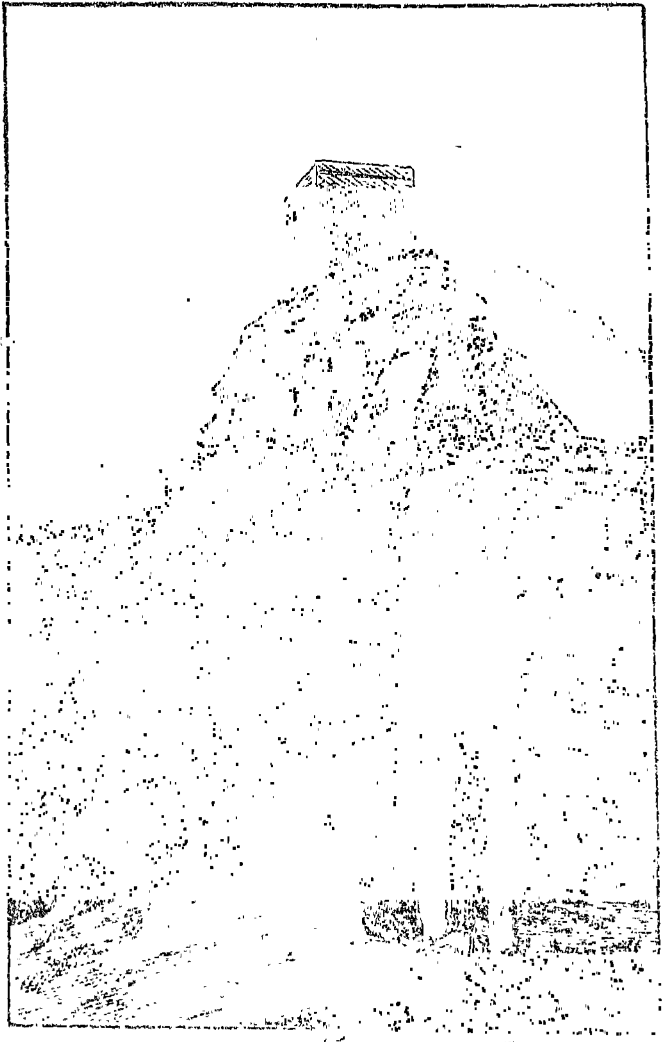

[illegible]

دروازہ کے اوپر بلند جگہ پر سنگ مرمر کا ایک پتھر رکھا تھا۔ جس پر قرآن شریف کی پہلی آیت ثبت تھی۔ لیکن بوجہ ناواقفیت یہ پتھر اُلٹا رکھا ہوا تھا۔ یعنے بسم اللہ الرحمن الرحیم نیچے کی طرف تھی۔ جب میں نے انکی غلطی بتائی۔ تو ان کی معذرت کا سننا نہایت رنج دہ تھا۔ مثلاً ہم غریب آدمی ہیں۔ ہم پر بھاری بھاری ٹیکس لگائے گئے ہیں۔ اپنے آپ اور نیز ترکی پاشاؤں کی پرورش کے لئے ہم کاشتکاری کرتے ہیں۔ ہمیں پڑھنا لکھنا سیکھنے کے لئے مطلق وقت نہیں ملتا۔ ملک کے بہت سے حصوں میں پاشاؤں کو اسقدر نذر بھینٹ دینی پڑتی ہے۔ کہ ان کے پاس خود اپنے کھانے کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ یہ ترکی حکام کے استحصال بالجبر، اخذ زر اور رشوت ستانی کا قدیمی دکھڑا ہے۔

مگر ان غریب دیہاتوں کا سنگی کتبوں کا عزت و ادب کی نگاہ سے دیکھنا غیر معمولی بات نہیں۔ بلکہ اہل عرب ہر قسم کے لکھے ہوئے کاغذ کا ادب کرتے ہیں میرے پاس ایک مرتبہ ایک عرب نوکر تھا۔ جو باوجود جاہل مطلق ہونے کے ایک پھٹی ہوئی الف لیلہ اپنے ہمراہ رکھتا تھا۔ گو اسکے مضامین سے وہ بالکل بیخبر تھا تاہم اسکے لئے صرف اتنا ہی جاننا کافی تھا کہ یہ ایک کتاب ہے۔ بطور تعلیم کے اس کتاب کو اپنے ساتھ لئے پھرتا تھا۔ لیکن یہ طلسم اسے قید خانہ میں جانے سے محفوظ نہ رکھ سکا۔ جہاں کہ اسے ایک سرقہ کی علت میں داخل ہونا پڑا تھا۔

سطح مرتفع یمن میں چھپکلی کا نظارہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ یہ چھوٹی سی چھپکلی نہایت شاندار فلزی نیلا رنگ رکھتی ہے۔ کبھی تو یہ پیلا نظر آتا ہے۔ اور کبھی اس کی پشت دھوپ کی شعاعیں پڑنے سے صاف و شفاف نیلم کی مانند چمکتی ہے۔ دنیا کے کسی اور حصہ میں ایسی خوشنما و خوبصورت رنگ کی چھپکلی میری نگاہ سے نہیں گذری۔ اگرچہ اسی قسم کی چھپکلیاں جنوبی کوہستان [illegible] میں دیکھی تھیں لیکن وہ رنگ و چمک دمک میں ایسی دلفریب نہ تھیں۔

ایک دو گھنٹے اور چل کر راستہ طے کرکے ہم [illegible] کے سامنے جا پہنچے۔ جو [illegible] کے مشہور قصبوں میں [illegible] سے اس پر شست

کر لیا لیکن اسماعیل پاشا نے جسے ہمنے کتابہ میں خیمہ زن دیکھا تھا۔ باغیوں کو بریم سے نکال دیا۔

باب ششم

بریم سے دہمار تک کا سفر

بریم کے قریب میدانی راستہ ہے۔ جو ایک دو میل عریض ہے۔ اس کے سامنے بریم واقع ہے۔ قصبہ مذکور نصف میدان میں اور نصف کوہ سمارا کے نشیب میں بسا ہوا ہے۔ اس چپٹی سرزمین میں جا بجا تالاب ہیں۔ جہاں اہل قصبہ کپڑے دھونے آتے ہیں۔ مردوں عورتوں اور بچوں کے بہت سے خوشنما جھمگھٹے نظر آئے جو شست و شو میں مصروف تھے۔ مشرقی کپڑا دھونیکا طریقہ لوگوں کو معلوم ہے۔ جسکی زیادہ تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں۔ صرف اسقدر کہنا کافی ہے۔ کہ یہاں عام طور پر کپڑے پاؤں کے نیچے روند کر یا انہیں پتھروں سے کوٹ کر دھوئے جاتے ہیں۔ گویا یہ دیکھنے کی کوشش کیجاتی ہے کہ کپڑے کی کسقدر زیادہ دھجیاں بن سکتی ہیں۔ اور دھوبی کپڑوں کو پھاڑ کر چیتھڑوں کی صورت میں کھینچنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ لازمی طور پر نہایت طاقت کا کام ہے۔ چنانچہ کپڑے پتھر پر رکھکر دھونے والا اس پر پہلے ایک پاؤں سے پھر دوسرے پاؤں سے پوری طاقت سے چھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے دوران میں وہ منہ سے کبھی آہستہ آہستہ چیخیں مارتا رہتا ہے۔ جو نہ صرف اعصاب کے ازدیاد طاقت کا باعث ہوتا ہے۔ بلکہ پھیپھڑوں کو بھی طاقت بخشتا ہے۔

ہم ان کپڑا دھونیوالوں کی سیر دیکھنے کے واسطے ٹھہرنے کے بغیر گاؤں میں داخل ہو گئے۔ اگرچہ چند روز پیشتر سے میں کامیابی سے ترکی قلمرو میں سفر کر رہا تھا۔ تاہم یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں ایسے قصبہ میں وارد ہوا۔ جہاں ترکی سپاہ قلعہ میں موجود تھی

جونہیں ہم اس قصبہ کے قریب پہونچے - ترکی سپاہی نظر آنے لگے - لیکن بہت خستہ آشفتہ حال تھے - بعض دروازے کے پاس ٹہل رہے تھے - اور دیگر سپاہیوں سے جو فصیل دروازہ پر جھکے ہوئے تھے ہنس بول رہے تھے - دروازہ سے گذر کر جب کہ ہماری طرف کسی کی خاص طور پر توجہ مبذول نہ ہوئی - تنگ بازاروں سے ہوتے ہوئے ہم ایک کشادہ وسیع مقام پر پہونچے - جو منڈی کے طور پر کام آتا تھا - یہاں ایک [illegible] کاروان سرائے کے مشہم بالشان دروازے میں داخل ہوئے - چونکہ [illegible] (کاروان سرائے) یہاں کی طرز تحریر کا ایک نمونہ تھا - اسلئے اسکی طرز تعمیر [illegible] نمونہ تھا - اسلئے اسکی کسیقدر کیفیت کا تذکرہ غیر موزوں نہ سمجھا جائیگا - یہ عمارت پرانی تھی - نیچے کی منزل پتھروں کی اور بالائی منزل دھوپ میں خشک کی ہوئی اینٹوں کی تھی - محرابدار دروازہ سے اندر وسیع و مسقف مقام میں داخل ہوتے ہیں - جو دس سے پندرہ گز تک عریض اور شاید تیس گز طویل ہے - بڑے دروازے اور [illegible] کے اوپر کی ایک عجیب وضع کی کھڑکی کے سوا اور کہیں سے اسمیں روشنی [illegible] [illegible] اور آسمان کے مابین صرف ایک چھت حائل تھی [illegible] یہ ہم کی ایک کاروان سرائے کی بالائی منزل سقف مذکور محرابوں اور ستونوں [illegible] ایک طرف اینٹوں کے چولہے جن میں کوئلہ جلایا جاتا ہے مسلسل بنے ہوئے تھے - ہر ایک چولہا پست نشست کے مقامات سے جدا کیا گیا تھا - جہاں عرب بیٹھکر قہوہ پیتے ہیں - اس سے اگلا حصہ اصطبل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جہاں اونٹوں خچروں اور گدھوں کی معمولی تعداد موجود تھی - چولہوں کے سامنے [illegible] ... بالاخانے کو جاتی تھی - بالاخانہ پر سوداگر شیوخ اور معززین فروکش ہوتے تھے [illegible] کرکے بیٹھے ہوتے تھے - ہر ایک جماعت ایک کمرہ کرایہ پر لیکر قہوہ خوری و [illegible] مصروف ہوجاتی تھی - سرائے کے ملازموں سے قہوہ غذا اور چلموں کے لئے آگ منگواتے تھے - بالاخانہ کے گوشہ میں ایک کوٹھری تھی - جسے ہمنے اپنے استعمال کے لئے کرایہ پر لیلی - چونکہ کوٹھری مذکور بادچیانہ کے اوپر تعمیر کی گئی تھی - [illegible]

فرش کے درزوں سے برابر دھواں آرہا تھا۔ اسلئے کمرہ مذکور چنداں آرام دہ نہ تھا۔ چھت و دیواریں عرصہ دراز کے دھوئیں سے سیاہ ہورہی تھیں۔ تاہم نظارہ نہایت خوبصورت تھا۔ مینے اپنے چھوٹے کمرے کے دروازے میں بیٹھکر کاروانسرائے کا خاکہ اتارا۔

تاہم میں زیادہ دیر تک امن سے نہ رہا۔ چنانچہ ایک شوخ چشم نوجوان ترک نے کمرے میں داخل ہوکر نہایت درشتی سے میرے اسباب کی تلاشی لینی شروع کی۔ وہ غیر مہذبانہ رویہ کی وجہ سے کمرے سے اخراج کے قابل تھا۔ مینے خیال کیا کہ خواہ اسے کیسے ہی احکام کیوں نہ ملے ہوں۔ لیکن اسے اس درشتی سے پیش آنیکی ہدایت نہ ہوئی ہوگی کیونکہ ترک خواہ کیسا ہی ہو۔ اور اس میں کیسے ہی دیگر نقائص کیوں نہ پائے جائیں۔ جوہر اخلاق سے کبھی معرا نہیں ہوتا۔ دیگر کمزوریوں سے قطع نظر اسمیں خوش اخلاقی کی ویسی عمدہ صفت موجود ہوتی ہے۔ کہ وہ نہایت بھلا معلوم ہوتا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد میں کیماکم سے ملا۔ اور اس ترک کی شکایت کی۔ کہ میں
ا۔ اپنے اسباب کی تلاشی دینے پہ آمادہ ہوں۔ بشرطیکہ تہذیب و شائستگی کو نظر
ا از نہ کیا جائے۔ کیماکم نے اس ترک کو بلاکر خوب ڈانٹا۔ جسنے معافی مانگی۔ اور درخواست
ی۔ کہ میں کیماکم سے اسکا قصور معاف کرادوں۔ اسکی درخواست مینے بلا تامل منظور
ی۔ مینے اپنے مہربان (کیماکم) کو ترکوں کا شریف اور شفیق پایا۔ اسنے خواہش ظاہر کی
میں ایک گھنٹہ اسکے اور دیگر ترک افسروں کی صحبت میں گذاروں۔ مینے اسے پروانہ
اہداری دکھلایا۔ کیونکہ یہاں آپکو یونانی تاجر بتانیکی ضرورت نہ تھی۔ وہ پروانہ راہداری
لیے بہت سے سٹیمپوں اور مواہیر کو دیکھکر متعجب ہوا۔ انگریزی پروانہ راہداری کی
ود نمائش اور الفاظ و مضامین کی برجستگی کسقدر کارآمد ثابت ہوئی؟ یہ آگے چلکر
علوم ہوگا۔ لیکن منجملہ اسباب پر سب سے زیادہ متعجب تھے کہ قبیلہ عور کے علاقہ
سے کسطرح صحیح و سلامت گذر کر یہاں پہنچگیا؟ حالانکہ مہینوں سے وہ راستہ بند تھا
راس امر پر بہت ہنسا کہ ایک انگریز اس راستہ کے از سر نو کھولنے کا باعث ہوا۔ اسنے

کہا کہ یریم تمام مقامات میں سب سے زیادہ افسردگی خیز مقام ہے۔ اور یہ کہ وہ اپنے وطن واقعہ ایشیائے کوچک کی چہل پہل و رونق کو حسرت سے یاد کرتا ہے۔

نصف گھنٹے کے بعد یہ خان میں ملاقات بازدید کے لئے آیا۔ دو افسر اسکے ہمراہ تھے۔ چونکہ دھوئیں کی وجہ سے کمرے میں کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اسلئے وہ زیادہ دیر تک میرے پاس نہ ٹھہر سکا۔ اور میں جلد تنہا رہ گیا۔

میں ٹھنڈے وقت سعید کے ساتھ جو اس قصبے کی گلی کوچوں سے بخوبی واقف تھا سیر کو نکلا۔ گو ترکی ٹوپی پہنے تھا۔ تاہم میری نسبت شہر میں ہر قسم کی افواہیں اڑ رہی تھیں۔ لوگوں کا بڑا مجمع میرے گرد جمع رہتا تھا۔ اگرچہ ان غلیظ مجامع سے مجھے تکلیف ہوئی۔ تاہم یہ خلیق تھے۔ بہرکیف تھوڑی ہی دیر کے بعد اپنے سرائے میں واپس جانا مناسب سمجھا۔

بظاہر یریم قدامت کے آثار سے معرا ہے۔ اگرچہ زمانہ سابق میں یہیں یا اسکے مضافات میں دہلوادوان کا شہر آباد تھا۔ اس ضلع کا پرانا دارالحکومت ظفر ہے جسکے کھنڈر اب بھی چند میل کے فاصلہ پر بسمت جنوب مشرق ایک [illegible] پہاڑ پر نظر آتے ہیں۔

یریم میں قابل دید چیزیں بہت کم ہیں۔ یہ قصبہ نہایت [illegible] ہے اگرچہ اسکا کچھ حصہ نشیب کوہ میں بسا ہوا ہے۔ جہاں تعمیر مکان [illegible] ہیں۔ لیکن اسپر بھی تقریباً تمام مکانات دھوپ میں خشک کی ہوئی اینٹوں سے بنے ہیں۔ کوڑا کرکٹ و غلاظت ہر طرف بافراط ہے۔ تنگ بازاروں سے وسعت تجارت کے علامات مفقود ہیں۔ یریم صرف اتنی بات کے لئے وقیع ہے کہ صنعا کی سڑک اعظم پر واقع ہے۔ اور یہ کہ یہاں کے قلعہ میں ترکی سپاہ رہتی ہے۔ [illegible] کی طرح یہ قلعہ بھی ۱۸۹۱ء میں عربوں کے قبضے میں آگیا تھا۔ جنھیں اسماعیل پاشا نے پھر واپس لیلیا۔ عربوں نے اپنے فتوحات کے دوران میں ترکوں پر کسی قسم کا [illegible] روا نہیں رکھا۔ سوائے [illegible] کم کے جسے قید کرکے صنعا میں امام کے پاس [illegible]۔ جہاں

وہ ابتک موجود تھا۔ دیگر ترکوں سے نہایت شائستگی سے پیش آئے جنمیں سے اکثر عربوں کے ساتھ شامل ہوکر ترکوں سے لڑتے۔

شام کو بہت سے لوگ مجھے ملنے آئے۔ میرے دیکھنے کے سوا انہیں اور کوئی کام نہ تھا۔ ان میں بہت سے "اشراف" (از خاندان احمدالدین سرگردہ باغیان) بھی تھے۔ جو اپنے چچازاد بھائی احمدالدین کی سرکشی کو بے اثر دیکھکر جنگ سے الگ تھلگ رہے۔ یہ بہت خوش مزاج تھے۔ خصوصاً ان میں سے ایک نوجوان نہایت خوبصورت تھا۔ امرائے یمن کی طرح یہ سب کے سب [illegible] ایک دو قیمتی ریشمی لباس پہنے تھے۔ اور اعلیٰ درجہ کے [illegible] کا کام ہو رہا تھا۔ بہت دیر کے بعد میں آخری مہمان سے فارغ [illegible] سے چند گھنٹے پیشتر آرام کرنے کے قابل ہوسکا۔

علی الصباح ہم روانہ ہوگئے۔ حکام نے دو عرب سپاہی بنا بر حفاظت ساتھ کر دیئے لیکن جنگ کی صورت میں یہ بہت کم کارآمد ہوسکتے تھے کیونکہ بعض دیہاتوں [illegible] حرکت کی نگرانی کے واسطے [illegible] تھے ترکوں [illegible] ایشیا کی نسل سے سمجھے جاتے ہیں۔ یا قوم حضرموت کے عرب ہیں۔ جو اس وقت تک [illegible] رہے۔ اور [illegible] ہو [illegible] لڑنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

شہر کے شمالی دروازے سے ہم روانہ ہوئے۔ اس کے متصل پتھر کی ایک نہایت خوبصورت مسجد ہے جس کا گنبد سفید ہے [illegible] سے قاصر رہا۔

دروازے سے نکلکر سڑک کچھ دیر تک سیدھی ملی۔ جس پر چند عرب بھالے تانے ہوئے ادھر ادھر پاپوؤں کو دوڑا رہے تھے۔ وہ قبائلی [illegible] سروں کے لمبے بال پیچھے ہلتے ہوئے عجیب لطف دکھا رہے تھے۔ [illegible]

میں پھالوں کے پھلوں کی چمک دمک آنکھوں میں خیرگی پیدا کر رہی تھی۔

میدان کی ہموار سطح جس پر ہم سفر کر رہے تھے۔ اور اس کے گرد و نواح کے منظر سے ہرگز یہ خیال پیدا نہ ہوتا تھا۔ کہ ہم آٹھ ہزار فیٹ سے زیادہ بلندی پر سفر کر رہے ہیں۔

لیکن ایک مقام پر بلندی سطح کا لازمی طور پر قائل ہونا پڑتا ہے۔ جہاں سے سڑک ایک تنگ و عمیق وادی کے کنارے سے گذرتی ہے۔ جسمیں دریائے "کہا" بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ اوپر سے اس وادی کا سین نہایت دلکش ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سطح مرتفع کا ایک ٹکڑا کاٹ لیا گیا ہے۔ ہم اس سطح کے کنارے سے گذرے جہاں سے نیچے کی تمام کیفیت بخوبی دکھائی دیتی تھی۔ ہزاروں فیٹ نیچے قہوہ کے درخت تھے۔ اِدھر اُدھر شکستہ چٹانوں پر گاؤں آباد تھے۔ دریا بھی میلوں تک خط نقرہ کی طرح بہ رہا تھا۔ اور اس سے آگے کہرہ کی دھند میں نگاہوں سے غائب ہو جاتا تھا۔ دور فاصلہ پر پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آتی تھیں۔ جنکو ہم اور خچربان نہایت حیرت و دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ دریائے کہا (دبا خا) یمن کے دیگر دریاؤں کے خلاف سمندر تک جا پہونچتا ہے۔ دریائے زبید میں شامل ہو کر اسی نام کے شہر اور مقام سے گذر کر بمقام راس زبید (مقابل جزیرہ جبل مذکور) بحر احمر میں داخل ہوتا ہے۔ جسطرح جلد ہم اس غار نما قطعہ کوہ پر پہنچے تھے۔ اسطرح جلد یہ نگاہوں سے غائب ہی ہو گیا۔ اور اس پاس پھر وہی غبار آلودہ چٹانی میدان نظر آنے لگے۔

اس مقام کے متصل ایک چٹان پر نشان ہے۔ جو حضرت علیؓ یا انکے گھوڑے کے پاؤں کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اسقدر بڑا ہے کہ دونوں میں سے ایک کا بھی نہیں معلوم ہوتا۔

دیگشوب کے گاؤں کے نیچے ہم تازہ دم ہونے اور ناشتہ کرنے ٹھہر گئے۔ سڑک کے کنارے چند چھوٹے سنگی جھونپڑے ہیں۔ جسکے ساتھ ہی کسی ہمدرد نوع انسان نے چند چھوٹے چھوٹے تالاب بھی بنوا دئیے ہیں۔ جنہیں کہ یہی چشمے سے ٹھنڈا و خوشگوار

پانی آتا ہے۔ ایک تالاب میں بہت سی مچھلیاں ہیں۔ چونکہ پانی اسمیں بہت کم ہے اور تالاب بھی چھوٹا سا ہے۔ اگر رہگذران مچھلیوں کو روٹی وغیرہ ڈالتے نہ رہتے تو کبھی زندہ نہ رہتیں۔ مراکو میں مچھلیاں مقدس نہیں سمجھی جاتیں۔ یہودی انکو پکڑ کر کھاتے ہیں۔ اگرچہ عرب کہتے ہیں کہ وہ انہیں کبھی نہیں چھوتے۔

ایک بوڑھی۔ غلیظ اور چیتھڑے لٹکائے ہوئے عورت نے ہمارے لئے قہوہ بنایا۔ باوجود اس غلاظت وکثافت کے وہ نہایت متمول سمجھی جاتی ہے۔ اور اسکی دوکان اس سڑک پر مشہور ہے۔ کچھ اہل کاروان جو وہاں آرام کر رہے تھے اس بڑھیا سے ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ ایک نے اسکے تمول کی کیفیت سنکر کہا کہ اگر وہ منظور کرے۔ تو میں مسلمان ہو کر اس سے عقد کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر زور سے قہقہہ پڑا۔ اور وہ غلاظت کی پڑیا بھی خوب ہنسی۔

ویگشوب اور شہر پناہ کے درمیانی سڑک پر خاندان ہمیار کے تالابوں کے تین سلسلے ہیں۔ جو چند کے استثنے سے سب کے سب ٹھوس چٹانوں میں کاٹ کر بنائے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ کسیقدر عدن کے تالابوں سے مشابہت رکھتے ہیں لیکن انہیں ویسے قدرتی فوائد حاصل نہیں۔ عدن میں تو کوہ آتش فشاں کا دہانہ اپنا پانی اور باران اور نہروں کے ذریعہ سے ان تالابوں میں جو چٹانوں اور ڈھلوانوں میں نیچے اوپر بنے ہیں۔ لا ڈالتا ہے بخلاف اسکے ویگشوب اور دھار کے مابین تالاب ہموار میدان میں واقع ہیں۔ اور کھود کر بنائے گئے ہیں۔ یہ اپنے ذخیرہ کے واسطے تمام وکمال بارش کے محتاج ہیں۔ جہانتک ممکن ہو سکا ہے۔ ان کی طرف پانی کا راستہ بھی نکالا گیا ہے۔ لیکن سرزمین کی مردہ سطح کی وجہ سے یہ بہت کم مفید ثابت ہوا ہے۔ تالاب مذکور شکل وصورت میں مدور ہیں۔ اور بہت بڑا قد وقامت وعمق رکھتے ہیں۔ ایک تالاب میں مربع وار سیڑھیاں سطح آب تک پہنچتی ہیں۔ سیڑھیوں کے اوپر حیوانوں کے پانی پینے کے لئے ایک چھوٹا سا تالاب بنا دیا گیا ہے۔ جو ڈول سے بھرا جا سکتا ہے۔ ان تالابوں کا سیمنٹ چمکتا ہے۔ ایک تالاب گھوڑوں

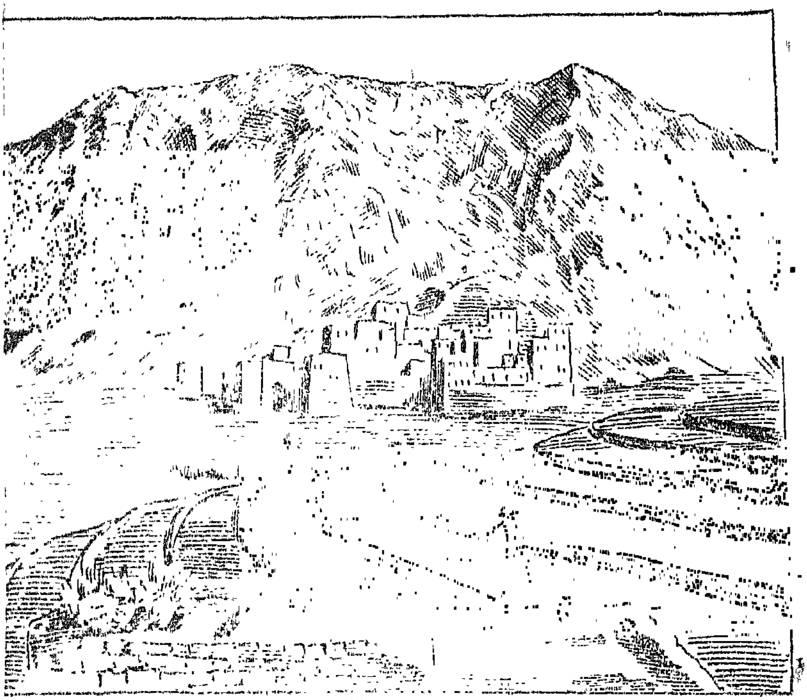

تصویر (۱۳۰) ڈھالوں سے اتارہ

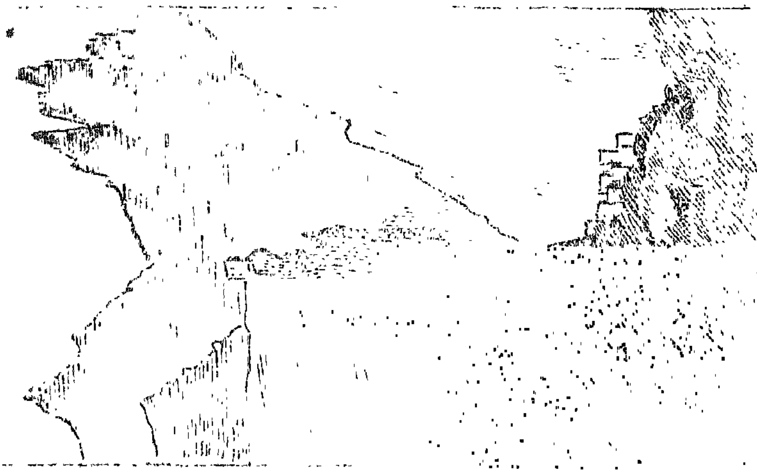

پر سوار آدمیوں اور ہرنوں کی بھدی تصویریں پلاستر میں کندہ کی ہوئی ہیں۔ پتہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تالاب کی تعمیر کس وقت بنائی گئی ہیں۔ یہ تالاب اس وقت تک جس عمدہ حالت میں ہیں۔ وہ ان کے بانیوں اور کھودنے والوں کی ہنر و حکمت پر دلالت کرتے ہیں اب تک اہل کاروان اپنی اور بار برداری کے چوپایوں کی پیاس انہیں تالابوں کے پانی سے بجھاتے ہیں۔

پھر بجانب مغرب سطح مرتفع میں وادیاں خلل انداز ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی اس وادی کا مقابلہ نہیں کر سکتی جس میں دریائے کہا بہتا ہے۔ خفیف اترائی کے بعد پھر چپٹی زمین میں پہونچ جاتے ہیں جس میں جابجا بنجر چٹانیں واقع ہیں۔ از انجملہ ایک چٹان پر دہار انغار گاؤں واقع ہے۔ یہاں پہونچکر میں دو فاصلہ پر دھوپ کی تیز روشنی میں دہار کا شہر نظر آیا۔ آخری ڈیڑھ گھنٹہ کا سفر ہموار وسیع سڑک پر ہوا۔ یہ راستہ کسیقدر ریتلا تھا۔ زراعت کے نشانات پیدا تھے۔ شہر کے قریب پہونچنے پر یہاں کا نظارہ زیادہ صفائی سے دیکھنے میں آیا۔

دہار چپٹے میدانوں میں آباد ہے۔ اس کے قریب بجانب شمال دو میل کے فاصلہ پر کسی قدر بلند پہاڑ بہت ویران ہے۔ جو گرد و نواح کے ملک سے چند سو فیٹ اونچا ہے۔ اور بھی کئی پہاڑ دکھائی دیتے ہیں خصوصاً جبل لسّی جو بجانب مشرق ہے۔ اور بہت فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ اور دیگر پہاڑ بہت بلند ہونگے۔ جبکہ خود دہار ہی آٹھ ہزار فیٹ کی بلندی پر آباد ہے۔ دہار کے گرد شہر پناہ نہیں بنی۔ کئی چھوٹے چھوٹے قلعوں سے کم و بیش حفاظت کی جاتی ہے۔ شہر میں تین عمودی مینار ہیں جنہیں سے ایک گذشتہ لڑائی میں گولہ لگنے سے ٹیڑھا ہوگیا ہے۔

ایک پیچدار تنگ راستہ منہدمہ قبور اور ناکارہ آب انباروں کے پاس سے گذرتا ہوا شہر کو جاتا ہے۔ لیکن دولت و حشمت کے نشان کہیں پائے جاتے نہیں۔ بعض پتھر کے مکانات خوشنما ہیں۔ اور ایک وسیع کھلا ہوا چوک شہر کی خوبصورتی کے بڑھانے کا موجب ہے سرکاری دفاتر اسی چوک میں واقع ہیں۔ نصف چوک طے کرنے سے پیشتر

سپاہیوں نے ہمارے خچروں کو ٹھہرالیا۔ چنانچہ ان کی رہنمائی میں ہم دھمار کے کیماکم کی ملاقات کو روانہ ہوئے۔

ایک بڑے دروازے پر آنکر جو صحن و باغ کو جاتا تھا ہم ایک مکان میں جو یورپین طرز کا بنا ہوا تھا۔ داخل ہوئے۔ سیڑھیاں چڑھکر ہمنے اسکو ایک بڑے کمرے میں پایا۔ قالینوں کے علاوہ چند کرسیاں ایک دو میزیں پڑی تھیں۔ کمرے کے ایک گوشہ میں چار پانچ ترکی افسر قہوہ اور تمباکو پی رہے تھے۔ یہ صاف و پاکیزہ وردیاں پہنے تھے۔ میرے داخل ہونے پر ان میں سے ایک اٹھا۔ ملاقات کے لئے آگے بڑھکر اسنے ہاتھ ملایا۔ اور مجھے مسند پہ لیگیا۔ نوکر کو میرے لئے قہوہ و سیگرٹ لانیکا حکم دیا۔ گائیڈ نے جو یریم سے ہمراہ آیا تھا کیماکم کا خط پیش کیا۔ جسے پڑھنے کے بعد افسر مذکور نے مجھے خوش آمدید کہا۔ نصف گھنٹے تک عام مضامین گفتگو ہوتی رہی۔ یہ بات اسکی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ کہ کتابہ و یریم کا درمیانی علاقہ میںنے کسطرح طے کیا؟ میری سرگذشت سنکر بہت ہنسا۔ یہ اپنے ان دوستوں کیطرح جو کمرے میں موجود تھے۔ نہایت خلیق و مہربان تھا۔ میںنے دوران قیام میں اس سے جو دو ایک ملاقاتیں کیں۔ وہ ہمیشہ دلچسپی کے ساتھ یاد رہینگی۔

رخصت ہونے سے پیشتر میںنے کیماکم سے ایام قیام دھمار میں سعید کے گھر فروکش ہونے کی اجازت لے لی۔ کیونکہ سعید اسبات پہ مُصر تھا کہ میں سرائے میں نہ جاؤں۔ اور چند روز اسکے باپ کے گھر رہوں۔ خچروں پر سوار ہوکر سعید کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ سعید نہایت بے صبری سے رہنما ہوا۔ چوک سے گذر کر تنگ بازاروں سے نکلتے اور داخل ہوتے ہوئے۔ ایک سہ منزلہ خشتی مکان کے پاس ٹھہر گئے۔ جو دیگر مکانات سے علیحدہ تھا۔ سعید نے نہایت خوشی سے بتایا۔ کہ یہ ہمارا گھر ہے۔

سعید کے آنے پر گھر میں نہایت خوشی ہوئی۔ ان عجیب لوگوں نے ہر طرح سعید کو سینے سے لگالئے اور اسے بھینچ بھینچ کر پیار کیا۔ اسکی بوڑھی ماں کے عقب میں اسکا بوڑھا باپ تھا۔ بھائی بہنیں۔ چچیرے بھائی۔ خالا۔ تین بچے۔ غرضیکہ تمام رشتہ دار ہر طرف چیونٹیوں کی طرح جمع ہوگئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ان لوگوں سے ایک انچ بھر زمین بھی خالی نہ رہیگی۔

مجھے اندیشہ ہوا کہ میں کہاں ٹھہرونگا؟ آخر ابتدائی ملاقات کا جوش و خروش فرو ہو گیا۔ مردوں نے میرے خچروں کی طرف توجہ کی جنہیں اسباب اتار کر فوراً اندر پہنچا یا گیا۔ اس کے بعد سعید میری طرف بڑھا۔ اور انگلیوں سے گھونگریالے بالوں میں شانہ کر کے جیسی کہ اسکی عادت تھی۔ ہاتھ سے مجھے اندر آنیکا اشارہ کیا۔ جونہیں میں اندر داخل ہوا۔ اسنے یمنی طریقہ سے مجھے خوش آمدید کہا۔ اور اس بارہ میں تمام عربی تکلفات مراسم ادا کئے اور میں خیال کرتا ہوں کہ یہ سچے دل سے تھے۔

مہمان خانہ ۳۵ فٹ طویل اور پندرہ فٹ عریض تھا۔ ایک گوشہ سے فرش کی برہنہ سیمنٹ نمایاں تھی لیکن دوسرا حصہ قیمتی فرش فروش و دھاریدار چاندنی سے آراستہ تھا۔ بظاہر یہ کمرہ زیر استعمال نہ تھا۔ اسلئے مجھے وہاں کیڑوں پتنگوں کے ہونیکا خوف تھا۔ ایک طرف برنجی برتن عجیب غریب پیالے اور قہوہ دانیاں رکھی تھیں۔ دوسری جانب مسندیں بچھی تھیں جنپر یورپ کا سوتی کپڑا چڑھا ہوا تھا۔ خوش قسمتی سے یہ کسیقدر صاف تھیں۔ طاقوں میں عطر کی شیشیاں۔ گلاب پاش۔ طشتریاں اور دیگر بہت سی چیزیں جنسے اہل مشرق فرحت حاصل کرتے ہیں چنی ہوئی تھیں۔ کمرے کی تمام خوبصورت اشیاء کھڑکیاں خصوصیت سے دلفریب تھیں۔ دو یا تین کے استثناء سے جو اندر کی طرف سے بند تھیں۔ بقیہ کھڑکیوں میں شیشے کی جگہ باریک سنگ مرمر لگا تھا۔ ان سے نہایت خوشنما طرز سے کمرے میں روشنی پہنچتی تھی۔ جسکا رنگ زرد طلائی مائل تھا۔ یہ پتھر موٹائی میں مختلف تھے اور نہایت خوبصورتی و ہنرمندی سے لگائے گئے تھے۔ غرضکہ سعید اور ہماری کا مہمانخانہ اس قسم کا تھا جہاں ہم سکونت گزیں ہوئے۔

باب ہفتم

دھمار سے صنعا تک

اگرچہ شہر دھمار کچھ نہ کچھ قدامت کا دعوےٰ رکھتا ہے تاہم کوئی خاص قابل یادگار

عمارت موجود نہیں۔ شہر پناہ بھی ندارد ہے۔ اسلئے کوئی دروازہ بھی نہیں۔ شہر کے گرد دیوار نہ ہونیکی وجہ سے آبادی ہر طرف بڑھ رہی ہے۔ اسی وجہ سے بمقابلہ آبادی کے اس کا پھیلاؤ زیادہ ہے۔ لیکن گلی کوچے بدستور تنگ ہیں۔ بازاروں میں صرف دو تین آدمی اکٹھے چل سکتے ہیں

ابن خلدون نے جغرافیہ یمن میں ذمار کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن اس سے یہ سمجھنا درست نہ ہوگا کہ اس کے زمانہ میں قصبہ مذکور موجود ہی نہ تھا۔ بلکہ اسے مورخ مذکور کی فروگذاشت تصور کرنی چاہیئے۔ جیساکہ اسنے اسکے متصل قلعہ حیران کا بھی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ موخر الذکر کے کھنڈرات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عہد قدیم میں یہ کوئی معمولی قلعہ نہ ہوگا۔ الجنیدی نے تاریخ کرماتھین میں سنہ ۲۹۰ھ میں قلعہ حیران کے ابن فضل کے تسلط میں آنیکی کیفیت لکھی ہے۔ فتاح نے اسکی تسخیر کے بعد کامیابی سے صنعاء پر لشکرکشی کی۔ پس حیران کا مفتوح ہونا خفیف واقعہ نہ تھا۔ بلکہ یہ قلعہ کلید صنعاء سمجھا جاتا تھا۔ اور بھی بہت سے ابتدائی عرب مورخین نے ذمار کا ذکر کیا ہے۔

شہر میں وارد ہونے کے چند گھنٹوں کے بعد میں سعید کے ساتھ کھانے پینے کیلئے کچھ اچھی چیزیں اور میوہ جات خریدنے چلا گیا۔ کیونکہ ابتک ہم بری بھلی غذا پر گذارہ کرتے رہے تھے۔ اگرچہ بعض اوقات راستہ میں بہت سے لوگ ہمیں گھیر لیتے۔ تاہم میں نے انہیں نہایت خوش اخلاق پایا۔ وہ محض غیر ملک کے باشندہ کے دیکھنے کے اشتیاق میں میرے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ بازاروں کا منظر معمولی ہے۔ لیکن اسکے بعض حصص دیکھنے کے لائق ہیں۔ دکانیں مشرقی دنیا کی طرح صندوق نما و تنگ ہیں۔ یہاں دیگر مقامات کی مانند یہودی علیحدہ رہتے ہیں۔ انکا محلہ شہر کے مشرق میں ہے۔ ایک کھلے میدان نے یہودی آبادی کو شہر سے جدا کر رکھا ہے۔ بڑے چوک میں جامع مسجد واقع ہے۔ مسجد کے گرد دیوار کھچی ہوئی ہے اور اسکے ہر سمت شہر تین دروازے ہیں۔ ایک خوبصورت مگر نقصان رسیدہ مینار بھی ہے۔ تاہم دوسری مسجد سے یہ مینار پھر بھی اچھا ہے۔ جو توپ کا گولہ لگنے سے کسیقدر جھک گیا ہے اور محفوظ نہیں رہا۔ تیسری مسجد بازار میں ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی عمارتی خوبصورتی نہیں رکھتی۔ اور عربی نمونہ پر سادہ بنائی گئی ہیں۔ دیسی سیمنٹ (چونہ) خشت خام سے ان

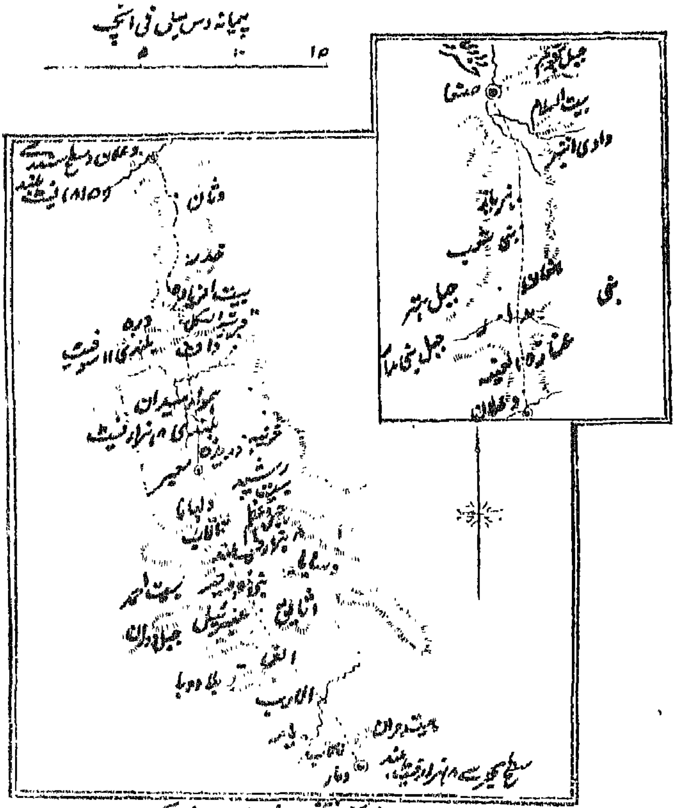
پیمانہ دس میل فی انچ
۱۵ ۱۰ ۵
صنعا
بیت السلام
بنی شعیب
وبار

اپنے سفر کا نقشہ وبار سے صنعا تک

کی تعمیر ہوئی ہے۔ ایک دو شرفار (سادات) کی سفید گنبد دار قبریں اور تنگ محراب دار راستے فی الواقع قابل دید ہیں۔ ان میں سے ایک جو شہر کے انتہائے جنوب میں واقع ہے جہاں سے ہم دھمار میں داخل ہوئے تھے۔ بلاشبہ خوبصورت ہے۔ سامنے ایک چھوٹا سا باغ ہے جسمیں ایک بڑے پھیلاؤ کا درخت ہے۔ جسکے سائے میں زائر آرام کرتے ہیں۔ ان ان بارگوں کو عربوں نے دہمار پر مسلط ہوتے ہی منہدم کر دیا تھا۔

غروب آفتاب کے وقت ہم شام کا وقت خانگی پارٹی میں بسر کرنے کے لئے سعید کے گھر واپس آ گئے۔ اس پارٹی میں چند ماہ کے بچوں سے لیکر ستر اسی سال کی عمر تک کے لوگ تھے۔ بہرکیف یہ مذکورہ عربوں کی اندرونی حالت کا آئینہ تھا۔ جیسے عدن کے متعلق سعید کی عجیب و غریب گپوں اور مبالغوں نے فی الواقع دلچسپ بنا دیا تھا۔ جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہے۔ عدن گویا سعید کا بہشت تھا۔ اسکی تعریف و توصیف کے اسنے ایسے پل باندھے کہ حاضرین کا ناطقہ بند ہو گیا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اسکی باتوں کو صحیح سمجھتے تھے۔ بلکہ اگر سعید اپنی تقریر کو عدن کے حسن انتظام و امن و امان۔ وہاں کی افواج و قلعہ جات تک بھی محدود رکھتا۔ تو پھر بھی حاضرین کو اسکی باتوں کا یقین نہ آتا۔ تاہم اسکی گفتگو سے لوگ بہت محظوظ ہوئے کیونکہ یہاں کے لوگ بسیرہ یا قصہ کہانیوں سے نہایت ذوق رکھتے ہیں۔ سمجھئے کہ اس پارٹ کو سعید نے اچھی طرح ادا کیا۔

صبح اٹھکر ترکی حمام کے لطف اٹھائے۔ خوش قسمتی سے روشنی کیلئے کھڑکیاں بہت چھوٹی تھیں۔ ورنہ حمام میں بہت سی ایسی چیزیں دکھائی دیتیں جو ناگوار خاطر ہوتیں۔ لیکن صابون و گرم پانی کے مقابلہ میں یہ تمام باتیں ہیچ ہیں۔ حمام سے بڑے چوک کے قہوہ خانے میں گئے اور اس دکان کے سامنے بیٹھکر حقہ اڑانے لگے۔ چوک میں ترکی سپاہی قواعد کر رہے تھے۔ ان سپاہیوں پر جنکے بال پریشان و بکھرے ہوئے تھے عجب غربت برس رہی تھی کئی ایک کے پاؤں میں جوتا تک نہ تھا۔ کل ڈیڑھ سو سپاہی ہونگے مجھے بتایا گیا کہ احمد فیضی پاشا نے صنعا پر قبضہ کرنے کے بعد چار سو سپاہی قلعہ دہمار میں سکونت گزیں ہونے کے لئے بھیجے تھے۔ لیکن تین چار مہینوں ہی میں علالت یا غالباً فاقہ کشی سے صرف

ڈیڑھ سو باقی رہ گئے۔ افسر بھی سپاہیوں کیطرح بیدل ہو رہے تھے۔ اور قواعد میں با دل ناخواستہ شریک تھے۔ بہت سے سپاہی سگار پی رہے تھے۔ جسپر کوئی نوٹس نہیں لیتا تھا کم و بیش ایک گھنٹہ کے بعد سپاہی بلا اجازت مختلف سمتوں میں روانہ ہو گئے۔ بھوکے انکے مرجھائے ہوئے دبلے اور زرد چہروں کو دیکھنا بڑے قسی القلب لوگوں کا کام تھا۔

اگرچہ وقتاً فوقتاً میرے گرد لوگوں کا انبوہ جمع ہو جاتا تھا۔ تاہم یہ دیکھنا دلچسپی سے خالی نہ تھا کہ وہ مجھسے اخلاق سے پیش آتے تھے۔ دوران قیام یمن میں گار و حیلوانہ کے ایک دو مواقع کے استثنا سے کبھی کسی نے مجھے کوئی خلاف تہذیب کلمہ نہیں کہا۔ اہل یمن قدیم سے پابند اسلام ہیں۔ گو بظاہر وحشی نظر آتے ہیں۔ لیکن در اصل انکے عادات و اطوار مراسم شائستہ ہیں۔ اسمیں بھی شک نہیں کہ وہ وقتاً فوقتاً معرکہ آرائیاں شروع کر دیتے ہیں لیکن طبعاً حلیم و مہمان نواز ہیں جسقدر میں زیادہ سفر کرتا گیا۔ اسیقدر کوہستانیوں اور بادیہ نشینوں کو زیادہ پسند کرتا گیا۔ شہر کے باشندوں میں بھی مینے اسبارہ میں کوئی اختلاف نہیں پایا۔ وہ بھی وقتاً فوقتاً نہایت مہربانی سے مجھے خیر مقدم کہنے پر تیار رہتے تھے۔

اگرچہ میری بڑی خواہش یہ تھی کہ جسقدر جلد ممکن ہو۔ صنعاء پہونچ جاؤں۔ تاہم مینے سعید سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اسکے گھر (ذہمار) میں تین روز رہونگا۔ پس میں ایسے آرام دہ مکان میں اس عذر پر چند روز استراحت کرنے سے ناخوش نہ تھا۔ یہاں بہت سے لوگ مجھے ملنے آئے۔ شائد ہی ذہمار میں کوئی ترکی افسر رہ گیا ہوگا۔ جو کبھی نہ کبھی میرے ملنے کو نہ آیا ہو۔ اگرچہ وہ سب میرے اغراض سفر کی نسبت مشتبہ تھے۔ تاہم وہ انتہا درجہ کے خلق سے پیش آتے تھے۔ نہ صرف ترک بلکہ اکثر عرب سوداگر بھی لمبی ریشمی عبائیں پہنے گھڑی دو گھڑی کے لئے میرے ساتھ قہوہ و حقہ پینے آجاتے تھے۔ ایک موقعہ پر ایک بقالی شریف (سید) نے اپنی تشریف آوری سے مجھے اعزاز بخشا۔ جو سر گروہ باغیان احمد الدین کا چچا زاد بھائی تھا۔ شریف موصوف عقلمندی سے اس بغاوت میں کسی گروہ کا شریک حال نہوا۔ بلکہ وہ کسی کی رفاقت اختیار کرنے سے پیشتر یہ دیکھنے کا خواہشمند تھا کہ بازی کس کے ہاتھ آتی ہے۔ اسکی عمر شائد بتیس سال کی ہوگی۔ سعید کے گھر والوں نے شریف موصوف کی آمد کو نہایت

موجب افتخار تصور کیا ۔ اور بذاتہ مینے اسے دلفریب پایا ۔ یہ اچھا تعلیم یافتہ معلوم ہوتا تھا ۔ اور کسی قدر سیاحت بھی کر چکا تھا ۔ جو گھنٹہ اسنے میرے ساتھ بسر کیا ۔ میں اسے ہمیشہ خوشی سے یاد رکھوں گا ۔

دوران سفر یمن میں اہل عرب کی اندرونی زندگی کے جو نظارے میری نگاہوں سے گذرے ۔ ان میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ ڈنر پارٹی تھی ۔ جو سعید کے گھر میرے اعزاز میں دیگئی ۔ سات بجے شام سے مہمان آنے شروع ہوئے ۔ لیکن کیسے مہمان ؟ پہلے نصف درجن دیہاتی عرب آئے ۔ جنکے لمبے بال شانوں پر لہرا رہے تھے ۔ اور پگڑی و نیلگوں تہ بند کے سوا برہنہ تھے ۔ تہ بند سے نقرئی خنجروں کے دستے نمایاں تھے ۔ عجیب طویل القامت اور خوبصورت مخلوق تھے ۔ چند منٹ کے بعد دو سوداگر داخل ہوئے ۔ ان کے ملازم چاندی کے حقے اٹھائے ہوئے تھے ۔ گو یہ ایک ہی ملک کے باشندے تھے ۔ تاہم اہل شہر اور دیہاتیوں میں فرق بین موجود تھا ۔ ہمارے سوداگر دوست موٹے بھاری بھر کم اور دیہاتیوں سے کم خوبصورت تھے ۔ تھوڑے کپڑوں کے بجائے شوخ رنگ کا لمبا ریشمی لباس پہنے اور سر پر بڑے بڑے سفید عمامے باندھے ہوئے تھے ۔ اور بھی دیہاتی آئے ۔ جو آتا اپنا بھالا کمرے کے ایک گوشہ میں رکھکر بیٹھ جاتا ۔ یہانتک کہ وہ کمرہ بالکل سلح خانہ بنگیا ۔ اسکے بعد حضر موت کے موسیقی نواز آئے ۔ انکے بال اہل یمن سے زیادہ لمبے و وحشیانہ تھے بھالوں کی بجائے رنگین آلات موسیقی لئے ہوئے تھے ۔ مہمانوں پہ مہمان آتے گئے ۔ یہانتک کہ ہمارا کمرہ گو بڑا تھا ۔ مگر ان سے بھر گیا ۔

یہ کیسی رات تھی ؟ ایسی شب جو مدۃ العمر کبھی فراموش نہ ہوگی ۔ لٹکے ہوئے سنگ مرمر کے لمپوں کی دھندلی و ٹھنڈی روشنی ۔ گوشوں میں بھالوں کے پھلوں کا چمکنا ۔ سیاہ فام دیہاتیوں کا مجمع ۔ جوش کھاتے ہوئے قہوہ کی بھاپ ۔ قیمتی قالینوں پر شوخ رنگ کی مسندیں ۔ حقہ کی گڑگڑاہٹ اور اسکے نیلگوں دھوئیں کا چھوٹے چھوٹے حلقوں میں آسمان کیطرف اٹھنا ۔ بلاشبہ عجیب نظارہ تھا ۔ اس دیار میں جلسہ دعوت قابل دید ہے مزید براں گویوں کی نغمہ سرائی ۔ جو عجب راگوں کے ساتھ ادھر ادھر حرکت کرتے تھے ۔ ایک خواب

کا سا عالم تھا۔ یہ افریقہ کی وحشیانہ دعوت نہ تھی۔ بلکہ ایسے عرب کی گذشتہ عظمت و جلالت کی گونج کہنا چاہیئے۔

بعدہٗ بڑے بڑے پاستوں میں غذا لائے۔ جو زیادہ تر ہمارے قدیمی عنایت فرما بوڑھی بھیڑ۔ بکری کا گوشت تھا۔ پیتل کے پیالوں میں جن میں عرق گلاب بھرا تھا۔ انگلیاں ڈبونے کے بعد ہمنے مل جل کر کھانا کھانا شروع کیا۔ پھر قہوہ۔ حقہ اور تلخ "کات" کے پتے لائے گئے۔ ناچ و رنگ جاری رہا۔ کھڑکیوں سے رات کی ٹھنڈی ہوا آتی تھی۔ جو حقے کے دھوئیں کو اڑاتی اور مہمانوں کے بالوں کو پریشان کرتی تھی۔ خاموش چپ چاپ بت بنے بیٹھے تھے۔ اور راگ سن رہے تھے۔ گویا ہمنے ہارون الرشید کے زمانہ کی طرف عود کیا تھا۔ اور موجودہ ترقی یافتہ زمانہ بالکل فراموش ہوگیا تھا۔

آخر کار میں اپنی برقی مشین لایا۔ اور مہمانوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ بجلی کا جھٹکا محسوس کیا۔ وہ مسکرائے۔ اور بجلی کی مزید کیفیت دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ ان میں ایک شخص مشین کے دستے پر ہاتھ رکھنے کے لئے آگے بڑھا۔ میں نے مشین پوری تیزی سے چلائی۔ ایک چیخ کے ساتھ وہ آدمی اوپر ہوا میں اچھلا۔ بعدہٗ اسنے معافی مانگی۔ ایک ایک کرکے مہمان عجیب عربی اخلاق سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوئے۔

صبح کو ہمنے ترکی سپہ سالار احمد رشتی پاشا کے اعزہ کی قبروں کو دیکھا۔ خود احمد رشتی لوہایہ کے متصل آغاز بغاوت میں ہلاک ہوا تھا۔ محدود دیوار باغ میں دو قبریں ایک دردانگیز ماجرا بیان کرتی ہیں۔ چند سال پہلے احمد رشتی کا مکان باغیوں نے بارود سے اڑا کر اس کے بیوی بچوں کو ہلاک کر دیا۔ یہ حکایت مع شرح ابتدا داستان کے باب میں بیان کیگئی ہے۔ یہاں اسکے تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ قبریں شہر سے باہر بجانب مغرب واقع ہیں۔ ایک دو ایکڑ اراضی بلند دیواروں سے گھری ہے جس میں ایک گرمائی مکان ہے۔ جہاں صدمہ رسیدہ پاشا آکر بیٹھا تھا۔ لیکن اس مکان کو قبروں سمیت باغیوں نے تباہ کر ڈالا۔ صرف بیرونی دیواریں اور قبریں ابتک موجود ہیں۔ شہر میں واپس آتے

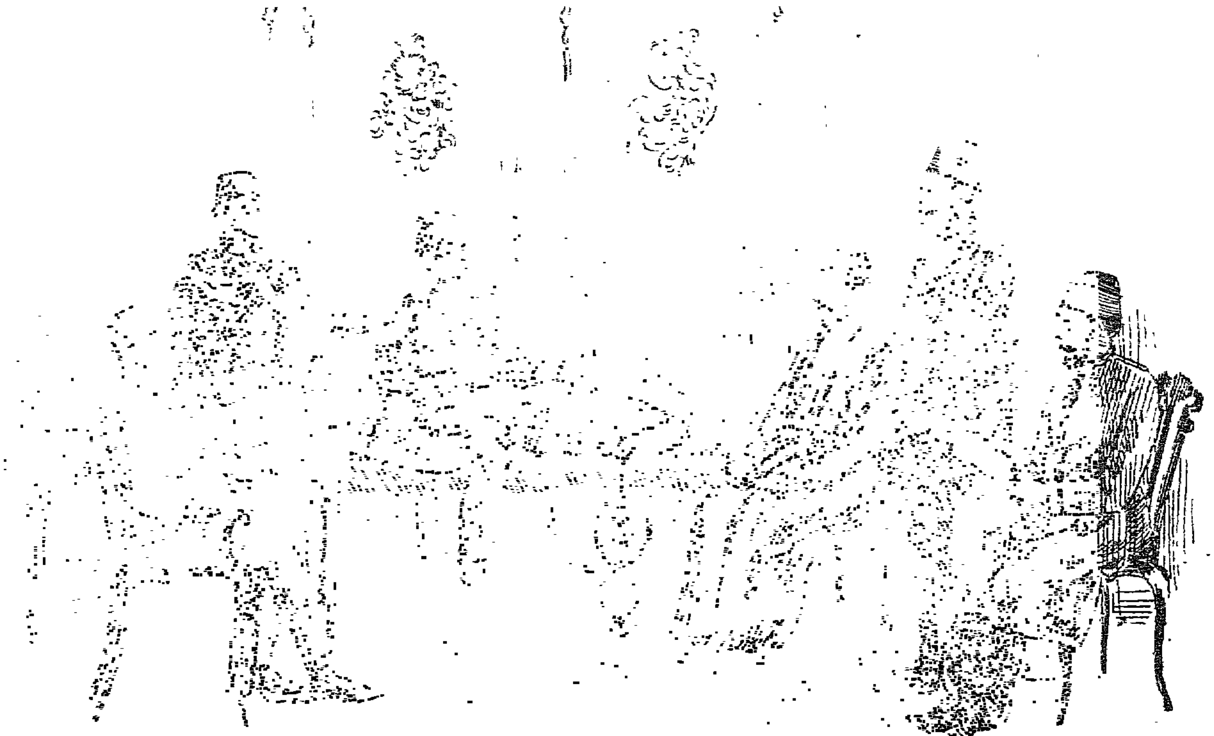

تصویر (۳۰۳) احمد فیضی پاشا گورنر جنرل یمن کے سامنے مصنف کا پروانہ راہداری پڑھا جا رہا ہے اور اس سے سوالات پوچھے جا رہے ہیں

ہوئے۔ یہودیوں کا قصبہ دیکھا۔ جو اسلامی شہر کے خلاف اپنے گرد دیوار رکھتا ہے۔ دروازے ہر شب باہر کی طرف سے مقفل کئے جاتے ہیں۔ ہر طرف غلاظت و نجاست کے انبار دکھائی دیتے ہیں۔ تاہم یہودیوں کی صحت اچھی ہے۔ ان کے مکانات ہموار دھرے ہیں۔ اور تقریباً سب خشت خام کے بنے ہوئے ہیں۔ اندر باہر سے ایک کھردری چیز سے جو دیرپا معلوم ہوتی ہے۔ پلاستر کیا ہوا ہے۔

ہمارا آخری روز جیران کے پرانے قلعہ کے معائنہ میں صرف ہوا۔ جو دھار کے شمال میں ایک دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں تک پہونچنے میں گرمی وغیرہ کی جو تکلیف اٹھائی اسکا کافی معاوضہ ملگیا۔ کیونکہ قلعہ مذکور قدامت کی بہت سی نشانیاں رکھتا ہے۔ دھار کے شمالی حصے سے گذر کر غبار آلود میدان میں داخل ہوتے ہیں جہیں کم و بیش دو میل سڑک جاتی ہے۔ دھار سے بھی جیران صاف طور پر نظر آتا ہے۔ سیاہ پہاڑ جسپر اسکے کھنڈر ہیں۔ ہلکی زمین پر نمایاں طور پر استادہ ہے۔ کھنڈروں تک جنوب مغربی سمت کی چٹانوں سے پہنچتے ہیں۔ جہاں چند پرانے تالاب ٹھوس چٹانوں میں کھدے ہوئے ہیں۔ تالاب مذکور بہت بڑے ہیں۔ پہاڑ کے مغربی پہلو کیطرف بڑھتے ہوئے بہت جلد ایک پرانے قبرستان تک پہونچ گئے۔ چٹی چٹان کثرت قبور سے شہد کی مکھیوں کا چھتا نظر آتی تھی۔ قبور مذکور عموماً بیس ۲۰ فیٹ عریض تھیں۔ ایک دو قبریں مدور بھی تھیں۔ چند خالی بھی تھیں۔ لیکن میں سمجھ نہ سکا۔ کہ ان قبروں کے خراب کرنے والے کون لوگ تھے۔ ایک بوڑھے چرواہے نے۔ جو جیران کا تنہا باشندہ تھا۔ کہا کہ میں ابتدا سے انہیں یونہیں دیکھتا چلا آیا ہوں۔ اور میں نے آجتک کسیکو قبریں کھودتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اگرچہ حال میں چٹان کے آگے کے حصہ کی بڑی قبریں جو غار میں بنی ہوئی ہیں۔ خزانہ کی امید پر کھودی گئی ہیں۔ لیکن صرف چند سکوں۔ مالا ہی اور ہڈیوں کے سوا وہاں سے کچھ دستیاب نہیں ہوا۔

کوہ جیران دو چوٹیاں رکھتا ہے۔ ہر ایک چوٹی سطح نواح سے چند سو فیٹ بلند ہے۔ دونوں چوٹیاں مائل بہ شمال و جنوب ہیں۔ اور بیچ سے مقعر ہیں۔ اسطرح یہ دونوں

ہم ملبہ بلاک بنا صورت بناتی ہیں۔ زمانہ سابق میں ایک بڑی دیوار ان کی محافظ تھی۔ ے کا کچھ حصہ ابتک باقی ہے۔ دیوار کا یہ حصہ بہ سمت مشرق دو انتہاؤں سے پہاڑی سے پیوستہ کرتا ہے۔

قبرستان کی طرح۔ غار کی قبریں بھی پہاڑ کے جانب مغرب ہیں۔ اگرچہ ہم ان تمام قبروں ہیں جو اندرونی کھلی تھیں۔ داخل ہوئے۔ تاہم قرائن سے معلوم ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ بہت سی غار کی قبریں ہونگی۔ جنکے منہ کو ڈھلوان چٹان کے خس و خاشاک و سنگریزوں نے ڈھک کر بند کر دیا ہے اور جنہیں داخل ہونے کے لئے بہت کچھ کھودنے کی ضرورت ہے۔ پہلی قبر جو ہیئت اندرون غار دیکھی وہ ایک مدور کمرے میں واقع تھی جسکا قبہ گنبد نما تھا۔ کمرے کا قطر بارہ فیٹ اور چھت کا بلند ترین مقام پانچ فیٹ آٹھ انچ تھا۔ داخلے کے بائیں جانب ایک طاق تین فیٹ عمیق۔ تین فیٹ بلند اور چار فیٹ طویل تھا۔ دروازہ کوئی تین فیٹ چوڑا۔ اور پانچ فیٹ بلند تھا۔ لیکن کمرے کی اندرونی دیواریں بنا پختہ تھیں۔

ڈھلوان کی کچھ بلندی پر ہم دوسرے غار میں داخل ہوئے جسے میں غار ثانی سے موسوم کرونگا۔ یہ نیم بیضوی کمرہ رکھتا ہے جنہیں ایک کوہی پشتہ ایک دوسرے سے بقدر جدا کرتا ہے۔ اس تقسیم کے دونوں پہلوؤں اور سامنے کی سنگی دیواروں میں زمین سے تین فیٹ بلند پہاڑ کاٹا ہوا ہے۔ یہاں کی خاک میں مجھے ہڈیاں اور ایک نقش تسبیح کی قسم یہ غار پہلے سے زیادہ وسیع تھی۔ اور زیادہ احتیاط سے کھودی گئی تھی۔ ایک دروازے سے گول کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ جسکے دائیں بائیں دو چھوٹے کمرے کھلتے ہیں۔ دروازے کے سامنے گول داخلہ کا ہال اس سے بھی بڑے کمرے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جس میں دو طاقچے اور ایک کمرہ واقع ہے۔ دونوں طاقچوں سے منکشف ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں بند بھی کئے جا سکتے تھے۔ چنانچہ دروازہ کے پٹاؤں میں ابتک سوراخ موجود ہیں۔ جو یا تو دروازے کو سہارا دیتے تھے یا شہتیر رکھکر پتھروں سے انکا دہانہ تنگ کر دیا جاتا تھا۔

چوتھی غار دیگر غاروں کے جنوب میں ہے۔ یہ نئی وضع قطع کی ہے۔ ڈھلوان چٹان کے رخ کو کاٹ کر ایک بڑا مربع کمرہ بنایا گیا ہے۔ پشت دیوار میں ایک دروازہ قبر کی جانب کھلتا ہے۔ اس کھڑکی کے نیچے زمین سے ایک دو فیٹ اوپر پانچ سوراخ چٹان میں بنائے گئے ہیں۔ جو غالباً کسی زمانہ میں پلیٹ فارم (چبوترہ) کو سہارا دیتے ہونگے۔ بظاہر تمام بیرونی کمرہ پلاستر شدہ تھا۔ ممکن ہے کہ یہاں کوئی عمارت بھی تعمیر کی گئی ہو۔ جو کھڑکی قبر کی جانب کھلتی ہے۔ وہ زمین سے تین فیٹ بلند اڑھائی فیٹ اونچی۔ اور دو فیٹ تین انچ عریض ہے۔ کھڑکی کی اندرونی طاق چھ فیٹ لمبا ہے۔ دو فیٹ چوڑا۔ اور تین فیٹ بلند ہے۔ یہاں بھی غار نمبر ۳ کی طرح جمع شدہ گرد و غبار میں صرف چند ہڈیاں دستیاب ہوئیں۔

پانچویں غار کا ایک بڑا کمرہ ہے۔ جو سولہ فیٹ لمبا۔ اور آٹھ فیٹ چوڑا ہے۔ ہر ایک گوشہ میں چٹان آٹھ فیٹ طویل اور اٹھارہ انچ عریض کاٹا گیا ہے۔ اس غار کا دروازہ تین فیٹ چھ انچ چوڑا ہے۔ چھت اندر کی طرف پانچ فیٹ بلند ہے۔ یہاں مجھے کوئی ہڈی نہ ملی۔ علامات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ تمام غار کھودے گئے ہیں۔ جسکی میرے بوڑھے چرواہے نے تصدیق کی۔ جب میں نے پوچھا کہ مسلمان قبروں کو کھود کر مردوں کی بے حرمتی کس طرح گوارا کرینگے؟ تو اس نے جواب دیا کہ غیر مسلم لوگوں کی قبریں ہیں۔ اگر مسلمانوں کی ہوتیں۔ تو کوئی انکو چھونے کی جرات نہ کرتا۔

پہاڑ پر اترتے جنوب کی طرف بڑھتے ہوئے مجھے ایک سخت چڑھائی چڑھنی پڑی۔ اس کے بعد وہ تالاب نظر آیا۔ جو پہاڑ کھود کر بنایا گیا تھا۔ اور جس میں سابق پانی جمع رہتا تھا۔ اس مقام تک پہنچنا اسقدر مشکل ہے۔ کہ مجھے برہنہ پا پھسلا دینے والی چٹان پر چڑھنا پڑا۔ چونکہ پتھر اسقدر گرم تھے۔ کہ پاؤں میں آبلے پڑنے لگے تھے۔ یہاں سے آ کر قلعہ سابق کے موقعہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ قلعہ [illegible] ایک بڑی دیوار سے باہم وصل کر کے بنایا گیا تھا۔ اور [illegible] تھا۔ یہ بلند دیوار پچاس گز لمبی اور بیس فیٹ اونچی ہے۔ [illegible] گھوڑوں کی چوڑی جتنی [illegible] ہو۔ با آسانی چل سکتی ہے۔ اس [illegible]

میں صرف ایک ہی دیوار میری نگاہوں سے گذری ہے۔ جو میکونیز (مراکو) میں ہے اور مولائی اسماعیل والی مراکو کو اسکا بانی بتایا جاتا ہے۔ دیوار کے بیچ میں ایک عمیق کنواں ہے۔ جسکا بالائی حصہ تعمیر شدہ۔ اور نیچے کا چٹانی ہے۔ اس بڑی دیوار کے شمالی انجام پر تین تالاب ہیں۔ جنمیں بھدی سیڑھیوں کے ذریعہ سے داخل ہو سکتے ہیں۔ چوٹی پر پانچ مسلمانوں کی قبریں بنی ہوئی ہیں۔ ان کے گرد پتھروں کی پست دیوار ہے۔ زمانہ قدیم کے کچھ کھنڈر بھی ہیں۔ جنکا سنہ دریافت کرنا مشکل ہے۔ تاہم ٹوٹے پھوٹے ظروف تمام کی بہت بڑی تعداد جنمیں سے بعض شوخ رنگ کے ہیں۔ اس مقام کی وسعت پر دلالت کرتے ہیں۔

چوٹی سے گرد و نواح کے ملک کا نہایت عمدگی سے نظارہ ہو سکتا ہے۔ چٹیل میدان میں جا بجا سیاہ آتش فشان چٹانیں دکھائی دیتی ہیں۔ دور مشرق کی سمت افق میں سلسلہ کوہ نمایاں ہے۔ ہمارے نیچے بہ سمت جنوب دہمار اپنی زمین کی طرح زرد دکھائی دیتا ہے جسکے مضافات میں سبزہ نام کو بھی نہیں۔ کہتے ہیں کہ موسم بارش میں ملک کا نظارہ بدل جاتا ہے۔ مشرق میں جیران کے نیچے پُرانے شہر کے کھنڈر ہیں۔ مکانات کی شکستہ دیواریں ابتک زمین سے چند فیٹ بلند استادہ ہیں۔ فی الواقع یہ مقام زمانہ قدیم میں خوب آباد ہوگا مجھے افسوس ہے کہ جلدی کی وجہ سے میں کوئی کتبہ تلاش نہ کر سکا۔ تاہم ایک ترکی سوار کے پہنچنے سے پیشتر میں مندرجہ بالا نوٹ لے سکا۔ جسے کیماکم نے میری حس و حرکت کی نگرانی کیلئے بھیجا تھا۔ جسنے ادب سے چلنے کی درخواست کی۔ اس اندیشہ سے کہیں کیماکم کو کوئی شبہ پیدا نہو۔ اور میرا آئندہ سفر رُک نہ جائے۔ مینے فی الفور اسپر آمادگی ظاہر کی۔ بوڑھے چرواہے کو الوداع کہکر خچر پر سوار ہوا۔ اور قصبہ میں واپس آگیا۔

جیران کے متعلق دہمار میں مجھے بہت کم حالات معلوم ہو سکے۔ صرف اتنا ہی دریافت ہوا کہ عہد قدیم میں یہ مرکز تجارت تھا۔ جہاں صنعا و شمال عدن سے مال تجارت پہنچتا تھا۔ اسکی سابقہ عظمت و وقعت اور سلطنت سبا کے وسیع شہر ہونے کے لحاظ سے بھی خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ممکن ہے کہ یہ جیران وہی شہر ہو۔ جسے ہماری پُرانی مذہبی کتاب

میں حرّان لکھا ہے۔ آیت مذکور میں جن شہروں کے نام دیئے گئے ہیں۔ وہ سب جنوب عرب میں ہیں۔ اور باستثنٰے حرّان کے انکا سراغ مل گیا ہے۔ ناموں کی مشابہت سے ممکن ہے کہ حرّان اور حبران ایک ہی شہر ہوں۔ وہ آیت یہ ہے "حرّان کانیہ عدن سبا۔ اشور اور چلماڈ کے سوداگر سب تیرے گاہک تھے"

دوپہر کے بعد۔ مینے کیماکم سے الوداعی ملاقات کی۔ جو ایک گھنٹہ کے بعد بازدید کو آیا۔ اسنے وعدہ کیا۔ کہ میں دو سپاہی تمہارے ساتھ کر دونگا۔ تاکہ تم بخیر و عافیت صنعا پہونچ جاؤ۔

دوسری صبح ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ سعید کو اپنے اعزہ سے رخصت ہونے میں بہت دیر لگی۔ اسکے بہت سے رشتہ دار جو انسانی عمر کے ساتوں مرحلوں اور ان کے بیچ کے سنین کو ظاہر کرتے تھے۔ الوداع کہنے کے لئے جمع ہوئے۔ یہ نیک سادہ لوگ تھے۔ چھوٹے بچوں نے بزرگوں کے ادھر ادھر ہوتے ہی بخشیش مانگی۔ سڑک حبران کے مغرب کی طرف ان بڑے تالابوں کے متصل گذری جنکی کیفیت میں حوالۂ قلم کر چکا ہوں۔ اسکے بعد ہم تھے۔ اور بنجر میدان۔ جافہ کے گاؤں کو پیچھے چھوڑنے کے بعد ہمیں تھوڑی دیر تک آبادی کا کوئی نشان نہ ملا۔

باوجود ویران ریگستان کے صبح کا منظر نہایت خوشنما تھا۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے۔ مزروعہ کھیت بتدریج کم ہوتے گئے۔ زمین زیادہ تر ریتلی و پتھریلی ہوتی گئی ہم ایک تنگ درے میں داخل ہوکر ایک مدور میدان میں جانکلے۔ جسے چاروں طرف سلسلہ کوہ گھیرے ہوئے تھا۔ یہ گول میدان بلاشبہ بجھے ہوئے کوہ آتش فشان کا دہانہ تھا ہاں سے کوہ دران کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ جسکی چوٹی نیشکر کے بیتے کی رح عجیب وضع رکھتی ہے۔

ایک چھوٹے سے قہوہ خانہ میں جو نصف غار اور نصف کھردرے پتھروں کا بنا ہوا ھا ہمنے دن کے گرم ترین حصے کے ایک دو گھنٹے بسر کئے۔ آدمیوں اور اونٹوں ایک معقول تعداد ہم سے پہلے وہاں وارد ہو چکی تھی۔ باوجودیکہ ایک سبز بتیا بھی کھائی

نہ دیتا تھا۔ اس پر بھی آس پاس کا نظارہ کچھ کم دلچسپ نہ تھا۔ اہل کاروان ہم سے نکل گئے۔ غار کا ایک ٹھنڈا گوشہ مجھے آرام کرنے کے لئے دیا گیا ہم نے دوپہر راحت سے بسر کئے۔ بوقت صبح کسیقدر اترائی کے بعد ہم میدان کے نسبتاً نشیبی حصے میں داخل ہوئے یہاں کی زمین گو زرخیز تھی۔ مگر زراعت کا کوئی نشان نہ تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ بوجہ بغاوت اس زمین کی کاشت نہیں ہوئی۔ بائیں طرف ایسابہ کا گاؤں نظر آتا تھا۔ چونکہ ہمیں صنعاء جانے کی جلدی تھی۔ اور نیز یہ گاؤں بھی ہمارے راستے سے دور تھا۔ اسلئے میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن مجھے معلوم ہوا کہ یہاں کوئی دیکھنے کے قابل چیز نہیں۔ یہ بجائے قصبہ ہونے کے ایک بڑا گاؤں ہے۔ اور یمن کے میدانی دیہات سے مشابہت رکھتا ہے۔ نیز میں چاہتا تھا کہ جہانتک ممکن ہو۔ ترکی حکام سے بچتا رہوں کہیں اگر صنعاء کے قریب پہنچتے ہی واپسی کا حکم صادر ہو جائے۔ تو کسقدر موجب تاسف ہوگا۔ اور تمام محنت رائگاں جائیگی۔

سڑک پر چٹانوں میں کاٹے ہوئے بہت سے گہرے تالاب ملے جنسے گذرنیوالی کارروان ابتک سیراب ہوتے ہیں۔ ازانجملہ ایک تالاب کہ جہاں ہم قریب شام پانی پینے کیلئے ٹھیرے۔ پلاستر کئے ہوئے چٹانی دیوار پر سواروں کے بھدے نقش بنے ہوئے تھے نیز حمیاری حروف میں کتبہ کندہ تھا۔ اس قسم کے تالابوں کی طرح سطح آب تک سیڑھیوں کے ذریعے پہنچتے تھے۔ اوپر چھوٹا سا تالاب حیوانوں کے پانی پلانے کے لئے تھا۔ جسے ڈول سے بھر لیا جاتا تھا۔ یہ چھوٹا تالاب بھی بڑے تالاب کی طرح مدور تھا۔ دو پہاڑ دوپہر کے بعد دور دکھائی دیتے تھے۔ اب قریب نظر آنے لگے۔ شام ہوتے ہی ہمنے آپکو نیم دائرہ کی صورت کے ایک بڑے میدان میں پایا۔ جو دور آگے کوہی چٹانوں سے محدود تھا یہاں کی زمین مزروعہ تھی۔ اگرچہ ہم اسوقت سطح سمندر سے تقریباً نو ہزار فیٹ کی بلندی پر تھے تاہم ہنوز بوئے ہوئے اجناس نے زمین سے سر نکالا تھا۔ اسلئے یہ میدان حوران اور تنور کی طرح تیار معلوم ہوتا تھا۔ زمین کے زرخیز ہونیکا یہ بدیہی ثبوت تھا۔ اس میدان میں جا بجا سے آبپاشی کے کنوئیں بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثروں میں آدمی پانی اور دو شتر پانی نکالنے میں مصروف تھے۔ چونکہ کنوئیں گہرے ہیں۔ اسلئے جن جگہوں میں

پانی کھینچا جاتا ہے۔ وہ بھی بڑے بڑے ہوتے ہیں اسلئے انکے کھینچنے کا کام سہل نہیں محنت کو کم کرنے اور آبپاشی کو زیادہ مفید بنانے کے لئے باشندوں نے یہ ترکیب نکالی ہے کہ کنوئیں اونچے ٹیلوں پر بناتے ہیں ڈھلوانی راستہ سے کنوئیں کے بلند دہانہ سے بسہولت کھیتوں میں پانی پہنچ جاتا ہے۔ ادھر رسی کا سرا آدمی عورت یا اونٹ سے باندھ دیا جاتا ہے۔ جو محض اپنی طاقت سے کام لینے کی بجائے مرکز ثقل کی امداد سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور نیچے کی طرف اترتا ہوا نسبتاً آسانی سے پانی کھینچ لیتا ہے اونچے کنوئیں بنانے سے چھوٹی نالیوں کے ذریعہ سے حسب ضرورت جہاں چاہیں بسہولت پانی پہنچا سکتے ہیں۔ چرسہ لب چاہ پر پہنچکر ایک تالاب میں خالی ہو جاتا ہے جہاں سے پانی نالیوں کے ذریعہ سے کھیتوں میں جاتا ہے۔ تاہم خشک زمین منزل مقصود تک پانی پہنچانے سے پیشتر اسکا بہت سا حصہ جذب کر لیتی ہے۔ اسلئے کھیتوں کو کافی پانی بہم پہونچانے کے لئے بہت محنت کرنی پڑتی ہے تاہم محنت ارزاں ہے۔ جبتک کسی کاشتکار کے پاس گدھا۔ اونٹ یا بیوی پانی کھینچنے کیلئے موجود ہے۔ اسکا سوائے اسکے کوئی کام نہیں کہ بیٹھا ہوا حقہ پیا کرے۔ اور اپنے آرام و آسائش کو مدنظر رکھے

آخرکار خان معایر کے گاؤں میں پہنچے۔ بھدی بیرونی سیڑھیوں پر چڑھنے کے بعد ہم نے اپنے آپکو ایک صاف ستھرے ہوادار اور سفیدی کئے ہوئے کمرے میں پایا۔ جہاں ہماری دریاں جھٹ پٹ بچھ گئیں۔ اور قہوہ جوش دینے کیلئے رکھدیا گیا۔ لوگ نہایت مستفسر حالات تھے۔ آخرکار ہمنے حکم دیدیا کہ کوئی شخص اندر نہ آنے پائے۔ لیکن یہ مفید ثابت نہوا۔ چنانچہ ہمنے ایک شخص کو بڑے ڈنڈے سے مسلح کر کے دروازے کے باہر تعین کر دیا کہ کوئی داخل نہ ہونے پائے۔ گاؤں چنداں آباد نہیں۔ مکانات خشت خام کے بنے ہوئے ہیں۔ کوئی کوئی پتھر کا بھی ہے۔ باشندے غلیظ و افلاس زدہ ہیں یہاں کوئی چیز قابل دید نہ تھی۔ ان سطوح مرتفع کے باشندے جنوب پریم کے کوہستانی قصبات کے لوگوں سے جہاں سے ہم گذر کر آئے تھے بہت مختلف تھے۔ نہ تو ویسے پاک و صاف ہی تھے۔ اور نہ اُن کے سے زندہ دل شکیل و وجیہہ۔

دوسرے روز علی الصباح ہم آگے روانہ ہوئے ۔ سڑک غبار آلودہ تھی ماہر سے ایک دو میل کے فاصلہ پر ہمنے ترکی سپاہیوں کو جبل اُنیس کے کوہستانیوں سے لڑتے ہوئے دیکھا ۔ یہ آخری قبائل تھے ۔ جو غالبًا کبھی آپکو ترکی گورنمنٹ کے حوالے نہ کرینگے ۔ کیونکہ ناقابل گذر کوہستانوں میں رہنے کی وجہ سے ترک ان پر قابو نہیں پاسکتے یہ لڑائی چنداں خونریز نہ تھی کیونکہ ترکوں کا ایک چھوٹا سا میدانی توپخانہ چند پہاڑی دیہات پر گولہ باری کر رہا تھا ۔ ان دیہات سے ترکوں پر رہ رہ کر بے ٹھو ٹھکانے گولیاں پڑ رہی تھیں ۔ بغاوت یمن کی یہ پہلی جنگی کارروائی تھی ۔ جو ہماری نگاہوں سے گذری ۔ اگرچہ یریم و دہمار کے قلعوں میں ترکی سپاہ موجود تھی ۔ لیکن یہ مقامات خونریزی کے بغیر ترکوں کے قبضے میں آگئے تھے ۔ تھوڑی دیر ہم لڑائی کی کیفیت دیکھتے رہے گولیاں اور گولے چلنے کی آواز آتی رہی ۔ چونکہ بظاہر ترکوں کا پہاڑ پر چڑھکر دیہات پر یورش کرنیکا ارادہ نہ تھا ۔ اور نہ عربوں سے یہ امید کہاں تھی ۔ کہ وہ میدان میں اُتر کر حملہ آور ہونگے ۔ لہٰذا ہم آگے روانہ ہو گئے ۔ میدان دفعتہً ایک پہاڑ کے حائل ہونے سے ختم ہو جاتا ہے ۔ پہاڑ پر ہمیں اپنا ٹیڑھا بیڑھا راستہ تلاش کرنا پڑا ۔ ایک تنگ درہ میں داخل ہوکر ہم کارئیات الخیل نامی بڑے گاؤں کے قریب سے گذرے ۔ اسکی ہر ایک چٹان پر سنگی برج بنے ہوئے تھے ۔ یہاں وہ پرانی سڑک جو عدن و حضرموت سے مکہ مدینہ کو جاتی ہے ۔ اس سڑک سے آملتی ہے جسپر میں سفر کر رہا تھا ۔ ہم قدیمی سڑک کو لاہج میں چھوڑ آئے ۔ جہاں سے یہ براہ اِب جاتی ہے ۔ بخلاف اسکے ہمارا راستہ مائل بہ مشرق تھا ۔ میں حجاج کی اس بڑی سڑک کی نسبت کہیں ذکر کرچکا ہوں ۔ جو حسین ابن سلامہ نے پانچویں صدی ہجری میں بنوائی تھی ۔ یہاں اتنا ہی کہنا کافی ہے ۔ کہ ہر منزل و قیام گاہ پر ایک سرائے اور ایک مسجد بنی ہوئی ہے ۔ جنکے تالاب تھکے ہوئے مسافروں کو آب سرد سے تر و تازہ کرتے ہیں ۔

دشوار گذار چڑھائی کے بعد درہ کی چوٹی پر پہنچے ۔ جہاں ایک مدور برج ہے ۔ جسے اب ترک نگہبانی کے لئے واچ ہوس کے طور پر استعمال کرتے ہیں ۔ راستہ انتہا

درجہ کا ڈھلوان ہے۔ اگرچہ بھدے طور سے کوٹا ہوا ہے۔ تاہم اسقدر پھسلن ہے۔ کہ سواری پر گذرنا ناممکن ہے۔ رقیق ہوا اس چڑھائی کو اور بھی مشکل بناتی ہے یہ چوٹی سطح سمندر سے نو ہزار ایک سو فیٹ اور دھار کی سطح سے گیارہ سو فیٹ بلند ہے ڈھلوان اترائی اور ایک گھنٹہ کے سفر کے بعد کھادر کے بڑے گاؤں میں داخل ہوئے۔ جہاں ہم نے ایک گھنٹہ ٹھہر کر دم لیا۔ حقہ اور قہوہ پیا۔ یہ مقام نہایت خوشنما ہے۔ گو سرسبزی و شادابی کم ہے۔ گاؤں کا بالائی حصہ پہاڑ کی ڈھلوان چوٹی پر واقع ہے۔ اسکے گرد دیوار کھینچی ہوئی ہے۔ ہر ایک چوٹی پر معمولی ٹاور ہوس و برج بنے ہوئے ہیں۔ چند عمارتیں جو سڑک کے کنارے ہیں۔ کاروان سرائے اور قہوہ خانے ہیں۔ باشندے سب کے سب یہودی ہیں۔ جو اپنے کوہ اٹلس کے دیگر بھائیوں کی طرح زراعت پیشہ و زمین دار ہیں۔ ایک چھوٹی سی سفیدی کی ہوئی مسجد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں چند مسلمان بھی ضرور ہونگے۔

ایک قہوہ خانہ کے دروازے پر ایک وحشی مجمع بیٹھا ہوا تھا۔ یہ عرب کے ساربان اور انکے اونٹ تھے۔ چونکہ لاسہتے تھے۔ اشتیاق جانبین سے باہم گفتگو شروع ہوگئی۔ میں نے بہیئت مجموعی انہیں اچھا پایا۔ اگرچہ وہ عادات و اطوار میں یمنیوں سے زیادہ بھدے تھے۔

کھادر سے روانہ ہونیکے دو گھنٹوں کے بعد ہم منزل شب پر پہونچ گئے۔ یہ دلان نامی عمدہ گاؤں ہے۔ مکانات کی فراخی و مضبوطی حیرت انگیز ہے۔ ہم سرائے میں سیڑھیاں چڑھکر ایک خوبصورت و پاکیزہ کمرے میں ٹھہرے۔ ہمارے کمرے کی کھڑکیوں سے گردونواح کے بہت سے دیہات کا نظارہ دکھائی دیتا تھا۔ دروازے اور کھڑکیاں خوشنما۔ چمکدار لکڑی کی تھیں۔ ایسی آرام دہ جگہ نہایت غنیمت معلوم ہوئی۔ ایک بوڑھی عورت جو پاکیزہ لباس پہنے ہوئے تھی۔ ہماری نگران تھی۔ اسنے ہمارا کھانا پکانے پر اصرار کیا۔ جو ابتک عبدالرحمن سعید پکایا کرتے تھے۔ اور اس عورت نے فی الواقع اچھی طرح پکایا اس صفائی و تہذیب و شائستگی سے ظاہر تھا کہ ہم دارالحکومت کے متصل پہنچ گئے ہیں

نے یہ رات کسیقدر اطمینان سے بسر کی۔ کیونکہ اب صنعاء اور ہم میں چند گھنٹوں کا استہ باقی رہ گیا تھا۔

وادی بین ماتار میں چار گھنٹے گرمی کی تکلیف اٹھا کر ہم زرتاز نامی بڑے گاؤں میں وارد ہوئے۔ جہاں ایک بڑے مگر غلیظ قہوہ خانے میں ایک دو گھنٹے ٹھہرے۔ دیکھنے کے قابل کوئی شے نہ تھی۔ ہاں ترکی سپاہی بہ نسبت دیگر مقامات کے یہاں زیادہ تھے ان کے افسروں کے اشتیاق ملاقات نے مجھے ایک دو گھنٹوں کے قیام میں مطلق آرام نہ لینے دیا۔ وہ آکر ہر قسم کے بیہودہ سوالات کرتے۔ زرتاز اس امر میں یمن کے سطح مرتفع کے دیہات پر فوقیت رکھتا ہے۔ کہ ایک دریا بہت سی ندیوں کے ساتھ یہاں کے باغات میں بہتا ہے۔ زرد سرزمین پر کئی روز کے سفر کے بعد یہ سبزہ آنکھوں کو بہت بھلا معلوم ہوا

دوپہر سے پیشتر آگے روانہ ہوگئے۔ ایک موڑ مڑ کر ہموار میدان میں دور فاصلہ پر ہم صنعاء کے شہر کو دیکھ سکتے تھے۔

میں جوش مسرت میں اپنے خچر کو تیز تیز چلانے لگا۔ دو گھنٹوں کے بعد ہم ایک ٹوٹے ہوئے دروازے سے صنعاء میں داخل ہوئے۔ اس دروازے کے متصل ایک دو کمپنیاں قواعد کر رہی تھیں۔ جنگ کے آثار ہر جگہ نمایاں تھے۔ دیوار کے باہر بعض برج جو ترکوں نے بطور قلعہ بنائے تھے منہدم ہو چکے تھے۔ آدھ گھنٹہ پیشتر ہم دار السلام (خانہ امن) نامی گاؤں سے گزر چکے تھے۔ جو برعکس نہند نام زنگی کافور کے مصداق اجڑا ہوا تھا۔ یہاں عربوں نے ترکوں کا آخری مقابلہ کیا تھا۔ اور توپخانہ کے لوگوں کی تاب نہ لاکر پسپا ہوگئے تھے۔ دیواروں پر برج گرے ہوئے تھے۔ صاف طور پر دکھائی دیتا تھا کہ کہاں گولہ لگا۔ ایک برج کے بیچ سے گولہ نکل گیا تھا۔ غرضیکہ اسی طرح تباہی و بربادی کی علامتیں ہر طرف نمایاں تھیں۔

آخر کار ہم صنعاء پہنچ گئے۔ سڑک دشوار گذار و خطرناک تھی۔ لیکن تمام تکلیف اب بھول گئے تھے۔ باوجود آگاہ کئے جانے اور اس سفر سے باز رکھنے کی متواتر کوششوں کے ہم یہاں تک کامیاب ہوگئے تھے۔ اب یہ دیکھنا باقی تھا کہ یہاں ہماری کیسی آؤ بھگت ہوتی ہے؟

ایک تنگ راستے سے گذر کر جسکے دونوں طرف بلند مکانات بنے ہوئے تھے۔ ہم ایک بڑے کارروان سرائے میں داخل ہوئے۔ جو چار منزلہ مکان تھا۔ یہ سرائے بُری حالت میں تھی۔ نیچے کی منزل جو گدھوں۔ اونٹوں۔ خچروں۔ اور گھوڑوں کے اصطبل کی کے کام آتی تھی۔ نہایت غلیظ تھی۔ یہاں شیخ عبدالرحمٰن و سعید کے سوا حیوانات باربردار کے مالکوں کو اُجرت دیدی۔ کیونکہ عدن میں ایک کارروانی شخص سے معاہدہ ہوا تھا۔ کہ وہ مجھے صنعاء میں پہونچا دیگا۔ خدا کے فضل سے ہر قسم کی تکالیف و دقتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے۔ ہم صنعاء پہونچ گئے۔ اسپر شیخ بقیہ نصف اُجرت اور انعام جو اسکے حوصلے سے زائد تھا۔ دیدیا۔ ان کارروانی رفقاء کے رخصت ہونے کا نظارہ نہایت درد انگیز تھا۔ جس روز سے وہ میرے رفیق ہوئے تھے۔ ہم ایک ہی غذا کھاتے۔ اور ایک ہی چھت کے نیچے آرام کرتے رہے۔ گو وہ صرف تین ہفتے ہمراہ رہے تھے۔ تاہم مجھے ایسا معلوم ہوا۔ کہ گویا میں عرصہ دراز سے انہیں جانتا ہوں۔ جس اعتبار و اعتماد کی نگاہ سے وہ مجھے دیکھتے تھے۔ اور باوجود طویل سفروں سے خستہ و ماندہ ہونے کے جسطرح وہ اپنی طبیعت کو قابو میں رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ میری خدمت کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔ ان تمام باتوں کو میں ہمیشہ شکریہ کے ساتھ یاد رکھوں گا۔ غرضکہ میرے رفقاء آخر مجھسے رخصت ہو کر واپس ہوئے۔

بازار میں پھرتے ہوئے ہم اس حصے میں جا نکلے۔ جہاں سرکاری عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ چند لمحوں کے بعد شیخ آپکو ہز اکسلنسی احمد فیضی پاشا گورنر جنرل یمن و کمانڈر ہفتم رومی کورز کے محل میں پایا۔ میں فوراً ہی سپہ سالار موصوف کے حضور میں پیش کیا گیا۔ یہ ایک خوبصورت کمرے کے انجام پر ایک لمبی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اسکے گرد افسران سٹاف موجود تھے۔ ہز اکسلنسی نے خوشی سے میرا استقبال کیا۔ اور سلام و علیکم کے بعد ایک کرسی میرے لئے منگوائی۔ اسنے میرے آنیکی وجہ دریافت کی۔ میں نے پروانہ راہداری جسپر ترکی سفیر لنڈن کے دستخط بھی موجود تھے پیش کیا۔ یہ پروانہ قادری آفندی سے روانگی لندن سے مجھے ایک روز پہلے ملا تھا۔ چونکہ احمد فیضی پاشا انگریزی نہیں پڑھ سکتا تھا

اسلئے اسنے ایک آدمی کو بلوایا۔ جو فرنچ زبان جانتا تھا۔ میرا پروانہ اسے دکھلایا گیا۔ دفعتہً ہنر اکسلینسی کے تیور بگڑ گئے۔ اور غصہ سے سرخ ہوکر اسنے ہر طرح کے فضول سوالات پوچھنے شروع کر دئے۔ جنکے جوابات کی بھی اسنے مجھے مہلت نہ دی۔ اوّل تو یہ کہ میں انگریز نہیں ہوں پھر یہ کہ میں عدن سے ملک کا نقشہ کھینچنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اور لینا وست میں عربوں کی امداد کرتا ہوں۔ حتّٰی کہ میں (مصنّف پر جرح ہو رہی ہے۔ اور اس کا پروانہ راہداری احمد فیضی پاشا کے سامنے پڑھا جا رہا ہے) خود گھبرا گیا۔ کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں؟ یا پاشا مجھے کیا تصور کرتا ہے؟ عبدالرحمٰن جو گو ایک پورا مسلمان تھا۔ بھیس بدلا ہوا انگریز سمجھا گیا۔ پاشا نے کہا کہ کوئی عرب ایسے اجنبی لہجہ سے عربی نہیں بول سکتا۔ اور مراکو کی نسبت اسنے کہا کہ اس نام کا کوئی ملک موجود نہیں۔ اور نہ وہاں کا کوئی سلطان مولائی الحسن ثانی ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تمام شمالی افریقہ فرانس والوں کے قبضے میں ہے۔ آخر کار اسے کلمہ پڑھنے پر مجبور کیا گیا۔ عبدالرحمٰن کی ناراضی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کیونکہ سعید وہاں موجود تھا۔ جس سے اسنے مشرقی مبالغہ کے ساتھ مراکو اور وہاں کے سلطان کی شان و شوکت کے متعلق بہت سے عجیب و غریب حالات بیان کئے تھے۔ اور یہ سنکر اسے سخت اذیت ہو رہی تھی۔ کہ ترکی پاشا نہ تو مراکو کو جانتا ہے۔ اور نہ وہاں کے سلطان سے واقف ہے۔ اس پر سعید کا مسکرانا اور بھی غضب ڈھاتا تھا۔

آخر کار جوش غضب میں احمد فیضی پاشا نے دو افسروں کو طلب کیا۔ ارمنی نے مجھے پاشا کے حکم کا ترجمہ سنایا کہ مجھے بالفعل نگرانی میں رہنا پڑیگا۔ ایک ہاتھ آہستگی سے میرے شانے پر رکھا گیا۔ اور میں اس کمرے سے پہنچایا گیا۔ جبکہ خود احمد فیضی پاشا غصّے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ میں پاس کے بڑے کمرے میں چار سپاہیوں کی ایک گارد کے حوالے کیا گیا۔ جو بازاروں میں سے گذر کر مجھے گارد روم میں لیگئے۔ گارد روم احاطہ قید خانہ کے اوپر واقع تھا۔ مجھے وہاں داخل کرکے دروازہ بند کر دیا گیا۔ اور قفل لگا کر ایک سنتری پہرے پر لگا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرا تھیلا جو سرائے میں تھا۔ میرے پاس بھیجدیا گیا۔ اس اثنا میں عبدالرحمٰن و سعید پہ پاشا نے سخت جرح کی۔ اوّل الذکر

کا بیان ناقابل اطمینان تصور کرکے اسے بھی میرے پاس بھیجدیا گیا۔ سعید یمنی تھا۔ اور اسمیں کچھ شک نہیں۔ کہ اسکا یمنی ہونا ثابت ہوگیا تھا۔ باوجود اسکے اسے بھی ہمارا ہم قسمت بننا پڑا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ شائد اسکا جرم یہ تھا کہ اسنے ایسے بُروں سے صحبت کیوں رکھی؟

مینے جیل صنعاء میں پانچ روز بسر کئے۔ کمرہ صاف و پاکیزہ تھا۔ اور مجھسے معززانہ برتاؤ کیا جاتا تھا۔ البتہ ایک مرتبہ مجھسے بدسلوکی ہوئی۔ میں ایک افسر سے جو صحن میں کھڑا باتیں کرنے کے لیئے اپنے کمرے سے نکلا۔ جسکا دروازہ دن کو کھلا رہتا تھا۔ اتنے میں سنتری نے مجھے پکڑ کر اندر دھکیل دیا۔

شب اوّل میں تنہا سویا۔ لیکن آیندہ تین راتوں میں دو غیر کمیشن یافتہ افسر بھی اس کمرے میں میرے ساتھ شریک رہے۔ یہ وردی میں غلیظ انسان تھے۔ وردیوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ کبھی اتاری نہیں جاتیں۔ تاہم وہ نیک طینت اشخاص تھے اور اچھی طرح عربی بول سکتے تھے۔

پہلے دن مجھے کھانا کھانے کے لیئے باہر جانیکی اجازت ملی۔ لیکن اسکے بعد حکم ہوا کہ میں گارڈ روم کو نہ چھوڑوں۔ سوائے چہل قدمی کے اور وہ بھی ایک گارڈ کی حفاظت میں۔ بہ ہیئت مجموعی مجھے شکایت کی کوئی وجہ نہ تھی۔ البتہ پانی اور حفظان صحت کا انتظام ناقص تھا جسکی وجہ سے میں آخری شب سخت بیمار ہوگیا۔ اسی طرح عبدالرحمٰن و سعید بھی بخار میں گرفتار ہوئے۔ یہ میرے جیسے اچھے مکان میں نہ رہتے تھے۔ ایک بڑے غلیظ کمرے میں زنجیریں پہنے ہوئے قیدی ان کے رفیق تھے۔

لیکن جب دوسری ملاقات میں مینے گورنر جنرل کو انکی علالت پر توجہ دلائی۔ تو انکا کمرہ تبدیل کردیا گیا۔ ملاقات ثانی میں مینے ہز اکسلنسی کو زیادہ سوچنے سمجھنے کی حالت میں پایا۔ وہ اسبات کو سنکر بہت خوش ہوا کہ میں کسطرح یونانی سوداگر کے بھیس میں سرحد سے گذرا۔ لیکن پاشا کی مسرت سے میری حالت میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا۔ اور میں مکرر قید خانہ (گارڈ روم) میں پہنچایا گیا۔ مینے اس ملاقات کے دوران میں کہا کہ اس

سیاحت سے میری ایک غرض یہ بھی تھی۔ اخبار ٹائمز میں مضامین چھپواؤں۔ اس پر پاشا نے ایک طول طویل تقریر میں بغاوت اور اسکے وجوہات پر بحث کی۔ ہزاکسلنسی نے مجھسے پوچھا۔ کہ ایسی ہی حالت میں ہندوستان میں انگریز کیا کرینگے؟ مینے جواب دیا کہ اگر اہل عرب سے اسلحے لیئے جایئں۔ تو بغاوتوں کا انسداد ہو سکتا ہے۔ اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اسنے کہا کہ موجودہ سپاہ جو میرے پاس ہے۔ اس سے اس کام کو انجام پر پہونچانا مشکل ہے۔ اسنے کہا کہ میں نہایت بے صبری سے قسطنطنیہ سے کمک کا انتظار کر رہا ہوں۔ اسکے اوضاع و اطوار سے نیز جو کچھ مینے دیکھا یا سنا اسکے لحاظ سے کہہ سکتا ہوں۔ احمد فیضی پاشا بڑا بہادر اور مستقل مزاج سپہ سالار ہے۔ اور وہ عربوں سے سلوک کرنا خوب جانتا ہے۔ اور اسارہ میں پاشائے موصوف کو غیر معمولی تجربہ حاصل ہے۔ کیونکہ وہ عرصہ تک گورنر مکہ رہ چکا ہے۔ باوجودیکہ اسنے مجھے جیل میں بھیجا۔ لیکن اس پر بھی میں اس کے عام اوصاف کے اعتراف سے باز نہیں رہ سکتا اسکے گرد و نواح پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ کم سے کم یہاں عام سپاہیوں کی حالت سے غفلت نہیں کیجاتی۔ بست لوٹ پہنے ہوئے تھے۔ وردیاں بھی اچھی تھیں۔ اور نہ وہ فاقہ کشی کی حالت میں نظر آتے تھے۔ صنعا میں بہ نسبت دیگر مقامات کے انتظام و اہتمام بھی اچھا تھا۔ مینے پاشا سے قید کیئے جانیکی وجہ دریافت کی۔ تو اسنے کہا کہ میری موجودگی عام پسند نہیں ہو سکتی۔ مینے اسوجہ سے تمہیں گاردروم میں رہنے کا حکم دیا ہے کہ کہیں عرب آبادی تمہیں نقصان نہ پہنچائے۔

لیکن اصل بات یہ تھی کہ ترکی افسروں کو ایک انگریز کی غیر متوقع آمد گوارا نہ تھی اب تک بغاوت کے متعلق تمام خبریں مخفی رکھی جاتی تھیں۔ اسارہ میں جو تھوڑی بہت خبریں ملتی تھیں۔ وہ قسطنطنیہ کے سرکاری ذرائع سے دستیاب ہوتی تھیں۔ پس اس امر کا ظاہر ہونا کہ گورنمنٹ عثمانیہ اپنے انتہائے جنوب کے مقبوضات کو تقریباً کھو چکی تھی۔ حکام کو ہرگز گوارا نہ تھا۔ احمد فیضی کے سخت برتاؤ کی یہی وجہ تھی۔ کہ یہ آسمانی گولہ کہاں سے آپڑا۔ تاہم مجھے اسکی زیادہ شکایت نہیں۔ اور نہ میں برٹش فارن آفس کو چنداں

الزام قرار دیتا ہوں۔ جسنے خود مجھے اسیری اور چند روز زندان میں رہنے کا ذمہ وار ٹھرایا۔ حالانکہ فارن آفس نے جو پروانہ راہداری مجھے دیا تھا۔ اسکا یہ مطلب تھا۔ کہ مجھسے کہیں پرخاش نہ کی جائیگی۔ اگر ترکی قلمرو میں مجھے کسی اعانت کی ضرورت ہوگی۔ تو حکام مجھے ضرور مدد دینگے۔ پروانہ مذکور کی ترکی کانسل جنرل مقیم لندن نے بھی تصدیق کی تھی۔ اسپر سکرٹری فارن آفس کے دستخط ثبت تھے۔ اگرچہ دستخط لیتھوگراف ہونے کے بجائے قلمی ہوتے۔ تو پھر میں یہ سمجھ لیتا۔ کہ یہ پروانہ جسقدر روپیہ کا اس پر صرف کیا گیا ہے۔ اتنی مالیت کا ہے۔ مگر افسوس وہ دستخط بھی چھپے ہوئے تھے جس غرض کے لئے یہ پروانہ لیا گیا تھا۔ اسمیں محض بے سود ثابت ہوا۔ اگرچہ میں متوفی سر ولیم وائٹ (جو اسوقت قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر تھے) کی رضامندی و علم سے سیاحت یمن پر روانہ ہوا تھا۔ لیکن مجھے فارن آفس کے ایک خوشنما مراسلے میں بتایا گیا کہ میں تمام وکمال اپنی ذمہ واری پر یمن میں داخل ہوا تھا۔ پس اسکے نتائج کا خود مجھی کو متحمل ہونا چاہئے۔ اگر ترکی حکام نے مجھے چندروز قید رکھنا مناسب سمجھا۔ اور ایسا بُرا پانی پینے کے لئے دیا۔ کہ میں بیمار ہوگیا۔ تو اسکا جوابدہ بھی خود میرے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ لیکن صیغہ مذکور نے اس سوال کے جواب سے کہ آیا پروانہ راہداری کے الفاظ و عبارت کا کوئی مطلب بھی تھا یا نہیں۔ بالکل چشم پوشی کرلی۔ اور ابتک کوئی جواب نہیں آیا۔ صرف یہ کہنا کافی ہے۔ کہ باوجود ان تمام مواہیر دستخطوں اور تکلفات کے برٹش پروانہ راہداری کی ترکی قلمرو میں کوئی وقعت نہیں۔ اگر حامل پروانہ کو کوئی تکلیف پہونچے۔ تو فارن آفس اُلٹا اس بیچارے سیاح کو ملزم ٹھراتا ہے۔ جسنے پروانہ کی شان وشوکت و طمطراق سے اسے کارآمد سمجھ لیا تھا۔ ممالک غیر سے عہد و پیمان اور خدمات سوسائٹی سے سکرٹری صیغہ خارجہ کو اسقدر فرصت نہیں ملتی۔ کہ وہ ایسی خفیف باتوں پر کہ ایک انگریز صنعاء میں قید کیا گیا۔ توجہ کرسکے۔ گو اس کے مقید کرنے سے سکرٹری صیغہ خارجہ انگلستان کے پروانہ راہداری کے ہر ایک لفظ کی اہانت کی گئی ہو۔

باب ہشتم

یمن کا دار الحکومت صنعاء

شہر صنعاء سطح سمندر سے سات ہزار اڑھائی سو فیٹ کی بلندی پر ایک فراخ وادی میں بسا ہوا ہے۔ اگرچہ یہ قصبہ تقریباً وادی کی چپٹی سطح پر واقع ہے تاہم اس کے مشرق میں جبل نگوم آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ جس کی چٹانوں پر پرانے قلعے بنے ہوئے ہیں۔

شہر صنعاء مثلث صورت کا ہے۔ بیرونی دیواروں کے اندر تین متمیز حصص ہیں پہلا یا مشرقی حصہ ترکوں اور عربوں کا ہے۔ جسمیں بازار۔ سرکاری عمارات۔ اور باشندوں کے مکانات ہیں۔ دوسرا محلہ یہودیوں کا ہے۔ جسے ایک وسیع بنجر قطعہ زمین اول الذکر سے جدا کرتا ہے۔ قطعہ مذکور کے ایک حصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سابق میں یہ قبرستان ہوگا۔ شہر کا تیسرا حصہ بیر الذراب کہلاتا ہے۔ جہاں کے خوشنما باغات اور ہوادار درختوں میں بہت سی کوٹھیاں و پُر فضا مکانات ہیں۔ ان باغات کے گرد بلند دیواریں ہیں۔ باوجودیکہ صنعا شمالاً ۱۵ و ۱۶ درجہ عرض بلد کے مابین واقع ہے۔ تاہم نباتات کے لحاظ سے اسمیں منطقہ حارہ کی کوئی بات نہیں پائی جاتی ہر قسم کے انگریزی پھل پھول اور میوے پیدا ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ مقام سطح سمندر سے بہت بلند ہے۔ اور منطقہ حارہ سے اسکی آب و ہوا کے متباین ہونے کی بھی یہی وجہ ہے۔ اگرچہ دن کو بہت گرمی پڑتی ہے۔ تاہم موسم سرما میں رات کو عام طور پر کہرہ پڑا کرتا ہے۔ باوجود اسقدر بلندی پر واقع ہونے کے صنعاء کو اکثر خشک لبوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ جو دریا وسط شہر سے گذرتا ہے۔ موسم برسات میں خوب طغیانی پر ہوتا ہے۔ لیکن خشک سالی میں کنوؤں کے پانی پر قناعت کرنی پڑتی ہے۔ جو چٹانوں میں نہایت گہرے کھدے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ

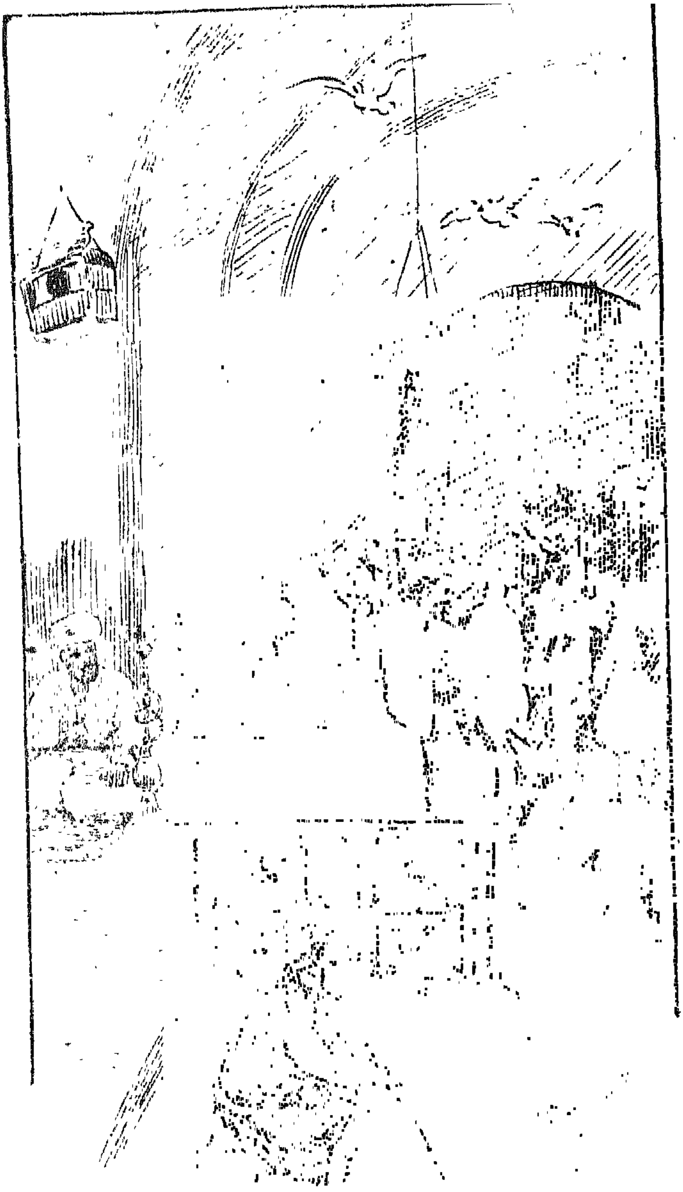

تصویر (۴۵) ۔ ایشیا کی ایک خان (سرائے) میں دوسری منزل

ان کنوؤں کا پانی ٹھنڈا اور تازگی بخش ہے۔ بہت سے مشرقی ممالک کی طرح پانی بھی ایک تجارتی چیز ہے۔ جسے سقے مشکوں میں بھر کر لیجاتے ہیں۔ اور فی مشک پانی پیالے کے حساب سے بیچتے ہیں۔ باوجود پانی کے قیمتی ہونے کے صنعاء کے باشندے اچھے صاف اور پاکیزہ نظر آتے ہیں۔ باستثنا ادنی درجہ کے ترکوں کے جنکی کثیف صورتوں کو دیکھکر خیال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے شاید کبھی پانی کا نام بھی نہیں سنا۔

شہر کے گرد خام اینٹوں کی دیوار ہے۔ اسکے متعین فاصلوں کے برج جنمیں سے اکثروں پر چھوٹی توپیں چڑھا رکھی ہیں۔ پتھر کے ہیں۔ چار خاص دروازوں سے شہر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ گو دیوار شہر عمدہ طور سے تعمیر نہیں ہوئی۔ اور نہ کبھی باقاعدہ سپاہ کے مقابلہ میں مستحکم ثابت ہو سکتی ہے تاہم گذشتہ بغاوت میں وحشی عربوں کے حملوں سے محض اسکی وجہ سے شہر بہت کم محفوظ رہا۔ جبکہ گذشتہ موسم خزاں و سرمائے سنہ ۱۹۱۱ء میں انہوں نے صنعاء کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اگر عربوں کے پاس توپخانہ ہوتا۔ تو بلا شبہ وہ صنعاء کو فتح کر لیتے۔ بعض توڑے دار بندوقوں، رائفلوں اور بھالوں سے ایسے مواقع پر کچھ نہیں ہوتا۔ گولوں کے سامنے یہ دیواریں دیر تک نہیں ٹھہر سکتیں۔ البتہ گولیاں ان خام دیواروں میں دھنس جاتی ہیں۔ اور کوئی معتد بہ نقصان نہیں پہنچاتیں۔ مزید استحکام کے خیال سے ترکوں نے دیواروں کے باہر چند صد گز کے فاصلہ پر مقررہ فاصلوں پر اصل دیوار پر برج بنا کر انپر چھوٹی توپیں چڑھا دی ہیں۔ جو عربوں کے حملوں کے روکنے میں نہایت کارآمد ثابت ہوئیں چونکہ یہ بیرونی برج ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ اور مقابلہ بھی توڑے دار بندوقوں کے سوا اور کسی کا نہ تھا۔ اسلئے انہوں نے باغیوں میں سخت تباہی پھیلائی۔ ہر ایک برج کے مٹھی بھر سپاہیوں نے ایک توپ اور چند مانلخر اندروں سے عربوں پر جبکہ وہ شہر کی طرف بڑھتے چلے آتے تھے خوفناک آگ برسائی۔

صنعاء کا مضبوط ترین حصہ وہ ہے۔ جہاں جبل نگوم پر پرانا قلعہ بنا ہوا ہے۔ اسکی دیواریں ٹھوس پتھر کی ہیں جہاں جہاں ضرورت تھی۔ ترکوں نے قلعہ کی مرمت کروادی ہے۔ اسکے دروازے کے سامنے ترکی [illegible] دروازہ کا نام مشہور ہے

نظر بند رکھا گیا تھا۔ میں نے حیرت سے دیکھا کہ قلعہ مذکور کی توپوں کا منہ شہر کی طرف ہے۔ غالباً انہیں توپوں کی دہشت سے صنعاء کے عرب باشندے ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ جبکہ دیگر تمام عربوں نے باستثنائے چند عثمانی سپاہ کے خلاف بغاوت کرنے میں تامل نہ کیا۔

بہ سمت مشرق بھی ایک ایسا ہی قلعہ گو اس قدر بڑا اور مضبوط نہیں، شہر کی حفاظت کر رہا ہے۔ اسی طرف مغربی دروازہ سے حدیدہ و ساحل کو سڑک جاتی ہے۔ مغربی و مشرقی قلعہ جات کے متصل پرانے محلات کے کھنڈر و آثار ابتک موجود ہیں۔ اب نہ تو ان کے اندر صاف پانی کے فوارے اچھلتے ہیں۔ اور نہ فرش گلستان و ناچنے والوں کی پاؤں کی آواز سے گونجتا ہے۔ بجائے اس کے اب ترکی سپاہیوں کے پاؤں کی سخت چاپ سنگ مرمر کے فرش پر سنائی دیتی ہے۔ گویا گزشتہ شان و شوکت کے حالات اسوقت فسانے سے معلوم ہوتے ہیں۔ بلاشبہ بہت سے مکانات میں خوبصورت باغات اور صحن ہونگے۔ لیکن اب ان میں سے مجھے کوئی چیز دکھائی نہ دی۔ اگرچہ میں احمد فیضی پاشا سے بھی ایک پرانے محل ہی میں ملا۔ جو اب بہ نسبت محل کے ایک بڑی فوجی بارک سے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ اس کی خوبصورتی اور وضع قطع کو ترکوں نے بالکل بدل ڈالا ہے۔ دیواروں پر سفیدی پھیر دی ہے۔ سیڑھیاں غلیظ ہیں اور سپاہیوں کے بوٹوں کے صدمے سے سیڑھیوں کے پتھر اکھڑ گئے ہیں۔ ان بالائی کمروں کی ایک میں احمد فیضی پاشا رہتا ہے۔ بیکار و بار [illegible] انتظام ہوتا ہے پہلی خوبصورتی مفقود ہو گئی ہے۔

قدیم محل اور مشہور غمدان جہاں تقریباً سو سو سیڑھیوں سے پہنچتے تھے۔ اسوقت کھنڈروں کا ڈھیر ہے۔ کیسا حیرت انگیز اور معظم عالیشان مقام ہوگا؟ جسکی چار دیواری مختلف رنگوں سے آراستہ۔ اور وسطی ہفت منزلہ عمارت کہاں تک تکلف خیز ہوگی۔ ہر ایک منزل اوپر سے چھوٹی ہوتی چلی گئی تھی۔ یہاں تک آخری منزل کا فرش سنگ مرمر کا صرف ایک پتھر تھا۔ اس کمرہ کی چھت کے ہر ایک کونے میں سنگ مرمر کا ایک شیر تھا۔ جنکے کھلے منہ میں ہوا کی آمد و شد سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ غرا رہے ہیں۔ یمن کے پرانے لوگ

عجیب و غریب خیالات و مذاق رکھتے تھے۔ افسوس کی بات ہے کہ یہ قدیم محل اور مندر جو زہرہ (ذرمس) کا تھا خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کے غیظ و غضب کا شکار ہوا۔ اور اس کے حکم سے مسمار کیا گیا۔ اگر مندر مذکور کو اپنی موت سے مرنے دیا جاتا۔ تو اسکی مضبوطی و ملک کی آب و ہوا سے امید تھی کہ اسکا کچھ نہ کچھ ابتک اپنی گذشتہ شان و شوکت کو جتانے کے لئے باقی رہتا۔

اگرچہ صنعاء کے عربی مکانات کو کوئی اجنبی اندر سے نہیں دیکھ سکتا۔ تاہم بیرونی جسامت سے انکی اندرونی قد و قامت کا بخوبی موازنہ ہو سکتا ہے۔ حتیٰ کہ ہم انگریزوں کو بھی جو بڑے مکانات میں رہنے کے عادی ہیں، صنعاء کے مکانات بہت بڑے معلوم ہونگے۔ طرز تعمیر کا بتانا مشکل ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسی طرز ہے۔ جو کہیں اور نہیں پائی جاتی۔ اسے خالص یمنی کہنا بیجا نہ ہوگا۔ اگرچہ بعض بعض مکانات کے دروازے بازنطائین و گاتھ طرزوں کے ہیں۔ دیہار میں ایک مکان ہے جو سرخ اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔ سامنے کا رخ سفید پتھر کا ہے۔ اور برآمدہ بھی سنگی ہے۔ اگر یہ مکان انگلستان کے کسی حصے میں ہوتا۔ تو الزبتھ کے زمانہ کی طرز تعمیر کا نمونہ سمجھا جاتا۔ مکان مذکور کی [illegible] ای (E) جیسی ہے گو میں اسکی تاریخ سے واقف نہیں۔ تاہم یہ کہنا درست نہ ہوگا۔ کہ اتفاقیہ اس قسم کا مکان بن گیا ہے۔ بلکہ میرے خیال میں یہ ان تارکان مذہب میں سے کسی نے بنایا ہوگا جنہوں نے عہد وسطیٰ میں قسمت آزمائی کے خیال سے یمن پہنچ کر عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کر لیا تھا۔

صنعاء میں میں نے اس قسم کا کوئی مکان نہیں دیکھا۔ [illegible] آرائش و ترتیب و زینت کے سوا یہاں کے مکانات کی طرز تعمیر کم و بیش یکساں [illegible] بہت سے بڑے مکانات پتھر، اینٹ اور چونے سے تعمیر کئے گئے ہیں۔ [illegible] مختلف رنگوں کے مربع پتھروں سے [illegible] خوشنما [illegible] ہیں۔ بالائی منزل اینٹوں کی ہے [illegible] کی طرح نہایت چمکدار ہے۔ اکثر بالائی منزلیں [illegible]

اسقدر زیادہ نہیں جسقدر کہ دیگر مشرقی ممالک میں دیکھی جاتی ہیں۔ کھڑکیوں میں رنگین منقش شیشے لگائے جاتے ہیں۔ باہر سے یہ شیشے ایسے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ جیسے اندر سے خوبصورت نظر آتے ہیں۔ کیت بے جو خلفائے قاہرہ میں سے ایک تھا۔ اسکی قبر و مسجد میں بھی یہ نمونہ دیکھا جا سکتا ہے نیز اس قسم کے کام کے بعض نمونے قاہرہ کے عجائب خانہ میں بھی موجود ہیں۔ کھڑکیوں کا چوبی کام بجائے مصر کے چین و جاپان سے زیادہ مشابہ ہے۔ کیونکہ ایک دو کھدے ہوئے نقش و نگار میں چین و جاپان کے مطابق پایا گیا ہے

اگرچہ شہر کے بہت سے بازار تنگ و پیچدار ہیں۔ اور مکانات کی بڑی بڑی دیواروں کے مابین ہر طرف مڑ تڑ جاتے ہیں۔ تاہم شہر کے بعض حصوں کی عمدہ طور سے بنیاد رکھی گئی ہے۔ اور بعض سڑکیں اسقدر فراخ ہیں۔ کہ چند گاڑیاں جو صنعاء میں ہیں۔ ان میں آجا سکتی ہیں۔ سب سے بڑی سڑک وہ ہے جو سرکاری عمارات کے چوک سے بازار کو جاتی ہے۔ یہ چند سو گز طویل ہے۔ اور اچھی خاصی چوڑی ہے۔ دونوں طرف کی دکانیں عمدہ حالت میں ہیں۔ جنکا بہت سے یورپین شہروں کی دکانوں سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ چوک مستطیل شکل کا ہے۔ اس کھلے میدان کے مشرق میں پرانا قلعہ اور بڑی ترکی مسجد ہے۔ مغرب میں امامان صنعاء کے محلات ہیں۔ جو اب فوجی بارکوں اور سرکاری دفاتر کے کام آتے ہیں۔ چوک کے انجام پر ایک الوالعزم ترک نے بہت بڑا قہوہ خانہ قائم کیا ہے۔ جہاں ترکی افسر اور چند یونانی سوداگر جمع ہو کر حقہ و قہوہ پیتے ہیں۔ اس کے دروازوں اور کھڑکیوں سے تماکو کے دھوئیں پیچ و خم کھاتے ہوئے نکلتے ہیں یہیں سے بازاروں کو راستہ جاتا ہے چند سو گز آگے عمدہ دکانیں دکھائی دیتی ہیں۔ جنکے مالک ترک و یونانی ہیں۔ یہاں ہر ایک چیز میسر آسکتی ہے۔ ایک قسم یورپ کی وہ خشک مچھلی جو ٹینوں میں بند ہوتی ہے۔ اور ادنیٰ قسم کے ترکی سگریٹ سے لیکر ٹوائلٹ کے کریم اور چاکولیٹ تک دستیاب ہو سکتا ہے۔ ایک دو دکانوں کی آئینہ دار کھڑکیاں بڑی بڑی ہیں جنسے اندرونی سامان تجارت دکھائی دیتا ہے۔ مگر اشیاء کے غبار آلود ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تجارت کی اعلیٰ گرم بازاری نہیں۔ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ بھی ہے۔ جہاں ہر قسم کے

دلپسند ترکی کھانے میسر آسکتے ہیں۔ انہیں سے بعض لذیذ ہوتے ہیں۔ الماریوں میں یونانی اور دیسی شراب کی بوتلیں ظاہر کرتی ہیں کہ صنعا کے ترک اسلام کی ممانعت شراب کے چنداں پابند نہیں۔

اس سٹریٹ سے نکلکر بازار میں داخل ہوتے ہیں۔ جسے خاص صنعا کہنا موزوں ہوگا۔ یہ پرانے وضع کا ہے۔ اور ترکوں نے ہنوز اسے اپنے مذاق کے مطابق نہیں بدلا۔

چینی و جاپانی ظروف کے یہاں بکثرت موجود ہونے کی نسبت ایک آدھ لفظ کہنا بیجا نہ ہوگا۔ یمن میں عرب سڑک کے قہوہ خانوں میں بھی مشرقی پیالے مروج ہیں حالانکہ آجکل مشرق سے ان اشیاء کی آمد و رفت بالکل مسدود ہے اس کثرت سے چینی و جاپانی ظروف کی موجودگی کی یہ وجہ خیال میں آسکتی ہے۔ کہ گذشتہ چند صدیوں میں جبکہ عدن مشرق و مغرب کے مابین تبادلہ اشیاء تجارت کی بہت بڑی منڈی تھا۔ تو اہل یمن کی خوشحالی و تمول کی وجہ سے مشرق کا زیادہ تر مال و اسباب یہاں کے اندرونی ممالک میں کھپ جاتا تھا۔ اور لوگ جس شوق سے ان چیزوں کو خریدتے تھے۔ اور احتیاط سے رکھتے تھے۔ وہ اسی امر سے ظاہر ہے کہ نہایت پرانی چیزیں ابتک یمن میں بحفاظت تمام موجود ہیں۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ اگر یمن کا دروازہ ممالک غیر کے باشندوں پر کھل جائے اور اہل یورپ امن و امان سے سفر کرسکیں۔ تو یہ خطہ یورپ کے عجیب غریب اشیائے قدیم جمع کرنیوالوں کیلئے ایک بہت بڑا میدان ہوگا۔ سکے۔ جواہرات۔ کتبے۔ بُت۔ قدیم ایرانیوں اور عربوں کی یادگاریں۔ اسلحہ۔ تانبے و پیتل کا کام۔ قلمی کتابیں۔ قالین۔ مشرقی ظروف اور گلاس وغیرہ وغیرہ چیزوں سے یمن بھرا ہوا ہے۔ اور اس کے خزانوں کو اب تک کسی نے نہیں چھوا۔

سیاح کو جو نظارے صنعا میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں بازار کا سین سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ کیونکہ یہاں پہنچکر زمانہ جدید کی ترقیوں کے تمام خیالات فراموش ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ زمانہ بہت بدلگیا۔ لیکن بازاروں کی حالت میں ذرا بھی تغیر واقع نہیں ہوا۔ زمانہ غیر معلوم سے یہاں صندوق نما چھوٹی چھوٹی دکانوں کا رواج چلا آتا ہے۔

صرف اتنی ہی تبدیلی ہوئی ہے۔ کبھی کبھی کوئی ترکی سپاہی بازاروں میں سے گذرتا ہوا نظر آجاتا ہے۔ تمام دکانیں یک منزلہ ہیں۔ جنکا فرش زمین سے ایک دو فٹ بلند ہی ہے۔ یہاں مصر و دیگر مشرقی شہروں کی طرح دکانوں کے آگے تھڑے نہیں۔ اندر دکاندار اپنے مال و اسباب میں التی پالتی مار کر بیٹھتا ہے۔ خریدار کو دھوپ سے محفوظ رکھنے کیلئے دکان کے اوپر تھوڑا سا لکڑی کا بڑھاؤ سقف کیطرح ہوتا ہے۔

جیساکہ مشرقی ممالک میں دستور ہے۔ ایک پیشہ کے لوگ ایک ہی جگہ بیٹھتے ہیں۔ بسا اوقات سارا بازار ہی ایک ہی فن کے لوگوں کا ہوتا ہے جمیں اسکے سوا کسی اور قسم کی دکان نہیں پائی جاتی۔ مثلاً اسلحہ ساز۔ جوہری۔ ریشمی و سوتی اسباب بیچنے والے۔ چینی ظروف و اشیاء کے سوداگر وغیرہ وغیرہ سب علیحدہ علیحدہ بازاروں میں خرید و فروخت کرتے ہیں۔

نباتات و میوہ جات ایک کھلے میدان میں چھوٹے سے چوبی سقف کے نیچے فروخت کئے جاتے ہیں۔ جسے سبزی منڈی کہنا بجا نہیں۔

اسلحہ سازوں جوہریوں و سناروں کی دکانیں خصوصیت سے قابل دید ہیں۔ آخرالذکر کی دکانوں میں مالائیں۔ چوڑیاں وغیرہ زیورات آویزاں ہیں جنمیں سے بعض خوبصورت ہیں۔ اور گردن کے بعض زیور نہایت خوشنما ہیں۔ جو یونانی نمونوں کا بخوبی مقابلہ کرسکتے ہیں۔ اور مشرقی موزونیت یا بھدے پن سے آزاد ہیں۔ چوڑیاں پہنچیاں اور کنگن چاندی کے ہیں۔ جنمیں ادھر ادھر زنجیریں لٹکتی ہیں۔ خنجروں کے غلاف کے بنانے میں یہاں کے سنار بہت بڑا کمال رکھتے ہیں۔ بعض پر چاندی اور کسی پر سونیکا گلٹ کیا جاتا ہے۔ بعض کے چاندی کے کام میں عیسائی بازنطاین شہنشاہوں کے طلائی سکے نہایت خوبصورتی سے جڑے ہوتے ہیں۔ نیز رنگین چمڑے اور ریشم سے غلاف پر بھی گل بوٹے کاڑھے جاتے ہیں۔ لیکن غلافوں سے بڑھکر خنجر کے پھلوں کی قدر کیجاتی ہے پرانے پھل خصوصیت سے عمدہ تصور کئے جاتے ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ فولاد کو سخت کرنیکا قدیمی فن اب مفقود ہوگیا ہے۔ لیکن جدید پھل بھی نہایت عمدہ ہوتے ہیں۔ اور

بڑی قیمت پاتے ہیں۔ غلاف و خنجر علیحدہ علیحدہ فروخت کئے جاتے ہیں۔ جب پھل پسند آجاتا ہے۔ تو خریدار اسکا غلاف اپنے مذاق و تمول کے لحاظ سے بنواتا ہے۔ قبلی یورپین سیاحوں نے ان مرصع بجواہر اسلحہ کا ذکر کیا ہے۔ جنسے امامان صنعا مسلح ہوتے تھے۔ لیکن انکا صرف ایک ہی نمونہ بازار میں میری نگاہوں سے گذرا جسکے نقرئی غلاف میں بعدسے موتی اور نیلم جڑے تھے پھل کے بغیر دُکاندار اسکی قیمت چالیس پونڈ مانگتا تھا۔ ایک اور صنعت جواب مفقود ہو چکی ہے۔ لیکن جسکے نمونے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ وہ پیتل و تانبے پر چاندی کا کام کرتا اور گل بوٹے بنانا ہے۔ عموماً تیل کے صندوقوں پر حروف نقرئی میں بخط کوفی و عربی کتبے کندہ کئے جاتے ہیں۔ بعد کا نقرئی کام قدیمی صنعت کے مقابلہ میں ادنیٰ درجہ کا ہے۔ اور چاندی کی تاریں جلد نکل جاتی ہیں۔

صنعا میں خان و کاروان سرائیں بہت ہیں جنمیں اکثر شہر کے دروازوں کے پاس واقع ہیں۔ یہ قد و قامت میں مختلف ہوتے ہیں بعض بہت بڑے ہیں۔ لیکن عموماً سخت مرمت طلب ہیں۔ خان کی صورت عام طور پر یہ ہے کہ وسط میں صحن اور اسکے گرد تین چار منزلہ عمارت ہوتی ہے نیچے کا درجہ حیوانات کے اصطبل کے کام آتا ہے اوپر کے کمروں کی کھڑکیاں بالاخانوں پر کھلتی ہیں۔ ان کمروں کا کرایہ بہت کم ہے یعنی تقریباً دو پنیں فی شب۔ اور جسقدر آدمی چاہیں ایک کمرہ لیکر سو سکتے ہیں۔ ہر ایک کاروان سرائے سے ایک قہوہ خانہ بھی متعلق ہوتا ہے۔ جہاں کھانا بھی پک سکتا ہے۔ مسافر یا تو خود اپنا کھانا تیار کرتے ہیں۔ یا اگر فیاض ہوں۔ تو خان کے ملازمین انکا کھانا پکا دیتے ہیں۔ ان سراؤں کے دروازوں پر اندرون ملک کے مختلف قبائل کے لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ جو مارب سے نمک۔ اضلاع شمالی سے قہوہ اور دیگر مقامات سے تیل و مصالحہ جات و رنگ لاتے ہیں۔ حضرموت و یافع کے کاروان بھی یہاں اپنے مال تجارت کا تبادلہ کرتے ہیں۔

صنعا کی آبادی اگرچہ سرکاری طور پر اسکی کبھی مردم شماری نہیں ہوئی۔ تاہم تخمینۃً چالیس و پچاس ہزار کے مابین ہوگی جنمیں بیس ہزار یہودی ظاہر کئے جاتے ہیں جیسا کہ

بیان کیا جا چکا ہے۔ ان کا محلہ جداگانہ ہے۔ یہ زیادہ تر دکاندار ہیں۔ اور بہ آزادی ہے کاروبار تجارت وغیرہ میں مصروف رہتے ہیں۔ رات کو اپنے محلہ میں چلے جاتے ہیں انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں دیجاتی۔ وہ آزاد ہیں۔ کہ جس قسم کی تجارت چاہیں کریں۔ اپنے معبدوں و مدرسوں میں جائیں۔ ترک ان سے کسی طرح کی بدسلوکی نہیں کرتے۔ عرب و یہودی انکی نگاہوں میں یکساں ہیں۔ اگر ان سے ٹکس گراں ہیں۔ تو عربوں کا بھی یہی حال ہے لیکن جیسا کہ یہودیوں کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ یہ بہ نسبت عرب باشندوں کے زیادہ شور و غل مچاتے ہیں۔

یہودیوں کا محلہ شہر سے جدا ہے۔ گھر گو عام اینٹوں کے ہیں۔ تاہم صاف و آرامدہ ہیں۔ لیکن کوڑے کرکٹ کو بازار میں پھینکدینا رہگذروں کی اذیت کا موجب ہے۔ اس بارہ میں عرب بھی مساوی ہیں جنکے گھروں کی نالیاں تنگ بازار کے وسط تک پہونچتی ہیں جنمیں رقیق نجاست جاری رہتی ہے۔ رہگذروں کو احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ کہ وہ کبھی دیوار کے پاس سے نہ گذریں۔ نہیں تو نالی کے چھینٹوں سے اسکے کپڑے خراب ہو جائینگے یہودیوں کے بیس سے زیادہ ہیکل ہیں۔ اور سات سو سے زائد طلبا مدارس میں پڑھتے ہیں۔ فرض کیا جاتا ہے کہ یہودیوں کی تمام مذکر آبادی پڑھ لکھ سکتی ہے۔ لیکن عورتیں صرف گھر کا کام کاج انجام دیتی ہیں۔ یا کپڑے سینے میں مصروف رہتی ہیں۔ انہیں تعلیم نہیں دیجاتی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یمن میں یہودی ہندوستان سے آئے ہیں کیونکہ قبل از اسلام یہاں جو یہودی رہتے تھے۔ انکا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ مغرور عرب گو اب بھی انکو بنگاہ حقارت دیکھتے ہیں لیکن ایسے سخت یا برا برتاؤ نہیں کرتے۔ البتہ چھوٹے لڑکے کبھی کبھی چھیڑتے ہیں۔ وہ بھی شاذ و نادر۔

اہل یمن جس بشاشت و تپاک سے اہل یورپ سے ملتے ہیں۔ اسکی تعریف نہیں ہو سکتی ادنی اور جہلا کے لوگوں کے سوا کوئی ان کے گرد حلقہ باندھ کر کھڑا نہیں ہوتا۔ لیکن [illegible] ہر شخص اشتیاق کو پورا کرنے کے [illegible] کرتے۔ اور نہ اہل مصر کی طرح اہل یورپ [illegible]

سیاح کو بڑی مسرت حاصل ہوتی ہے چنانچہ دوران سفر میں بہت سے خوبرو اور صورت وشکل کے جنگجوؤں اور نبرد آزماؤں نے مجھے خوش آمدید کہا۔ اور جس قصبہ و گاؤں سے گذرا، وہاں کے لوگوں نے دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا۔ ایک آدھ استثنٰے کے ساتھ کبھی میرا یا میرے متعلق ناگوار الفاظ میں ذکر نہیں کیا گیا یمن میں عیسائیوں کی نسبت اسقدر تعصب نہیں جسقدر کہ اسلام کے دو فرقوں زیدیہ (اہل یمن) اور سنیوں (ترکوں) کے مابین ہے۔

اگرچہ بعض اوقات وسط صنعاء میں دریائے کھارد رواں ہو جاتا ہے تاہم دریا کی سطح موسم برسات کے سوا عموماً خشک رہتی ہے۔ برسات میں دریائے مذکور طغیانی پر آکر گردو نواح کے مکانات کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ ایک جگہ دریا پر پل بنا ہوا ہے۔ جہاں سے دریا کی پوری سیر دکھائی دیتی ہے۔ اسکے زرد کناروں پر طویل مکانات بنے ہوئے ہیں جو یہاں کی خاص طرز تعمیر کا نمونہ ہیں۔

یہودی محلے کے آگے شہر کے انتہائے مغرب میں بیر الذراب ہے جہاں سڑک نسبتاً فراخ ہے۔ جو باغات کی دیواروں کے بیچ سے گذرتی ہے۔ دیواروں کے اوپر سے درختوں کے پھل پھول پتے و شاخیں نظر آتی ہیں دو دیہات جراف ہیں جہاں اکثر شہر کے لوگ جا رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام جراف ہے۔ جو بجانب شمال دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ دوسرا روضہ ہے۔ یہ جراف سے دو میل آگے ہے۔ میرے ورود صنعاء سے تھوڑا عرصہ پیشتر باغی موخر الذکر مقام کی ترکی بارکوں کو مع کیمپ ترکی سپاہیوں کے اڑا چکے تھے۔

ترکی مسجد کے سوا دیگر تمام مساجد مرمت طلب ہیں کہتے ہیں کہ ان متبرک مقامات کے تمام اوقاف کو جنسے انکی نگہداشت و مرمت ہوا کرتی تھی۔ ترکوں نے ضبط کر لیا ہے جامع مسجد ایک بڑی مربع عمارت ہے۔ جسکے گرد بلند دیوار بنی ہوئی ہے۔ اسکے دو لمبے مینار عجیب ساخت کے ہیں۔ اس مسجد میں ۱۹۱۱ء میں فرقہ کوامتیقین کے سرگروہ ابن فضل سے ایک نہایت قابل شرم حرکت ظہور میں آئی تھی۔ سنہ مذکور میں صنعاء میں مسند نشین

ہو کر جہاں یہ پہلی دو مرتبہ پسپا کیا گیا تھا۔ اسنے حکم دیا کہ مسجد کے صحن میں تین چار فٹ پانی چھوڑ دیا جائے۔ اسمیں شہر کی تمام نوجوان لڑکیاں برہنہ داخل کی جائیں۔ مینار پہ بیٹھا ہوا یہ ان برہنہ لڑکیوں کو دیکھتا تھا۔ اور جو پسند آتی۔ اسے بے حرمت کر دیتا تھا۔ پانی کی بلندی سے دیوار کا رنگ خراب کر دیا۔ جو صدیوں تک لوگوں کو غاصب تخت کی اس شرمناک شہوانی حرکت کی یاد دلاتا رہا۔

صنعاء کے تمام نظاروں میں باشندوں کا نظارہ نہایت دلچسپ ہے۔ ہر طرف کوئی نہ کوئی عجیب صورت نظر آتی ہے۔ کہیں وحشی دیہاتی آدمی کھڑا ہے جسکے کانسی کے سے شانوں پہ سیاہ بال لہرا رہے ہیں۔ اور کمر پہ لنگوٹ سا تہبند بندھا ہوا ہے۔ کہیں حجاز کے سوداگر نظر آتے ہیں۔ جنکا انداز نشست و شاہانہ ہے جنکی نشیلی آنکھیں بھنگ کے سرور کا پتہ دیتی ہیں۔ یہ لمبے دار ریشمی لباس پہنتے ہیں۔ جنکے عمامے اسقدر سفید ہیں کہ سورج کی روشنی میں چمک رہے ہیں۔ کہیں ہوگا۔ باہمت غیر مکمل لباس پہنے ہوئے ترکی سپاہی استادہ ہے۔ جسکے پاؤں میں صرف ایک بوٹ ہے۔ اور یہ اپنی سابقہ ہستی کا صرف ایک سایہ معلوم ہوتا ہے۔ چہرے سے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ مدت سے حجامت بنوانیکا اتفاق نہیں ہوا۔ علالت نے اور بھی کچومر نکال دیا ہے۔ ابھی ہم اسے دیکھ ہی رہے ہیں کہ وکٹوریہ گاڑی پاس سے گذرتی ہے جسمیں کوئی موٹا تازہ پاشا بیٹھا ہوا ہے۔ جسکی سیاہ وردی پر جابجا سنہری پیٹی لگی ہوئی ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ اسکے کپڑے۔ گاڑی اور گھوڑے اس روپیہ سے خریدے گئے ہیں۔ جو سپاہیوں کی تنخواہ کا تھا۔ کیونکہ سپاہیوں کو شاہی خزانہ کا بہت قلیل حصہ ملتا ہے۔ پھر ایک عورت گذرتی ہے۔ جو سر سے پاؤں تک رنگین لباس میں ملبوس ہے۔ باریک رنگین نقاب سے وہ آسانی سے اپنا راستہ دیکھ سکتی ہیں۔ اور کوئی نامحرم چہرے کے خد و خال کو نہیں دیکھ سکتا۔

یمن میں کوئی شہر بلحاظ قدامت صنعاء کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ قصص و حکایات سے پایا جاتا ہے کہ عاد نے جو عادیہ قوم کا مورث اعلیٰ تھا۔ اس شہر کی بنا ڈالی تھی۔ یہ قوم اس وجہ سے باد تند گرم سے جلکر ہلاک ہوئی۔ کہ اسنے حضرت ہودؑ کی نصیحت سننے سے انکار کر دیا

تھا۔ دوسرا قبیلہ ثمود بھی حضرت صالح کی بد دعا سے آسمان سے بجلیاں گرنے اور زلزلہ آنے سے ہلاک ہوا۔ قوم عاد کے متعلق ایک اور دلچسپ بیان یہ ہے کہ یمن کے اصلی باشندوں کے مورث اعلیٰ بھی تھے۔ جو رفتہ رفتہ تمام عرب پر پھیل کر قبائل عرب کے بانی ہوئے۔ اور اشاعت اسلام کے بعد یہ ایشیاء و افریقہ تک جا پہونچے۔ صنعا کا اصلی نام ازل۔ روزل یا اوزل تھا۔ موخر الذکر کے معنے عربی زبان میں ابتدا کے ہیں۔ مصنفین کا اس بارہ میں اختلاف ہے۔ کہ اصلی نام کونسا تھا۔ یہ چیز اعتنا سے بعید نہیں کہ ازل [illegible] اصلی نام ہو۔ اور بعد کی قوموں نے اسے ناقابل فہم پا کر اوزل سے بدل ڈالا ہو۔ جو عربی زبان کا ایک لفظ ہے۔ جو گو اس شہر کی قدامت پر دلالت کرتا ہے لیکن "ازل" کو اصلی نام بتانا محض ایک قیاس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

خاندان سبا کی حکومت کے زمانہ میں اگرچہ شہر سبا بمقابلہ صنعا کے زیادہ پر رونق تھا۔ تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس وقت موخر الذکر شہر موجود ہی نہ تھا۔ دیگر مصنفین قطع نظر ابن خلدون بیان کرتا ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے صنعا [illegible] خاندانوں کا صدیوں تک دار السلطنت رہا [illegible] کہ دو ہزار سال پیشتر صنعا نہایت پر رونق و آباد ہونے کے علاوہ ایک طاقتور سلطنت کا مرکز تھا۔ اور یہاں کے لوگ کس قدر تہذیب و شائستگی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن صنعا کی قدامت پر طویل بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ گو یہ مضمون دلچسپ ہو۔ مگر یہاں گنجائش ہی نہیں کہ اس پر زیادہ وضاحت سے قلم فرسائی کی جائے۔

تاریخ یمن کے ایک دو واقع اس قسم کے ہیں۔ یہاں پر ریمارک کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ پہلا ایک گرجے کی تعمیر ہے۔ جو اریاط نامی شاہ ابیسینیا کے وائسرائے یمن ابراہا اشرام نے عیسائیوں کے لئے بنوایا تھا۔ کہتے ہیں کہ شہنشاہ [illegible] نے اس گرجے کی تعمیر کے لئے سنگ مرمر و [illegible] روانہ کئے ہوتے۔ ابراہا جو ایک متعصب عیسائی تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس گرجے کے بن جانے سے وہ کعبہ کی بجائے اسے اہل عرب کی زیارت گاہ بنا سکیگا۔ عربوں کو خانہ کعبہ (مکہ) کی زیارت سے باز رکھنے اور صنعا کے گرجے کی طرف

نازل کرنے میں ناکامیاب رہکر اسنے بزور شمشیر عربوں کو مجبور کرنے کی کوشش کی چنانچہ ابرہا نے سنہ ۵۷۰ء میں مکہ پر یورش کی لیکن اس حملہ میں اسکی تمام فوج تباہ ہوئی۔

یمن میں اشاعت اسلام کیوقت یہاں کی حکومت ایرانی گورنر بدہان یا بدذان کے ہاتھ میں تھی جسنے مذہب اسلام قبول کرلیا۔ اور مرتے دم تک عہدہ گورنری پر ممتاز رہا حضرت محمدؐ کے انتقال کے ایک دو سال بعد یمن میں اسلام اچھی طرح جڑ پکڑ گیا۔

اگرچہ نجران کے عیسائی کو عرصہ تک اپنے مذہب پر قائم رہے لیکن اسلام کا سیلاب بت پرستی و عیسائیت کو بہالیگیا۔ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ نے ستارہ پرستی کی آخری یادگار مندر زہرہ تک کو مسمار کردیا۔ جو غمدان میں واقع تھا۔ اس مندر و عیسائی گرجے کے کھنڈر اتبک صنعا اور اسکے متصل نمایاں ہیں۔

اس وقت سے صنعاء کی تاریخ مشکلات و جنگ و جدل کا مرقع بنگئی اجنبی فرمانرواؤں کے ساتھ مسلسل لڑائیوں مقامی حکام کی رقابت اور خونریزیوں نے تاریخ کے صفحے ایسے گلرنگ کردیئے جسقدر کہ ممکن ہوسکتے تھے۔ ان تمام انقلابات پر بھی صنعاء موقرہ خوشحال قصبہ متصور ہوتا تھا۔ باوجود ہر ایک گورنمنٹ کے تبادلہ کی آفت کے صنعا نہ صرف زندہ رہا۔ بلکہ ترقی کرتا گیا حتیٰ کہ سترھویں صدی عیسوی کے وسط میں اماماں صنعا کی حکومت میں یہ اقبالمندی کے منتہائے کمال پر پہونچگیا۔ جوں جوں اماموں پر ادبار آتا گیا۔ اسکے ساتھ ہی صنعاء کی خوشحالی مقبوضات کے کم ہوتے جانے سے روز بروز تنزل اختیار کرتی گئی۔

آپکو معلوم ہے کہ صنعاء کی قسمت کا کیا انجام ہوا؟ قبائل گرد و نواح کے حملوں سے شکستہ دل پست ہمت ہوکر سنہ ۱۸۷۲ء میں صنعاء نے بلا مزاحمت ترکوں پر اپنے دروازے کھول دیئے جس شہر نے اتبک نہایت بہادری سے حملہ آوروں کے مقابلے کئے تھے اسنے اجنبی ترکوں کو خیر مقدم کہا۔ اگر باشندوں کو معلوم ہوتا کہ ترک کسطرح ان پر جبر و تشدد کرینگے؟ اور انکے جسم میں خون کا ایک قطرہ تک باقی نہ چھوڑینگے۔ تو وہ کبھی ترکوں کو خواہ وہ عرصہ سے سواحل یمن پر قابض ہوچکے تھے۔ صنعا میں طلب کرنیکی جرأت نہ کرتے۔

باب نہم

از صنعاء تا لحجہ

جب تک زندہ رہونگا۔ صنعاء سے اپنی روانگی کو نہ بھولونگا۔ سرد و خاکی رنگت کی صبح کو جبکہ ٹمپریچر درجہ انجماد سے کچھ ہی اوپر تھا۔ اور میں شب گذشتہ کے سخت بخار سے نیم جان ہو رہا تھا۔ تپ کی حرارت ہنوز میری رگوں میں دوڑ رہی تھی۔ مجھے کنک (گارڈ روم) کے دروازے پر خچر پر سوار کرا دیا گیا۔ اور سپاہی رفاقت کیلئے ساتھ ہوئے چونکہ میری طبیعت اچھی نہ تھی۔ اسلئے ہر ایک چیز بُری اور افسردہ معلوم ہوتی تھی۔ وہی مکانات جسکی مشرقی طرز تعمیر کو دیکھکر میں ایک روز پہلے خوش تھا۔ اب وہ مجھے ویرانہ و کھنڈر نظر آرہے تھے۔ چند آدمی جو جلد جلد پاس سے گذرے۔ وہ پو پھٹنی کی خاکی روشنی میں مثل سایہ کے معلوم ہوئے۔

ہم بازاروں میں سے گذرتے چلے گئے۔ جنکی دکانیں بند تھیں۔ اور کناروں پر اونچے اونچے گھر معلق نظر آتے تھے۔ خشک دریا کے پُل کو عبور کرکے کھلے میدان سے گذر کر یہودیوں کے محلے اور بیر الذراب کی سڑک سے ہوتے ہوئے۔ دروازہ شہر سے باہر نکلے۔ جس پر ایک دو سنتری سردی سے کانپتے ہوئے پہرا دے رہے تھے۔ ایک طویل مسطح سڑک شہر سے نواح کے میدان کو جاتی ہے۔ سڑک ایسی عمدہ تھی جیسی کہ ہم انگلستان میں دیکھنے کی توقع کرسکتے ہیں۔ بعدہٗ برہنہ پہاڑیاں راستہ میں مزاحم نظر آئیں۔ ایک پہاڑی پر چڑھتے ہوئے آخرکار اسکی چوٹی پر پہنچکے پیچھے کیطرف دیکھنے سے صنعاء کا نظارہ نہایت دلکش نظر آیا۔ جو جبل نگوم کی ایک حصہ پر واقع ہے۔ اور جسکے عقب میں اس سے بھی زیادہ بلند پہاڑ ہیں۔ دائیں بائیں وادیاں ہیں۔ شمال کی طرف کچھ فاصلہ پر ادوہ کا گاؤں نظر آتا ہے۔ جہاں ایک ماہ پیشتر باغیوں نے ترکی بارگیں پچیس ترکی سپاہیوں سمیت بارود سے اڑا دی تھیں

یہاں سے صنعاء کا قد و قامت اور وضع قطع اچھی طرح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ہماری آنکھوں کے نیچے چپٹی چھتوں کا ایک شہر معلوم ہوتا تھا۔ صرف بیر العزاب کے باغات کچھ اختلاف پیدا کر رہے تھے۔

چوٹی پر ہم ایک میدان میں وارد ہوئے جس میں جا بجا گاؤں آباد تھے۔ لیکن اب ترکی توپخانہ نے انہیں کم و بیش تباہ کر ڈالا تھا۔ کیونکہ ترکی سپاہ کو حدیدہ سے صنعاء کو آتے ہوئے یہاں سے چند میل کے فاصلہ پر بمقام حجارات المہدی عرب شریف سید الشرائع کو شکست دیکر راستہ صاف کرنا پڑا تھا۔ اس سطح مرتفع پر سڑک کسیقدر سیدھی جاتی ہے۔ باوجودیکہ سڑک اچھی فراخ ہے۔ لیکن بایں ہمہ اس پر چلنا آسان نہ تھا۔ کیونکہ مدت سے اسکی مرمت نہ ہوئی تھی۔ اور جا بجا بیٹھے ہوئے تھے۔

سورج چڑھنے کے بعد بہت گرمی ہو گئی۔ لیکن یہ صبح کی سردی کھائے ہوئے ٹھٹھرے ہوئے اعضاء کے لئے اکسیر تھی۔ چونکہ میں بخار سے کمزور ہو گیا تھا۔ اس لئے خچر سے اتر کر کچھ دور تک پیدل چلکر اپنے اعضاء میں حدت پیدا کرنے کی کوشش کی۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے متنہ کے قہوہ خانہ میں آ ٹھہرے۔ ایک پست سنگی عمارت انسان و حیوان دونوں کے ستانے کے لئے کاروان سرائے کا کام دیتی ہے۔ خان مذکور بھدے طور کا بنا ہوا ہے۔ ایک منزل بلند ہے۔ چھت محرابوں اور سنگی ستونوں پر قائم ہے۔ ان ستونوں کے گرد چھوٹے چھوٹے چبوترے ہیں۔ ایک پلیٹ فارم (چبوترہ) پر ہم نے دری بچھائی۔ اور کچھ دیر آرام کیا۔ قہوہ خانہ بھوکے ترکی سپاہیوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ اخلاق و زندہ دلی کا بہترین نمونہ تھے۔ میری موجودگی کی نسبت بعض عرب سوداگروں سے بحث و گفتگو کرتے ہوئے۔ صنعاء دلچسپی سے خالی نہ تھا۔ آخر وہ اس نتیجہ پر پہونچے۔ ایک عیسائی کی موجودگی زوال یمن کی پیشینگوئی ہے۔ جسقدر جلد ہم اس سے نجات حاصل کریں اسقدر بہتر ہے۔ میرے لئے یہ کچھ کم فخر کا

موجب نہ تھا کہ میں چین جیسے وسیع ملک پر اتنا بڑا پولیٹیکل اثر رکھتا ہوں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ میں عربی بول سکتا ہوں۔ تو انہوں نے خوشی سے مجھے اپنی صحبت میں شریک کر لیا ہمنے یکجا کھانا کھایا۔ وہ سب نہایت خلیق تھے۔ یہ مجمع کچھ کم حیرت انگیز نہ تھا۔ فاتح و مفتوح ترک و عرب یکجا تھے۔ اور میں بھی ان میں بیٹھا ہوا تھا۔ میری موجودگی کو چین کی آئندہ قسمت کے متعلق بمنزلہ پیشینگوئی کے تصور کرتے تھے بہرکیف ہماری جماعت زندہ دلوں کا مجمع تھی۔ اور ہم سب ایک ہی حقہ پی رہے تھے۔ آخرکار نہایت اعزاز اور تپاک سے دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔

یمن کی خوش گوار یادداشتوں میں سے وہ چند گھنٹے ہیں۔ جو میں نے ان سب ترک کے قہوہ خانوں میں بسر کئے۔ جنکو میں ہمیشہ بمسرت تمام یاد رکھونگا۔ کیونکہ یہاں کے سوا لوگ اور کہیں اپنی اصلی حالت و رنگ میں دکھائی نہیں دیتے۔ ایسے موقع پر سب قسم کے تکلفات بالائے طاق رکھدیئے جاتے ہیں۔ اور سیاح ان مشتبہ نگاہوں سے نہیں دیکھے جاتے جیسے کہ ہم دیکھنے کے عادی ہیں۔ ایسے اوقات میں اور عرب باہم بلا کسی رکاوٹ و اخفا کے ایک دوسرے پر اپنے دلی خیالات ظاہر کر دیتے تھے۔ جبکہ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں لکھ رہا ہوں میرا جی چاہتا ہے کہ میں پھر ایک دفعہ یمن میں واپس جاؤں۔ اور فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھکر جاپانی و چینی پیالیوں میں عربوں کا مرغوب و دلپسند قہوہ پیوں۔ اور نصف برہنہ عربوں کے جھنڈ میں بیٹھا ہوا حقہ کی پر صبر گڑگڑاہٹ شوق سے سنوں۔

تیسرے پہر مناخہ کو الوداع کہکر ہوالت سے گذرے۔ جہاں کا عجیب بازار دیکھا راستہ ہنوز چڑھائی کا چلا جاتا ہے۔ اور اکثر نہایت پیچدار و دشوار گذار ہے۔ تاہم وقتاً فوقتاً عجیب شاندار نظارے دکھائی دیتے تھے۔ وہ تکلیف سفر کا کافی معاوضہ تھے۔ راستہ میں ایک پہاڑ کی چوٹی کی طرف جاتا تھا جسکے شمال میں ہزاروں فٹ نیچے ایک بڑی وادی تھی۔ وادی مذکور کیسی حیرت انگیز تھی۔ جسمیں سرتاپا قہوہ کاشت کیا ہوا تھا۔ اور ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا تھا۔ دیگر درختوں میں کیلے

سے کے پتے صاف طور پر دکھائی دیتے تھے۔ کوہی پہلوؤں کے اس سبزہ زار میں جا بجا دیہات آباد تھے۔ اور ہر ایک برج یا قلعہ رکھتا تھا۔ جو کسی اونچے چٹان پر تعمیر کیئے گئے تھے۔ اوپر سے ہمیں اُن بروج کی چھتیں دکھائی دیتی تھیں۔ راستہ میں اکثر کئی کئی منٹ ٹھہر کر اس دلفریب نظارے سے آنکھوں کو تازگی بخشنے کے لیئے ٹھہر جاتا تھا۔ یہانتک کہ شام نے وادی پر کہرہ کی چادر پھیلا دی۔ سامنے کی چوٹیوں کے سوا تمام منظر ہمیں چھپ گیا۔ یہ کیسی عجیب سرزمین ہے۔ یہ کوہستانی وادیاں کیسی مہتم بالشان تاریخ اور حکایات کا منبع ہیں۔ چمکتی ہوئی ندیوں کا پانی کیا فسانہ سناتا ہے؟ جسکا صاف و شفاف پانی اکثر خون سے رنگین ہو جاتا تھا۔ اتنے میں رات ہو گئی۔ اور تمام سینری پر خاموشی چھا گئی۔

سطح سمندر سے دس ہزار فیٹ کی بلندی پر پہنچنے کے بعد اُترائی شروع ہوتی ہے ہم ایک دو مرتبہ قلعہ رکھنے والے دیہات سے گذرے۔ اور آخرکار اپنے قیام گاہ سب سوق الخمیس میں پہنچ گئے۔ اسکے گرد و نواح میں بھی بہت سے دیہات ہیں۔ انہیں سے ایک پر جہیں سے ہم گذرے۔ ترک قابض تھے۔ سپاہیوں کے ہنسی، قہقہوں اور گانے کی آواز شب کے امن و امان میں خلل انداز تھی۔

ہم ایک برج نما عمارت کے سامنے ٹھہر گئے۔ ہمارے گارڈ نے بتایا کہ یہاں ہمیں رات کو ٹھہرنا ہوگا۔ دیر تک بھاری دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد صحن میں داخل ہونیکی اجازت ملی۔ جہاں سے ہم اندر مکان میں گئے۔ ایک غلیظ کوہستانی آدمی جو صرف بھیڑ کی پوستین پہنے ہوئے تھا۔ ہمارا رہنما تھا چراغ کی روشنی میں سنگی زینہ پر چڑھ کر ہم مہمانوں کے کمرے میں پہنچے۔ یہ کمرہ نہ تو فراخ تھا۔ اور نہ اچھی طرح صاف ہی کیا ہوا تھا چھت کوئلے کے دھوئیں سے سیاہ اور سنگی فرش [illegible] تھا۔ جسکے نشیب و فراز کو قالین بھی چھپانے سے ناقابل تھا۔ [illegible] طرف چھوٹی کمرہ تھا۔ میزبان نے ہمیں آرام کرنے کے لیئے کہا۔ اور خود [illegible] گاؤں کی ترکی سپاہ نے اشیائے خوردنی و اجناس کا خاتمہ کر دیا ہے۔ [illegible]

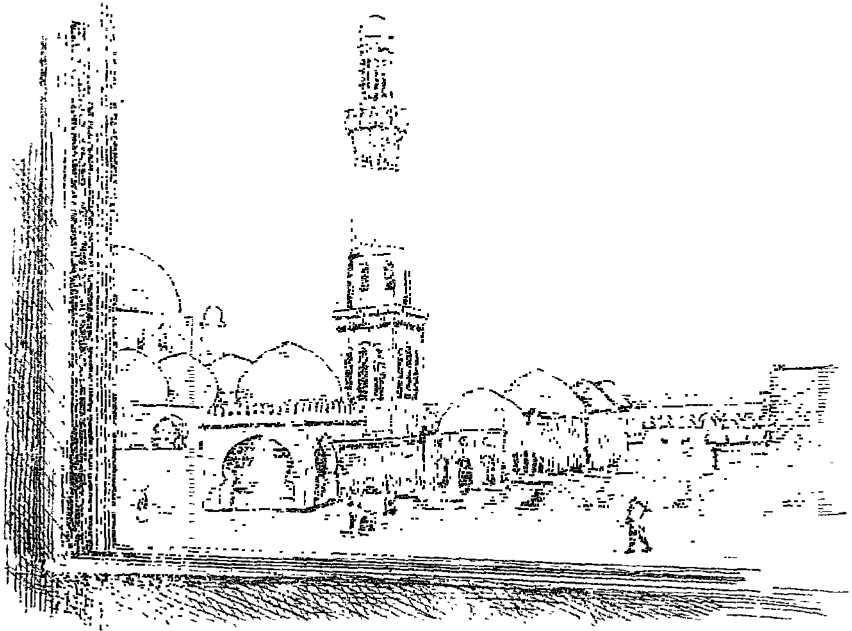

تصویر (۱۴) صنعا میں ترکی مسجد جس طرح کہ قید خانہ کی کھڑکیوں سے نظر آتی تھی۔

ہمنے اپنی دری بچھائی ۔ عبدالرحمن سعید ۔ اور میرا ترکی دعرین گارڈ ایک انگیٹھی کے پاس بیٹھ گیا ۔ اور انہوں نے مٹی کے برتن میں قہوہ جوش کرنے کیلئے رکھدیا اور اور میرے ساتھ حقہ پیتے رہے ۔ ہم سب تھکے ہوئے تھے ۔ لہٰذا بہت کم گفتگو ہوئی لیکن سعید کبھی کبھی گانا شروع کر دیتا تھا ۔ جو کانوں کو بھلا معلوم ہوتا تھا ۔

ٹھیک اسوقت ہمارا میزبان ایک آبلا مرغ اور چند روٹیاں لیکر آیا ۔ اس نیک آدمی کو اسکے سوا اور کچھ دستیاب نہو سکا ۔ مرغ کو فوراً ذبح کر کے قہوہ کی بجائے انگیٹھی پر چڑھا دیا گیا ۔ مرغ کے جسم پر ہڈیوں کے سوا گوشت کا نام تک نہ تھا ۔ کھانا تیار ہو جانے پر سب نے ملکر کھایا ۔ اور دیر تک مرغ کی ہڈیوں پر مذاق ہوتا رہا ۔ آخر اس بات پر اتفاق ہوا ۔ کہ گذشتہ بغاوت کی فاقہ کشیوں کے بعد یہ مشت استخوان رہ گیا تھا ۔

دوسری صبح جب ہم سوق الخمیس سے روانہ ہوئے ۔ تو اسوقت کا نظارہ بھی روز گذشتہ سے کچھ کم دلچسپ نہ تھا ۔ رات کے کہرہ کے دور ہونے پر سلسلہ کوہ کے پیچ بپیچ نظر آنے لگے ۔ ان کی چوٹیاں ایک دوسرے سے اونچی تھیں ۔ اور مغرب میں پہاڑ کی بلندی سب پر فوق لیگئی تھی ۔

اترائی ڈھلوان اور کسی قدر پیچدار تھی ۔ کہیں کہیں ترکی انجینیروں نے مرمت بھی کروا دی تھی ۔ دیگر مقامات میں صرف پہلوئے کوہ میں پاؤں رکھنے کی جگہ تھی ۔ بہت سے نیلگوں پہاڑی کبوتر صبح کی روشنی میں ادھر ادھر اڑ رہے تھے ۔ میں نے چاہا چند کبوتروں کا شکار کروں ۔ کیونکہ صرف ایک مرغ آٹھ آدمیوں کے لئے کافی غذا نہیں ہو سکتی ۔ اور ہمیں اندیشہ تھا کہ آئندہ قیام گاہ میں بھی غذا ویسی ہی عسیر الحصول ہوگی ۔ جیسا کہ گذشتہ شب ہمیں تجربہ ہو چکا تھا ۔

ایک جگہ ایسا عجیب نظارہ دیکھا ۔ جو اب تک نگاہوں سے نہ گذرا تھا ۔ نصف راستہ پر نیچے ایک ڈھلوان نشیب میں جس میں جنگلی درخت اُگے ہوئے تھے ۔ ایک تیز رو نالہ تھا ۔ صاف و شفاف ٹھنڈا پانی گرجتا ہوا نالہ میں جا رہا تھا ۔ پیچھے ایک پہاڑ کی چوٹی آسمان سے باتیں کر رہی تھی ۔ اسکے نیچے نشیب میں درخت تھے ۔ اور چوٹی پر ایک

برباد شدہ گاؤں تھا۔ جسے ترکی توپخانہ نے ہدف بنایا تھا۔ صرف دیواریں اس تباہی پر نوحہ خوانی کے لئے باقی رہ گئی تھیں۔ چھوٹی سی گنبد دار مسجد جسکی سفیدی درختوں کے پتوں سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھی۔ اور پانی کے چلنے کی آواز ایک نہایت پُر امن اور دلفریب منظر پیش کر رہے تھے۔

آخر کار آترائی تکمیل کو پہنچی۔ ہم ایک ویران وادی میں داخل ہوئے خشک دریا کی سطح پر جس میں جا بجا چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہمنے چلنا شروع کیا۔ کیونکہ بہ نسبت سڑک کے یہ پھر بھی اچھا راستہ تھا۔ کم و بیش ایک گھنٹے کے بعد ہم صفحاک کے عجیب قلعے کے نیچے سے گذرے۔ جو وادی سے پانچسو فیٹ بلند چوٹی پر نہایت شان و شوکت سے استادہ تھا۔ بائیں طرف ایک بھاری ترکی سپاہ خیمہ زن چھوڑ کر ہم نے پھر چڑھنا شروع کیا۔ کچھ عرصہ تک ہمارا سفر نہایت خوبصورت چوٹی سے وادی میں جاری رہا۔ دونوں طرف پچاس سے سو فٹ تک بلند چٹانیں تھیں۔ اور بکثرت پھولدار درخت اُگے ہوئے تھے جس سے اس درہ پر کوہ قاف کا دھوکا ہوتا تھا۔ ڈھلوان چٹانوں پر پیپل کے درخت بھی بہتات سے تھے۔ نیز موجودہ دیگر اقسام کے درختوں کی بھی کچھ کمی نہ تھی۔ ایک بڑا پھولدار درخت جسکے پھول آبی رنگ کے تھے۔ پانی کے تنگ راستے کے کنارے پر نصب تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا کسی نے ہاتھ سے لگایا ہے۔ ایک گھنٹہ کے بعد ہم عجز کی کاروانسرائے میں دوپہر کی گرمی سے بچنے کے لئے ٹھہر گئے۔ اسوقت سرائے بھی تنور کا نمونہ بن رہی تھی۔ قہوہ خانہ کا مالک ایک زخمی ترکی سپاہی تھا۔ مگر انتہا کا غبی تھا۔ تاہم اسنے اپنی باتوں اور حرکات سے ہمیں بہت خوش کیا۔ اسنے میرے لئے قہوہ اور آدمیوں کے لئے جوش دیئے ہوئے ہوئے پتوں کو پھر جوش دینے کے لئے جداگانہ ظروف میں چولہے پر چڑھا دیا۔ رچہ یمن سے بکثرت قہوہ بیرونجات کو جاتا ہے۔ تاہم یمن میں صرف ترک اور متمول شخاص ہی اسکا استعمال کر سکتے ہیں۔ غربا جوش دیئے ہوئے پتے ارزاں خرید لیتے ہیں ر اسپر گذارہ کرتے ہیں۔

تجنز میں ہمنے صرف ایک دو گھنٹے صرف کئے۔ کیونکہ میں چاہتا تھا کہ تاریکی ہونے سے پہلے مٹنج پہونچ جاؤں۔ پس تیسرے پہر کی گرمی ہی میں ہمنے بوڑھے میزبان اور ہمتی بھرتی کی سپاہیوں کو جو ہمیں آملے تھے۔ خدا حافظ کہا اور خچروں پر سوار ہو کر آگے روانہ ہوگئے۔

جوں جوں آگے بڑھتے گئے۔ نظارہ شاندار ہوتا گیا۔ ہم اسوقت قلب کوہستان میں داخل ہو رہے تھے جسکی چوٹیوں میں سے ایک پر قصبہ مٹنجہ واقع ہے۔ یہاں جو دریا بہ رہا ہے۔ وہ سطح سمندر سے تقریباً پانچ ہزار فیٹ کی بلندی پر ہے۔ راستہ تنگ و کوہستانی تھا۔ ہمارے چھوٹے خچر جسطرح پہاڑ کے پہلو پر چڑھ رہے تھے۔ وہ کچھ کم حیرت انگیز نہ تھا۔ دامن کوہ میں خچروں سے اترکر میں اور عبدالرحمٰن و سعید تفریحاً آگے دوڑے کہ دیکھیں کون ہم تینوں میں سے آگے نکل جاتا ہے۔ اگرچہ جا بجا ٹھوکریں کھاتے تھے۔ مگر برابر بھاگے چلے جاتے تھے۔ ایک آتا ہوا کارروان ہمیں یوں بے تحاشا دوڑتے ہوئے دیکھکر سخت متحیر ہوا۔ سعید ملکی لباس میں تھا عبدالرحمٰن کوہستان مراکو کی پوشاک اور میں سواری کا لباس۔ فلالین کی قمیض اور ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ اہل کارروان ہمیں اسطرح دیکھنے لگے کہ گویا ہم دیوانے تھے تاہم اپنے تعجب پر ہمارے قہقہوں کے شور سے وہ ایسے خوش ہوئے کہ جلد دوست بنگئے اور جب تک میں انمیں سے ہر ایک سے ہاتھ نہ ملا چکا۔ انہوں نے مجھے جانے نہ دیا۔ غرضکہ ہم اوپر چڑھتے چلے گئے۔ سواری کی خچریں پیچھے خچر بانوں کے ساتھ آرہی تھیں۔ یہاں وہاں جا بجا چشمے ہیں۔ جہاں باشندوں نے تالاب بنا دئے ہیں۔ وقتاً فوقتاً ہم پانی پینے اور ہاتھ منہ دھونے کے لئے ٹھہر جاتے تھے۔ پیدل راستہ سے اڑھائی ہزار فیٹ سے زیادہ بلندی پر پہنچکر چوٹی پر پہونچ گئے۔ مٹنجہ کا قصبہ ہماری آنکھوں کے سامنے تھا۔ میں یہاں ٹھہر گیا اور سپاہیوں کے آنیکا انتظار کرنے لگا۔ جنہیں بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ ہم ایک چٹان پر بیٹھکر سامنے کا نظارہ دیکھنے لگے۔ یہ سین نہایت فرحت بخش تھا۔ ہمارے دائیں طرف پہاڑوں

کی بستہ چوٹیاں تھیں۔ یہاں سے ہم وہ پہاڑ اور راستہ بھی دیکھ سکتے تھے جسپر سفر کرکے چوٹی پر پہنچے تھے۔ ہماری خچریں بہت نیچے رہ گئی تھیں۔ اور چیونٹیوں کی طرح اوپر چڑھتی دکھائی دیتی تھیں۔ نیچے وادی میں دریائے زوم خط نقرہ کی طرح بہ رہا تھا۔ اور اسکے کناروں پر چند خاردار درخت سبز خلعت پہنے استادہ تھے۔ چند جھاڑیاں اور ایلوا وغیرہ کے درخت بھی ہمارے سامنے تھے۔ غروب ہونے والے سورج کی شعاعیں پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پڑ رہی تھیں۔ اور جو کئی کئی ہزار فیٹ بلند تھیں۔ اور جنپر دیہات آباد تھے۔ آخر کار خچر تک پہونچ گئے۔ ان پر سوار ہو کر وہ چند گز راستہ طے کیا گیا۔ جو وہاں سے شہر تک باقی رہ گیا تھا۔ قصبہ میں داخل ہو کر ہم اس خاص سرکاری مکان کیطرف روانہ ہوئے جہاں گیا کسم رہتا تھا۔

میرے ترکی کمانڈر تو گورنران مقیمہ حدیدہ کے نام چٹھیاں دیگئی تھیں۔ خط کو پڑھتے ہی گورنر نے مجھے طلب کیا۔ میں نے اسے خوش مزاج پایا۔ جیسا اکثر ترک حسب ضرورت ہو جایا کرتے ہیں۔ ایک دو گھنٹے اسکے ساتھ مسرت سے گذرے۔ گورنر نے حکم دیا کہ سرکاری دفاتر کے مضافات میں ایک کمرہ میرے لئے خالی کیا جائے۔ گورنر سے رخصت ہو کر میں ایک وسیع آرام دہ ہوا دار کمرہ میں داخل ہوا۔ جو نیچے کی منزل میں تھا۔ اسکی ایک کھڑکی اس میدان کی طرف کھلتی تھی۔ جہاں ترکی سپاہی قواعد کیا کرتے تھے۔ اس سے پہاڑ کی وہ چوٹی دکھائی دیتی تھی۔ جو قصبہ کی سطح سے چند سو فیٹ بلند تھی۔ اور جہاں ایک ترکی قلعہ بنا ہوا تھا۔ اس کے متصل ایک توپخانہ کے سپاہی قواعد کر رہے تھے۔

مجھے یہ بھی بیان کر دینا چاہئے تھا کہ صنعا سے ہم اس راستے سے روانہ ہوئے تھے جس راستے سے سلسلہ تار صنعا سے حدیدہ پہونچایا گیا تھا۔ دیگر مقبوضات کے سلسلہ تار کی طرح یہ بھی محض سرکاری اغراض کے کام آتا ہے کہیں تار بھیجنے سے پیشتر سرکاری افسر سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ صنعا میں مجھے اس قسم کی اجازت دینے سے انکار کیا تھا۔ نتیجہ میں تار برقی کا ایک شاندار دفتر ہے

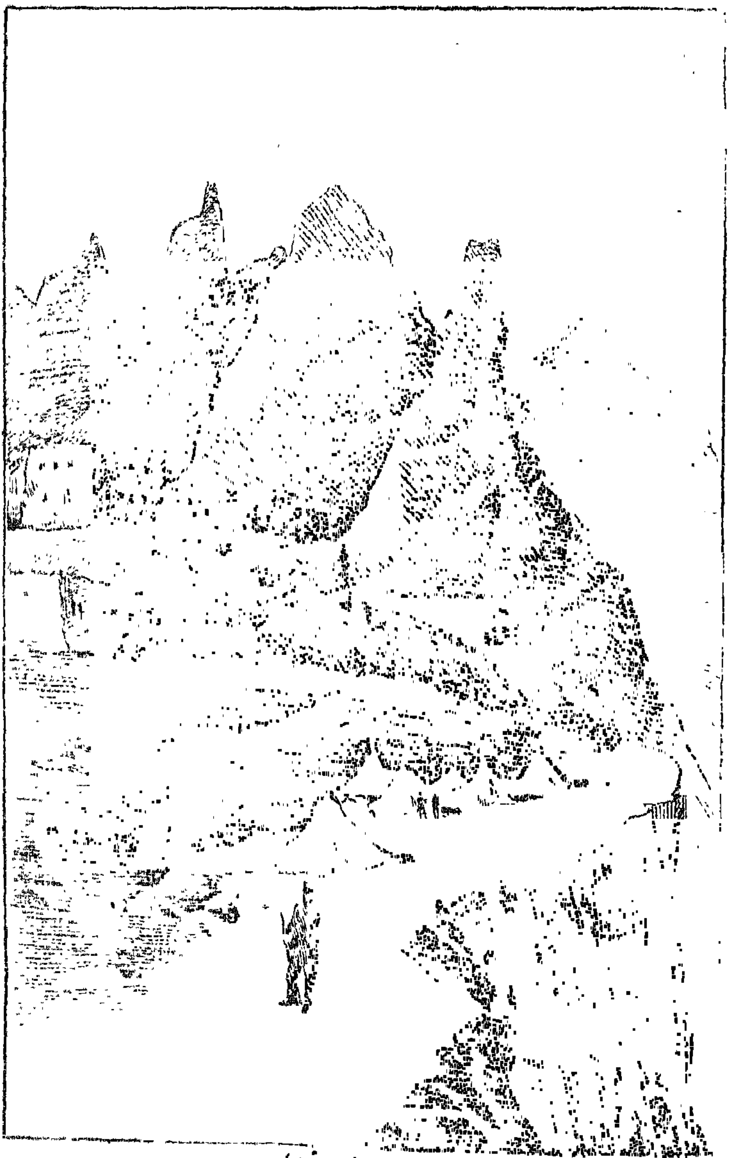

تصویر (۴۲) منا خا جانب شمال سے

کیماکم سے مرخص ہونے کے بعد شہر کی سیر کو روانہ ہوا۔ ایک گارڈ میرے عقب میں تھا۔ لیکن وہ میری حس و حرکت میں مخل نہ تھا۔ میں انکی موجودگی میں خاکہ بھی اتار لیتا تھا۔ لیکن انکی طرف سے صرف اسیقدر ہدایت ہوتی تھی کہ اگر کسی نے نقشہ اتارتے دیکھ لیا۔ تو ہماری جان کو آ جائیگا۔ لہذا آپ کسی آڑ یا چٹان کے پیچھے چھپ کر خاکہ اتارا کریں۔ تاکہ کوئی غیر نہ دیکھ سکے۔

جسقدر مقامات ابتک میری نگاہوں سے گزرے تھے۔ انہیں تینہ خصوصیت سے حیرت انگیز طور پر واقع ہوا ہے۔ تینہ ایک تنگ کوہستانی قطعہ پر آباد ہے۔ جو دو سلسلہ کوہ کو باہم وصل کرتا ہے۔ ایک تو وہ وادی ہے۔ جس پر ہم سفر کرکے پہنچے تھے۔ اور دوسری مغرب کی سمت ہے۔ یہ قصبہ ان دونوں وادیوں کو باہم پیوست کرتا ہے۔ اور تینہ ایسے تنگ موقع پر آباد ہے کہ دونوں طرف گھروں کی دیواریں ڈھلوان چٹانوں پر بنی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ فوجی ہسپتال کے متصل بیٹھکر نہایت آسانی سے ایک ہی وقت میں دونوں وادیوں کی بخوبی سیر ہو سکتی ہے۔ اوپر کی چوٹیوں سے یہ نظارہ اور بھی دلفریب ہو جاتا ہے۔ عمودی کراڑوں میں لوگوں نے مکانات و برج بنائے ہوئے ہیں۔ یہ خیال کرکے آدمی متعجب ہوتا ہے کہ وہ کسطرح اترتے چڑھتے ہونگے۔ اور پانی انہیں کہاں سے میسر آ سکتا ہوگا۔

تینہ کا گاؤں چھوٹا سا ہے۔ شاید اسکی آبادی پانچ ہزار متنفسوں کی ہوگی۔ اس تخمینہ سے وہ ترکی سپاہی مستثنیٰ ہیں۔ جو میری سیاحت کے وقت وہاں مقیم تھے۔ مکانات پتھر کے ہیں۔ اور عمدہ قسم کے ہیں۔ بعض بعض چار منزل بلند ہیں۔ سہ منزلہ مکان اکثر ہیں۔ سرکاری دفاتر۔ فوجی ہسپتال۔ اور بارکوں سے یہ یورپین قصبہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ تمام سرکاری عمارات جدید ترکی نمونہ پر تعمیر کی گئی ہیں۔ انکی چھتیں ساجی اور کھڑکیاں آئینہ دار ہیں۔

بازاروں میں احتیاج زندگی کی چیزیں بافراط مل سکتی ہیں۔ اگرچہ میرے وہاں پہنچنے کیوقت گوشت۔ سبزی بوجہ ترکی سپاہ کی موجودگی کے گراں تھی۔ بازاروں میں گزرتے

ہوسکے۔ ایک دکاندار انگریزی زبان میں مجھسے مخاطب ہوا۔ چونکہ مجھے ہرگز امید نہ تھی کہ کسی انگریزی بولنے والے متنفس سے ملاقات ہوگی۔ اسلئے سخت متحیر ہوا۔ اس دکاندار نے بتایا کہ وہ سومگم میں چند سال تک ایک انگریز کا ملازم رہ چکا ہے اسکے ہمراہ اسکی دکان پر گیا۔ جہاں ہر ایک چیز سارڈاین سے لیکر پورٹ شراب تک موجود تھی۔ نصف گھنٹہ میں نے اس سے گفتگو میں صرف کیا۔ یہ بظاہر ایک ہوشیار آدمی تھا۔ اور یمنا میں اسکی دکان خوب چلتی تھی۔ عربوں کے منیخہ پر مسلط ہونے اور ترکوں سے مکرر فتح کرنے کے وقت یہ قصبہ میں موجود تھا۔ لیکن دونوں حالتوں میں اس کے مال واسباب کا ذرا بھی نقصان نہیں ہوا۔

چونکہ منیخہ سطح سمندر سے سات ہزار چھ سو فیٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اس لئے یہاں ہمیشہ جلد جلد تبدیل ہوتا رہتا ہے سورج کی تیز روشنی میں منیخہ پہونچنے کے دو گھنٹے بعد آسمان پر بادل گھر آیا۔ اور حرارت کم ہوکر ۵۰ درجہ تک رہگئی۔ سلگتے ہوئے کوئلوں کی ایک انگیٹھی بہم پہونچاکر ہم اسکے گرد بیٹھ گئے۔ ہمارے حلقہ میں دو خوبصورت ترکی افسر بھی آکر شامل ہوگئے۔ جو اچھی طرح عربی بول سکتے تھے۔

آٹھ بجے شب کے مجھے دفعۃً بخار ہوگیا۔ جو دس بجے صبح تک نہ اترا۔ جبکہ میں اسقدر کمزور ہوگیا۔ کہ سہارے کے بغیر استادہ نہو سکا۔ اسلئے اس روز سفر ملتوی رہا۔ اور کیاکم نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ جہانتک اس سے ممکن تھا۔ مجھے آرام پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ تیسرے پہر مجھ میں اسقدر طاقت آگئی۔ کہ میں چٹان کے ایک غار میں جا کر بیٹھ سکا۔ یہاں میرے آدمیوں نے آگ جلا کر قہوہ بنایا۔

ہمسے دور نیچے دیہات آباد تھے۔ جنکی چپٹی چھتوں کو ہم اوپر سے دیکھ سکتے تھے اور یہ شطرنج کے خانوں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ وادی میں ایک نقرئی تار کی مانند دریا رواں تھا جس میں بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیاں آکر گرتی تھیں۔ سامنے پہاڑ اور انکی چوٹیاں نہایت دلکش دکھائی دیتی تھیں۔

جس غار میں ہم بیٹھے تھے۔ اسکے گرد جنگلی پھول جھاڑیاں درخت وغیرہ افراط سے

سے تھے۔ درختوں کی کثرت نے درمیانی مسافت بالکل چھپا دی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہاں سے نیچے کی وادی ایک قدم ہے۔ اور وہاں سے چوٹیوں تک دوسرا قدم۔

صرف خوشنما نظارے ہی کی وجہ سے منخہ مشہور نہیں۔ بلکہ نہایت عمدہ جنگی موقعہ رکھنے کی وجہ سے خصوصیت سے شہرت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ حدیدہ و صنعا کے راستے کا محافظ ہے۔ اور دونوں مقامات سے یکساں فاصلہ پر ہے۔ خط وکتابت ارسل رسائل کا راستہ صنعا سے ساحل (حدیدہ) تک صاف رکھنے کیلئے یہاں کچھ ترکی سپاہ متعین ہے۔ اور بعض قلعے بھی تیار کئے گئے ہیں۔

غدر میں منخہ نے کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ پہلے ہی قصبہ باغیوں کے ہاتھ آیا۔ گورنر قید ہو گیا۔ کچھ ترکی سپاہی مارے گئے۔ بقیہ سرغنہ بغاوت کے پاس سدرہ میں بھیج دیئے گئے۔ پہو جیلہ کے متصل ترکوں نے فتح پانے کے بعد منخہ پر پھر قبضہ کیا۔ حدیدہ سے صنعا تک کے کوچ کے اعزاز کا مستحق احمد فیضی پاشا ہے۔ جو دس ہزار فیٹ کی بلندی پر نہایت خراب راستے سے اپنی توپیں کھینچکر لے گیا۔ اس فاتح ترک کی مظفرانہ آمد پر عرب منخہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اگر عرب باغیوں کے افسر اچھے ہوتے۔ اور اسلحہ بھی ان کے پاس جدید طرز و نمونہ کے موجود ہوتے۔ اور وہ سڑک کو نسبتاً زیادہ کامیابی سے تباہ کر سکتے۔ اور ناقابل تسخیر مورچوں پر استقلال سے جمے رہتے۔ تو ہمیں ذرا بھی شک نہیں۔ کہ ترک ہرگز صنعا تک نہ پہونچ سکتے۔ اور آج یمن امام احمد الدین کے ہاتھوں میں ہوتا۔ غروب آفتاب کیوقت شام گذشتہ کیطرح پھر بادل[3] — تھے۔ اور حرارت اسقدر کم ہو گئی۔ کہ ہم اپنے کمرے میں باوجودیکہ آگ جل رہی تھی تاہم سردی سے کانپ رہے تھے۔ پھر بھی انسان سردی کا متحمل ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ بخار سے مبرا ہو۔ ایک شب کی تنہائی تو مکان کے بیچ ہی ایک بھاری کندے کی طرح پڑا رہا۔ اور مچھروں کا شور و غل۔ بگل کی آواز مجھے صبح سے پہلے نہ جگا سکا۔ جب میں بیدار ہوا۔ تو میں نے دیکھا کہ میرے آدمی خچروں کو بار کر رہے ہیں۔

باب دہم

منیخہ سے حدیدہ تک

منیخہ سے ساحل کی سڑک چند میلوں تک کوہستانی ہے۔ تھوڑی دیر کی چڑھائی کے بعد ایک گھنٹہ میں ہم سطح سمندر سے آٹھ ہزار فیٹ کی بلندی پر پہونچ گئے۔ یہاں پہاڑ کی ایک چٹان کو عبور کرنا پڑتا ہے جسکے قریب ہی چٹان پر "کارنٹ الہجرا" کا مشہور گاؤں ہے۔ اسکے مکانات سنگی اور بعض برج نما ہیں۔ گاؤں کے گرد ڈھالو چٹان ہیں۔ جنکے نشیبی حصص کو چبوترہ نما بنا کر کاشت کیگئی ہے۔ بظاہر یہ گاؤں بڑا اور مستحکم باشان نظر آتا ہے۔ اور موقعہ کے لحاظ سے فی الواقع اعلیٰ درجہ کا مضبوط ہے آس پاس کا علاقہ نہایت خوبصورت ہے۔ اسکی وجہ پانی کی افراط ہے۔ درختوں کھیتوں اور جنگلی پھولوں کی نہایت کثرت ہے۔ اسوقت گھاس اور غلہ کے کھیت وغیرہ غرضکہ تمام نشیبی حصہ سبز و شاداب تھا۔ اور فرش زمردین کا دھوکا ہوتا تھا۔ ہجرہ کو داہنی طرف چھوڑ کر اترائی شروع ہوتی ہے۔ اترتے ہوئے ایک اور گاؤں پر نگاہ پڑی جو پہلے سے بھی زیادہ شاندار تھا۔ اسکا نام آتارا ہے۔ چبوترہ نما نشیبی کھیتوں سے چٹان چند صد فیٹ بلند ہے۔ اور عمودًا دو حصص پر منقسم ہو گیا ہے۔ چوٹی پر ایک بڑا مکان برج نما بنا ہوا ہے۔ وہاں تک پہنچنے کا بظاہر کوئی راستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ مگر ہمراہیوں نے بتایا کہ ٹھوس پہاڑ میں چوٹی تک سیڑھیاں کاٹی گئی ہیں جسکے ذریعہ سے لوگ آتے جاتے ہیں۔ اس چوٹی کے پاس ہی نیچے کیطرف بقیہ گاؤں ہے۔ چوٹی پر جسقدر عمارت بنی ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔ ٹیڑھے میڑھے راستے سے اترتے ہوئے ہم ایک ایسے مقام پر پہونچے جسکی صورت ایک تشتری کی سی تھی اور گاؤں اسمیں بسا ہوا [illegible] کے واقع تھا۔ یہاں کھیتوں [illegible] کیلے کے درختوں کے علاوہ قہوہ کی بکثرت کاشت کیجاتی تھی۔ ایک تنگ [illegible] مقام پر جنگل سے

قبضہ کر لیا تھا۔ جہاں عجیب و غریب درخت اور چنبیلی کے پودے اُگے ہوئے تھے ان پھولوں کی خوشبو سے ہوا بس رہی تھی۔

پہلوئے کوہ کے پیچدار راستے سے اُترتے ہوئے ہم دوپہر سے پہلے وسٹیل کے قہوہ خانے میں پہونچ گئے۔ جو ایک ڈھالو چٹان کے کنارے پر حیرت انگیز طور سے بنا ہوا تھا۔ یہ مقام چنداں آباد نہیں۔ چند گھاس پھوس چھپروں وغیرہ کے جھونپڑے ایک چبوترہ نما باغ کے گرد بنے ہوئے تھے۔ یہاں ایک سایہ دار درخت کے نیچے ہم نے دری بچھائی۔ اور کچھ ناشتہ کر کے تازہ دم ہوئے۔ گرد و نواح کے نظاروں کو دیکھنے لگے۔ یہ قہوہ خانہ سطح سمندر سے ساڑھے چار ہزار فیٹ سے زیادہ بلند ہے پس صبح سے اب تک ہم نے صرف تین ہزار فیٹ کی اترائی طے کی تھی۔

یہاں سے چبوترہ نما کھیتوں کا جس عمدگی سے نظارہ ہو سکتا تھا۔ وہ اب تک دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ نواح کا یہ سلسلہ کوہ پیداوار قہوہ کے لئے مشہور تھا۔ خصوصاً کوہ ناسر د کوہ سفان پر قہوہ بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں پہاڑ ہماری سڑک کے شمال میں واقع ہیں۔ چبوتروں کے اوپر ڈھلوان پہاڑ عمودی طور پر چلے گئے ہیں اور ہر ایک چوٹی پر ایک ویسا ہی عجیب برج بنا ہوا ہے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اس قسم کا نظارہ یہ اسیل میں نظر آیا۔ آخری تھا۔ کیونکہ پہاڑوں کو پیچھے چھوڑ کر میدان (تہامہ) کی طرف اُتر رہے تھے۔ یہیں سے تبدیل علاقہ کے آثار نمایاں تھے کیونکہ دور مغرب کی طرف عظیم الشان سلسلہ کوہ پست ہوتا چلا گیا تھا۔ اور اُفق پر ویسے ہی بنجر پہاڑ نظر آتے تھے۔ جیسے کہ ہم نے لاہج کے آگے جبل منصب کے نواح میں دیکھے تھے۔ ایک بوڑھی عورت نے قہوہ اور روٹی پیش کی۔ یہ ایک پتلی دبلی بوڑھی عورت تھی۔ گہرے نیلگوں رنگ کے چیتھڑے پہنے تھی۔ اور سر پر غلیظ کپڑے کی پٹیاں باندھی ہوئے تھی۔ یہ بڑی ہنس مکھ اور بکواسی عورت تھی۔ سعید نے اس سے خوب مذاق کیا۔ گزشتہ ماہ کی تکالیف اور بخار نے غریب سعید کو نیم جان کر دیا تھا۔ رنگ زرد۔ اور جسم دبلا ہو گیا تھا۔ لیکن نہ تو تکان اور نہ بخار ہی اسکے بناؤ سنگار کے شوق کو کم کرنے

میں کامیاب ہوئے تھے۔ اسکے بل کھائے ہوئے بال ویسے پُرپیچ وخم تھے۔ جیسے کہ سابق میں۔ گو اسکے تہبند و غلاف خنجر وغیرہ سے علامات سفر ہویدا تھیں۔ تاہم ریشم کے سے بالوں کی نرمی، صفائی میں فرق نہ آنے پایا تھا۔ ہماری تمام تکالیف میں وہ زندہ دل اور خوش طبع رہا۔ جونہیں ہم تہذیب و شائستگی کے قریب ہوتے گئے یعنے عدن کے نزدیک آتے گئے۔ جو سعید کا ارضی بہشت تھا۔ اسکی آنکھوں میں پھر پہلی سی تیزی نمودار ہوگئی۔ اور اسکے قہقہوں کی آواز سابق سے زیادہ کانوں کو تکلیف معلوم ہوتی۔ عبدالرحمن حالت اسکے خلاف تھی۔ صعوبات سفر نے اسکے نازک جسم پر نہایت برا اثر کیا تھا۔ اسنے مراکو کے پرفضا و سرد کوہستان میں پرورش پائی تھی۔ یہاں کی گرمی سے اسکی جان کے لالے پڑ گئے۔ اسکی تمام زندہ دلی مفقود ہوگئی۔ اور یہ بہت کم بولتا تھا۔ میں اور سعید بڑی مشکلوں سے اسکی ہمت بندھاتے تھے۔ ہر شام باوجود کونین وارسنک کے استعمال کے اسے بخار ہوجاتا تھا۔ اور یہ تمام شب جاگتا رہتا تھا۔ اور اسطرح کراہتا تھا۔ کہ سننے والوں کا جگر پانی پانی ہوجاتا تھا۔

وہیں سے اترائی کا کوہستانی راستہ ڈھلوان و پیچدار ہے۔ سڑک کی فراخی و عمدگی ترکی تسلط کی نمایاں علامت ہے جسے سنگی پشتے سے سہارا دیا گیا ہے دونوں طرف ممو سہ کے درخت اگائے گئے ہیں۔ جو ایک خاص حد تک کثرت بارش میں پتھروں کو بہ جانے سے روکتے ہیں۔ اور جب یہ نشوونما پا جائینگے تو مسافروں کو انکے سایہ کا بھی آرام ملیگا۔ آخر کار ہم ندی کی خشک سطح پر پہنچے چونکہ راستہ بہت ہی سنگلاخ اور دشوار گذار تھا۔ اور پتھروں پر سے اترنا مشکلات سے خالی نہ تھا۔ لہذا خچروں سے اتر پڑے۔ اور دریا کی سطح پر چلنے لگے۔ جو کہیں کہیں چشمہ آب رکھنے کے سوا عام طور پر خشک تھی۔ اسکے کناروں پر ممو سہ کے درخت اُگے ہوئے تھے۔

اسیطرح آگے بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ وہ تنگ ہوگیا۔ اور ہم ایک گلی میں پہنچے جو صرف ندی کے بہنے کا راستہ تھا ہر طرف تقریباً اسی فٹ بلند چٹانوں کی دیوار تھی۔ یہاں [illegible] کم و بیش ایک گھنٹہ یہاں ٹھہرنا پڑا۔ کیونکہ ان ڈھلوان چٹانوں

پر صدہا لنگور و بندر اُچھل کود رہے تھے۔ جو ہمیں دیکھکر بھاگ گئے۔ اور اونچے اونچے اڈوں پر بیٹھکر ہماری طرف دیکھ دیکھ غراتے اور دانت نکالنے لگے۔ ان میں سے بعض ایسے پلے ہوئے تھے کہ جبتک کہ ہم پندرہ بیس گز تک ان کے قریب نہ پہونچگئے۔ وہ فرار نہ ہوتے۔ میرے آدمی ان میں سے ایک دو کو شکار کرنے کے شائق تھے۔ لیکن میں نے انہیں روکا کیونکہ انہیں کھیلتے کودتے اور باہم باتیں کرتے دیکھنا نہایت فرحت خیز تھا بعض بڑے بڑے لنگور بچوں کو گود میں اٹھائے لئے جاتے تھے۔ اور اسطرح تھپکتے تھے جسطرح عورتیں بچوں کو تھپکتی ہیں۔ حتٰی کہ عبدالرحمٰن بھی تھوڑی دیر کیلئے اپنی متانت کو چھوڑ کر کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔ یہ لنگور ایک چٹان سے دوسری چٹان پر اُچھل کود رہے تھے۔ یا غاروں میں بیٹھے ہوئے سفید دانت دکھا رہے تھے۔

تھوڑی دور آگے بڑھنے کے بعد سطح دریا کو چھوڑ کر اسکے شمال میں ایک بلند چٹان پر چڑھنا پڑا۔ ایک چھوٹے سے سطح مرتفع سے گذر کر ہوجیلہ نامی گاؤں کی سمت اُترے۔ جہاں ہم سورج غروب ہونے سے ایک دو گھنٹہ پیشتر پہونچگئے۔

یہاں سے ہم نے کوہستانی علاقہ کو خداحافظ کہا۔ اگرچہ دامن کوہ فضامیں بھیل سے آگے تک چلا گیا ہے۔ لیکن بجز اسکے کوئی بڑا سلسلہ کوہ نظر نہ آتا۔ ہوجیلہ پر نہ صرف کوہستانی علاقہ کا خاتمہ ہوتا ہے۔ بلکہ باشندے بھی تمام وکمال بدل جاتے ہیں۔ جو سنگی مکانات کے بجائے کچے اور خس پوش جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔ اور شکل و صورت و عادت و اطوار میں بھی مختلف ہیں۔

دن کے سفر میں ہم ایسے علاقہ سے گذرے۔ جہاں کے باشندوں کی اصلیت و حالات قابل تفتیش ہیں۔ یہ لوگ جُداگانہ مذہب کے پابند ہیں۔ اور اپنے آپکو مکانہ کہتے ہیں۔ ان کے مذہب کی نسبت سوائے اسکے کہ یہ کہا جاسکے کہ وہ ہندوستان سے یہاں پہونچا ہے میرے لئے اور کسی بات کا سراغ لگانا ناممکن ہے۔ یہ زبان و شکل وشمائل میں اپنے مسلمان ہمسایوں کے سے ہیں۔ قرب وجوار کے متعدد نام ہندوستان کی یاد دلاتے ہیں مثلاً "دارالہنود" ان کے اعتقادات کی نسبت بہت کم تحقیق ہوسکا ہے

اسبارہ میں ایک شعر کے دو مصرعوں میں جو مضمون ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی کا ترجمہ کر دینا کافی ہوگا۔

"خدا دن یا رات کو دیکھا نہیں سکتا۔
کسی امر کی نسبت اپنے آپکو تکلیف نہ دو۔ دوزخ یا بہشت کوئی چیز نہیں"

مندرجہ بالا عجیب باتوں پر اعتقاد رکھنے والے لوگ اس سڑک مرتفع پر آباد ہیں۔ جو حدیدہ سے صنعاء کو گئی ہے مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ پرانے یہودیوں کی رسم کفارہ پر عمل کرتے ہیں۔ یعنے یوم کفارہ کو دوسروں کے گناہوں کے معاوضہ میں بکرا چھوڑا جاتا ہے۔ اور سال میں ایک رات گھروں میں خوب عیاشی کی جاتی ہے لیکن ہے کہ انکا یہ طریق عمل کرامتھن فرقہ کے اصولوں پر مبنی ہو کیونکہ کرامتھن فرقہ کے پیرو ابن فضل نے میخواری اور اس قسم کی کارروائیوں کی اجازت دیدی تھی تاہم مشکل سے یقین کیا جاسکتا ہے۔ کہ کرامتھن فرقہ کے یہ اصول باوجود خلاف اسلام ہونیکے ابتک زندہ رہ سکیں مشہور ہے کہ بعض فونیشین رسوم میں عیاشی جائز سمجھی گئی ہے۔ اور سال میں ایک مرتبہ رات کو دعوت کی جاتی ہے۔ اور گھروں میں چراغاں کرکے گویا اڈونس کی پرستش کیجاتی ہے۔ اس پرستش کی بعض علامات مینے سنا ہے کہ کوہ ہمالیہ کے رہنے والوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ ہندوستان سے یہ مذہب یہاں پہنچا ہے کیونکہ حدیدہ میں ہندوستانی سوداگر ہمیشہ بکثرت آتے جاتے رہے ہیں۔

ہوجیلہ ایک چھوٹا سا مقام ہے۔ چند جھونپڑوں کے سوا یہاں کچھ نہیں۔ جب میں یہاں سے گذرا۔ ایک مہتم بالشان ترکی کمرک خانہ (چنگی خانہ) کے متصل نصب تھا اس کے متصل ایک عمارت کے علاوہ شیخ کا دو منزلہ مکان ہے۔ چند درخت ہیں۔ جنکے نیچے ترکی سپاہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سپاہیوں کی آمد رفت سے یہ فوجی مقام نظر آتا تھا۔ ورنہ دراصل یہ افسردہ کرنیوالا۔ اور دھوپ کی خشک کی ہوئی اینٹوں کے مکانات کا گاؤں تھا۔

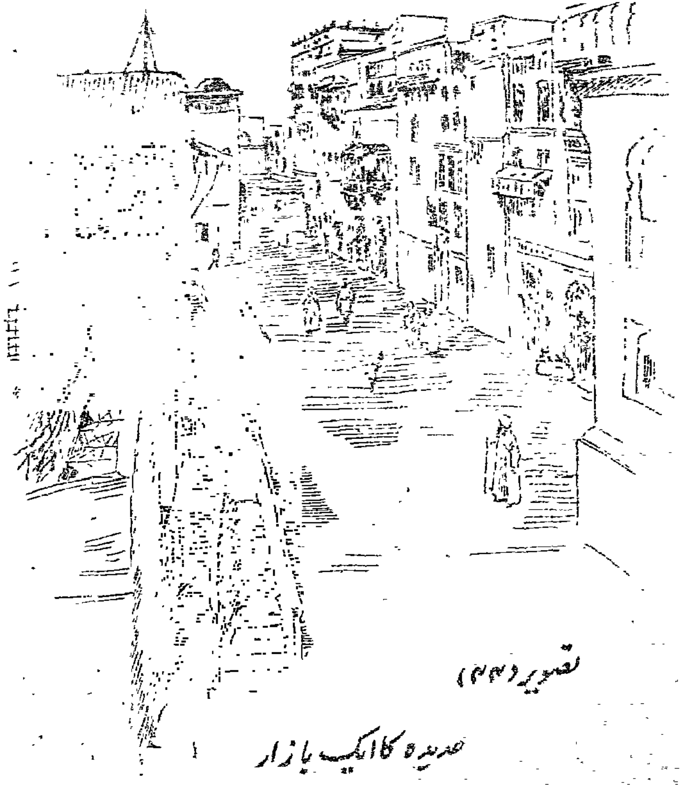

تصویر (۲۴۴)

حدیدہ کا ایک بازار

تصویر (۲۴۵) مناخہ کے قریب درہ

یہاں مجھے بہت تھوڑی دیر ٹھہرنے کی اجازت دی گئی کیونکہ میں ترکی گارد کے ہاتھ میں تھا۔ اسے اس بارہ میں کچھ کہنا سننا بے فائدہ تھا۔ آگے سفر جاری رکھنے سے یہ فائدہ ضرور تھا کہ ہم شب ماہ کا بھی لطف اٹھاتے۔

سطوح مرتفع اور سیراب وادیوں کو پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ اب ہم میں اور حدیدہ میں ریتلا میدان وریگستان رہ گیا تھا۔ ایک دو گھنٹے قہوہ خانہ ہوجیلہ میں بسر کیے۔ جبکہ ڈوبتے ہوئے آفتاب کی روشنی غائب ہو رہی تھی ہم نے خچروں کو لادا اور آگے روانہ ہوئے۔

سورج غروب ہونے کے وقت سے طلوع آفتاب تک میدان میں برابر سفر جاری رہا۔ ٹوٹے ہوئے چٹان چاند کی روشنی میں صفائی سے دکھائی دیتے تھے نیز چاندنی ایسی کھلی ہوئی تھی کہ ہمیں میدان کا بہت سا حصہ مزروعہ نظر آیا۔

رات کیسی گرم و خوشگوار تھی؟ اگر مہینے کے طویل سفر سے ہم تھکے ہوئے نہ ہوتے تو بڑا لطف آتا۔ تاہم چاند کی روشنی کیسی بھلی معلوم ہوتی۔ عالمگیر خاموشی جس میں صرف ہمارے خچروں کے چلنے اور ہوا میں کیڑے و جھینگوں کے بھنبھنانے کی آواز خلل انداز ہوتی تھی۔ نہایت موثر تھی۔ وقتاً فوقتاً اونٹوں کے کاروان ہمارے پاس سے گزر جاتے تھے۔

صبح کے قریب ہم "بوہے" پہونچے۔ جو کوہ دمیر کے شمال میں واقع ہے۔ یہ ایک ویران اور چھوٹا سا گاؤں ہے۔ تاہم ایک قہوہ خانہ میں ٹھہرنے سے بڑی راحت ملی کیونکہ گذشتہ چوبیس گھنٹوں میں ہم نے بیس گھنٹے لگاتار سفر کیا تھا۔

پس چارپائیوں پر لیٹ کر ہم جلد سو گئے۔ طلوع آفتاب کے وقت گارد نے مجھے جگایا۔ اور ہم آگے روانہ ہوئے۔ خوش قسمتی سے یہ سفر مختصر ثابت ہوا تین گھنٹے کے بعد بجیل نظر آیا۔ جہاں مجھے بخوبی استراحت کا موقعہ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔

بجیل ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جسکی آبادی تین ہزار نفوس سے زائد نہ ہوگی۔ ترکی قلعہ اور چند مکانات کے سوا جو سنگی تھے بقیہ جھونپڑے خام اور گھاس پھوس اور

چٹائیوں کے تھے۔ یہ کوہ "ادوبا" کے دامن میں نہایت خوبصورتی سے واقع ہے۔ گرد و نواح کی زمین پر جوار و باجرہ بویا ہوا تھا۔ عمدہ انتظام آب کی وجہ سے بہت سے درخت بھی اُگے ہوئے تھے۔ جس سے یہ مقام مثل نخلستان معلوم ہوتا تھا۔

یہاں کا قہوہ خانہ بھی اچھا تھا۔ اگرچہ یہ چٹائی کے جھونپڑوں سے مرکب تھا تاہم اسقدر صاف و پاکیزہ تھا۔ کہ دھوپ کی گرمی میں اس میں پناہ لینا نہایت غنیمت معلوم ہوا۔ ہمنے ایک چٹائی کے جھونپڑے کو اپنے لئے کرایہ پر لے لیا۔ اونٹوں سے بوجھ اُتار کر دن بھر آرام کرنے کے لئے ٹھہر گئے۔ یہاں کا قیام اس وجہ سے زیادہ آرام دہ ثابت ہوا کہ ایک تجربہ کار مٹھی چپی کرنیوالے نے ہمارا تمام تکان دور کر دیا۔ میں دوپہر کے بعد ٹھنڈے وقت قصبہ کی سیر کو نکلا۔ گو یہاں دیکھنے کے قابل کوئی چیز نہ تھی۔ تاہم یمن کا گاؤں ہمیشہ ایسا نظارہ پیش کرتا ہے کہ گو خوبصورت نہو۔ تاہم دلچسپ ضرور ہوتا ہے ایک برات پورے زور و شور پر تھی۔ بینڈ و دفیں سر ہو رہی تھیں بندوقوں کی آواز سے ہوا گونج رہی تھی۔ عورتوں کا مجمع مکلّف لباس پہنے تھا۔ اور نہایت خوش نظر آتا تھا نیلگوں کپڑوں اور رنگ برنگ کے رومالوں سے مجمع نسواں قوس و قزح کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جیسا کہ دیگر مقامات میں دیکھا گیا۔ یہاں بھی سخت کام عورتوں کو انجام دینے پڑتے ہیں۔ میں دیر تک کھڑا ہوا انہیں کوئیں سے پانی بھرتے دیکھتا رہا۔ پانی اسطرح کھینچا جاتا ہے۔ کوئیں کے منہ پر لکڑی کی چرخی لگی ہوئی ہوتی ہے۔ اور ایک ٹھوس شہتیر کوئیں پر ادھر سے ادھر تک رکھدیا جاتا ہے۔ اس شہتیر کے ساتھ ساتھ رسی نیچے اور اوپر کھینچی جاتی ہے۔ جس کے ایک کنارے پر چمڑے کا ڈول بندھا ہوتا ہے۔ چونکہ کوئیں نہایت گہرے ہیں۔ اسلئے رسی بہت طویل ہوتی ہے۔ دو عورتیں رسی کو کھینچتی ہوئی آگے لیجاتی ہیں۔ یہانتک کہ ڈول کنارے پر آ پہنچتا ہے۔ جسے تیسری عورت خالی کرتی ہے۔ ایک کنواں ناپنے پر دوسو فیٹ سے کچھ کم گہرا نکلا۔ محنت گو سخت ہے۔ لیکن عورتیں عادی ہو گئی ہیں۔ جنوب بھرا کوئیں انکے ۲ یا ۳ اونٹ یا گدھے پانی نکالنے کے لئے جوتے جاتے ہیں۔ بجیل میں وقیع عمارت صرف ترکی تھانہ ہے۔ جو مستطیل صورت کا ہے۔ جا بجا گول برج

بنے ہوئے ہیں۔ یہ تراشیدہ پتھروں اور اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ گو توپخانہ کے مقابلہ میں کچھ ہستی نہیں رکھتا۔ تاہم عربی ٹڈی دل کے مقابلہ میں جو صرف بھالوں اور توڑیدار بندوقوں سے مسلح ہوتے ہیں یہ ناقابل تسخیر ہے۔ چند ترک درختوں کے سائے میں لیٹے ہوئے تھے۔ اور نصف درجن توپیں جو چنداں حفاظت سے رکھی ہوئی نہ تھیں۔ دروازے کے پاس پڑی تھیں۔ اس مقام پر جنگی جوش و خروش کے بجائے مشرقی افسردگی برس رہی تھی۔

بحیل میں دیکھنے کے قابل جو کچھ تھا۔ جسے معائنہ کرنے کے بعد میں واپس آیا۔ جہاں سے خچروں کو سفر کیلئے لدا ہوا پایا۔ میری غیر موجودگی میں صنعا کے چند ترکی افسر وہاں پہنچ گئے تھے۔ جن سے تو اتفاقاً تعارف ہو گیا۔ کیونکہ ہم ایک ہی سڑک پر حدیدہ جا رہے تھے۔ یہ میدانی علاقہ میں بیمار ہو کر صنعا کے ہسپتال میں بھیجے گئے تھے۔ جہاں کی آب و ہوا کی تعریف کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا۔ کہ دو ماہ پہلے وہ حدیدہ سے بخار سے قریب المرگ حالت میں صنعا پہنچ گئے تھے۔

چار بجے روانہ ہوئے۔ ہم دو چھوٹے کاروان باہم ملتے تھے۔ راستہ ریگستانی ہے جابجا سموس کی جھاڑیاں اور لمبی لمبی گھاس نظر آتی ہے۔ ترکی افسر تفریحاً گھاس وغیرہ کے خشک جھنڈ کو دیا سلائیوں سے جلاتے جاتے تھے۔

یہ ہمارا آخری ریگستانی سفر تھا۔ رات شاندار تھی۔ بے شمار ستارے چمک رہے تھے۔ ہمارے چھوٹے چھوٹے خچر چپ چاپ چلے جاتے تھے کبھی کبھی اونٹوں کا کوئی کاروان دس بارہ بدوؤں کے زیر حفاظت قریب سے گذر جاتا تھا۔ جنکے بھالوں کے پھل چاندنی میں چمکتے تھے۔ ہرگز یقین نہ آتا تھا۔ کہ یہ ٹھنڈا ریگستان جس پر اوس پڑ رہی تھی۔ اور سموس کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ دن کو خوفناک میدان ہو جاتا ہے۔ جب کہ جھلسانے والا سورج۔ کانٹے دار جھاڑیوں۔ سوکھے گھاس۔ اونٹوں اور بدو ساربانوں کے سوا ہر ایک چیز کو فنا کر دیتا ہے۔ حالانکہ بدو بھی دن کو شاذ و نادر ہی سفر کرتے ہیں اگرچہ کوہستان یمن کے نظارے نہایت حیرت انگیز اور شاندار تھے لیکن ریگستان کے سفر شبانہ

کو اکناف دل کبھی نہیں بھولتا۔ باوجود تھکے ماندے ہونے کے تاروں بھرا آسمان شبنم اور صحرا کی خوشبو ہمارے اجسام میں زندگی کی نئی روح پھونک رہی تھی۔

نصف شب سے پیشتر ہم ایک قہوہ خانے میں پہنچ گئے۔ یہ ریگستان میں چند جھونپڑیوں کے وسط میں واقع تھا تاہم ہم نے اسے نہایت غنیمت و مبارک سمجھا۔ شور و غل سے مالک کو جگایا گیا۔ جو چراغ جلا کر ہمیں ایک بہترین کمرے میں لے گیا۔ اس کی گھاس پھوس کی چھت چوبی ستونوں پر استادہ تھی۔ اس سے زیادہ ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہ تھی۔ سقف مذکور ہمیں شبنم سے بچاتا تھا بحالیکہ ٹھنڈی ہوا آزادی سے اندر پہنچتی تھی۔ میں ریگستان کی اس آخری شب کو کبھی فراموش نہ کروں گا۔ ترک، عرب، [illegible] مراکو) اور انگریز ایک ہی دری پر ایک دھندلے طور پر روشن قہوہ خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے آرام سے تھے۔ قہوہ رات کا اور کھانا تیار ہو رہا تھا۔ اس کے بعد کھانا لایا گیا۔ اور صحرائی مرغوں کا شوربا بنایا گیا تھا جس کا گوشت نہایت سخت تھا۔ صرف ایک دو گھنٹے آرام کرنے کی اجازت دی گئی۔ تار کے خمیدہ ستون نصب تھے۔ یا کہیں کہیں جھاڑی دکھائی دیتی تھی۔ سڑک یا مسافروں کے چلنے کا کوئی نشان نہ تھا۔ کیونکہ خفیف سی ہوا ہی ریت پر نقش قدم کو مٹا دیتی تھی۔ لیکن ہمارے آدمی راستے سے اچھے باخبر تھے۔ ساڑھے سات بجے کے بعد جب سورج کی شعاعیں برچھیاں چبھونے لگیں۔ دفعتاً ہمارا پیشرو پکارا۔ وہ جدیدہ دکھائی دے رہا ہے۔

فی الواقع یہ جدیدہ ہی تھا۔ جو ریگستان کی گرم ہوا میں فاصلہ پر نظر آ رہا تھا قصبہ کے قریب پہنچنے پر نظارے نے دلفریب صورت اختیار کی۔ ایک پرانا ترکی قلعہ جو نصف منہدم تھا سفید ریت پر استادہ تھا چند سوکھے ہوئے درخت [illegible] تھے۔ اس کے بعد ہم کھجوروں کے باغ میں داخل ہوئے۔ سفر ریگستان کے بعد اتنی سبزی آنکھوں میں کھبی جاتی تھی۔ ان کے نیچے سبز گھاس اُگی تھی۔ اور عربوں و ہندوستانیوں کے جھونپڑے بنے ہوئے تھے۔

بڑے دروازے سے گذر کر جس کا بالائی حصہ بطور بارک کے کام آتا تھا ہم تنگ

البحرالمیت (۵۸) تصویر

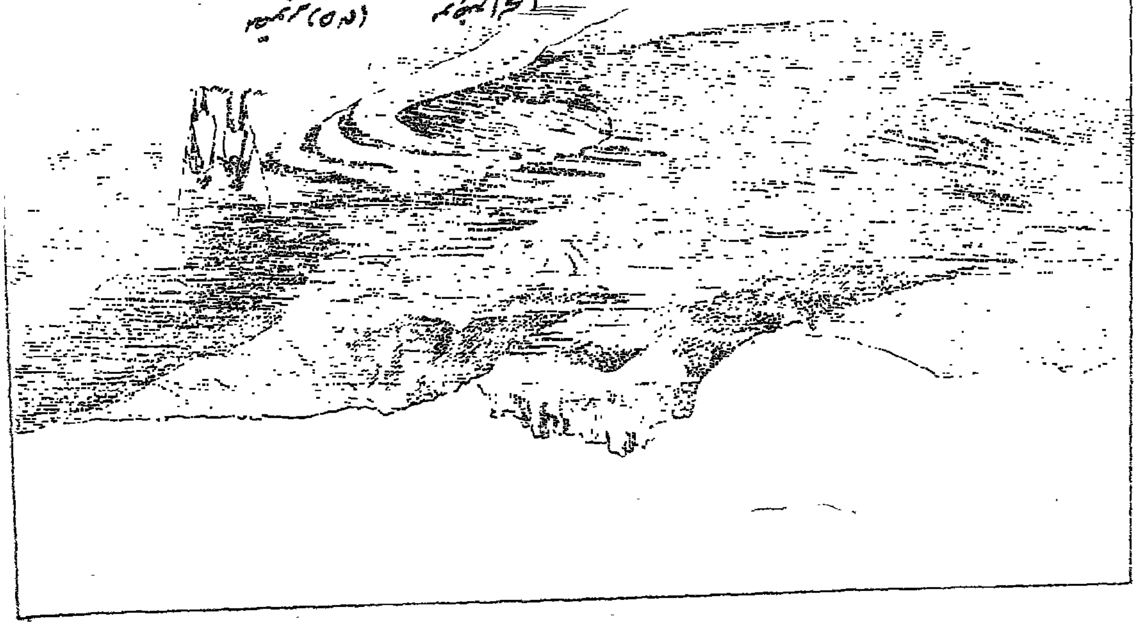

بازاروں سے منزل مقصود کو روانہ ہوئے۔ جو ایک یونانی کا بڑا قہوہ خانہ تھا یہاں سے میں نے ایک کمرہ کرایہ پہ لیا۔ اور ترکی و عربی گارد کو خچروں کیلئے گھاس وغیرہ لانے کیلئے بھیجکر خود آرام کرنے لگا۔ میرا قلیل اسباب بالاخانہ میں لایا گیا جسکی کھڑکیاں ایک طرف سمندر کی جانب اور دوسری طرف خاص بازار کی طرف کھلتی تھیں۔

صنعاء سے یہانتک کا سفر میرے لئے نہایت صعب تھا۔ ایک گھنٹہ میں بخار عود کر آیا۔ میں بیہوش ادھر ادھر کروٹیں بدلتا پڑا رہا۔ سعید و عبدالرحمٰن کو بھی بخار انہوں نے بھی میری طرح سخت تکلیف اٹھائی۔ لیکن ہمارا سفر ختم ہو چکا تھا کوہستا اور میدانی علاقوں کو عبور کرکے ہم منزل مقصود پر پہونچ گئے تھے۔

باب یازدہم

حدیدہ

حدیدہ کا اوّل اوّل تاریخوں میں اسوقت ذکر ہوا ہے۔ بلکہ سنہ ۱۵۱۵ء میں الغوری سلطان مصر نے اسے فتح کیا۔ دیسی تاریخ میں ان گردان سرکشیا و دیگر اجنبی اقوام کی یورشوں کے تذکرہ میں اس قصبہ کا نام جدیدہ لکھا ہے۔ لیکن اس نام سے یہ خیال کرنا درست نہ ہوگا۔ کہ شہر مذکور اس سے تھوڑا عرصہ پہلے ہی آباد ہوا تھا۔ کیونکہ ہر ایک مقام کسی نہ کسی زمانہ میں نیا تھا۔ گو عرصہ دراز سے جدیدہ کا لفظ غیر موزوں معلوم ہوتا ہے۔ غالبًا بحیرہ احمر کی تجارت کے فروغ حاصل کرنے کے وقت یہ مقام آباد ہوا ہوگا۔

چونکہ ساحل بحر پر اور نیز اقوام اثیر کے ملک کے کسیقدر جنوب میں واقع ہے۔ اسلئے یہ برابر ہر دو اطراف کے حملوں کا ہدف رہا ہے۔ ان میں خاص طور پہ قابل ذکر وہ لڑائی ہے۔ جبکہ اثیر قوم کے سردار ابوالعقیل نے سنہ ۱۸۰۰ء میں اسے مسخر کر لیا۔ چونکہ ابوالعقیل اور قبائل اثیر کے دیگر لوگوں نے اہلحدیث کا مذہب

قبول کرلیا تھا۔ لہذا تسخیر حدیدہ کے بعد انہوں نے تھامہ کی جانب توجہ کی۔ چونکہ نئے مذہب کا جوش خبط کے درجہ تک پہونچگیا تھا۔ لہذا بہت سے اضلاع اُجاڑ ڈالے گئے۔ اور تمام یمن پر خوف طاری ہوگیا۔ چار سال کے بعد اسوقت کے فرمانروائے صنعاء امام سید احمد بن علی منصور نے پھر حدیدہ فتح کرلیا۔

اسوقت سے چوبیس سال تک حدیدہ یورپین تجارتی جہازات کی آمدورفت کی بدولت روز بروز ترقی کرتا گیا۔ کیونکہ جہازات مذکور اس زمانہ میں بحیرۂ احمر میں مجتمع ہوتے تھے۔ اور ہر طرح امن وامان تھا۔ یہانتک کہ ۱۸۳۲ء میں خونناک ترکچی بلماس موقعہ پر نمودار ہوا۔ حجاز سے براہ خشکی چلکر شہر کے قریب خیمہ زن ہوا۔ درانحالیکہ اس کے جہازات نے جو بہو جدہ کے راستے سے بھیجے گئے تھے۔ بندرگاہ حدیدہ کو محصور کرلیا۔ گورنر کے سامان رسد سے انکار کرنے پر اس نے قصبہ پر گولہ باری شروع کی۔ حدیدہ کو آخرکار بہر اطاعت ختم کرنا پڑا۔ تاہم مستبد ترکچی بلماس (محمد آغا) وہاں زیادہ دیر تک نہ رہا۔ آغا مرشد کی ماتحتی میں چار سو آدمی چھوڑ کر خود زبید چلا گیا۔ اور ریکارڈ گورنمنٹ بمبئی) گورنمنٹ مصر نے ترکچی بلماس سے تسخیر حدیدہ کے آٹھ برس بعد یمن چھوڑ دیا اور قرار پایا کہ حدیدہ شریف اعظم مکہ کے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن ابو عریش کے شریف حسین ابن علی نے بھی حدیدہ کے متعلق اپنا دعویٰ پیش کیا۔ چنانچہ موخر الذکر نے اقوام اثیر کی امداد سے بیس ہزار آدمیوں کے ساتھ حدیدہ پر یورش کی۔ اور جس روز مصری گورنر ابراہیم پاشا نے حدیدہ خالی کیا۔ اسی روز شریف حسین کا بھائی ابو طالب حدیدہ پر قابض ہوگیا۔ لیکن شریف حسین کا اقتدار زیادہ عرصہ تک نہ رہا۔ کیونکہ قبائل اثیر جو ہمیشہ لوٹ کھسوٹ پر آمادہ رہتے تھے۔ حدیدہ پر مسلط ہوگئے۔ اور انہوں نے سوداگروں کو قید کرکے بہت سا فدیہ لیکر چھوڑا۔

۱۸۴۹ء میں ایک بڑا انقلاب وقوع میں آیا وہ یہ تھا کہ ترک جدہ سے روانہ ہوکر حدیدہ پر قابض ہوگئے۔ شریف حسین کو اس جوانمردی کے صلہ میں گورنمنٹ عثمانیہ کی طرف سے وظیفہ مرحمت کرنیکا وعدہ کیا گیا۔ لیکن وظیفہ مذکور اسے مطلق نہیں ملا۔

ستمبر ۱۸۵۱ء میں وہ اپنے مقدمہ کی پیروی کے لئے قسطنطنیہ روانہ ہوا لیکن راستہ میں مرگیا۔ اسمیں بہت کم شبہ ہے کہ وہ مار ڈالا گیا۔ ترکی مہم کا افسر توفیہ پاشا حدیدہ وگرد و نواح کے علاقہ کا گورنر مقرر ہوا۔

اس کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد امام صنعاء و باب عالی میں عہد نامہ ہوا جس کے خاص دفعات یہ تھے کہ امام بدستور حکمران رہے۔ لیکن وہ سلطان عبد المجید کا مطیع متصور ہوگا۔ آمدنی سلطان و امام میں بحصہ مساوی تقسیم ہو۔ قلعہ اور صنعاء میں ترکی سپاہ رکھی جاوے۔ امام کے ساتھ توفیہ پاشا صنعا پہنچا۔ لوگوں کو تبادلہ حکومت سے مطلع کیا گیا۔ سب سے زیادہ لوگ اس بات پر ناراض ہوئے کہ امام محمد یحیی کی بجائے سلطان عبد المجید کا نام خطبہ میں داخل کیا گیا۔ چونکہ اہل یمن شیعہ گروہ کے زیدیہ فرقے سے تھے۔ بہ نسبت تبادلہ حکومت کے وہ اس تبادلہ نام سے بہت زیادہ برافروختہ ہوئے۔ نصف شب سے پہلے انہوں نے ترکی سپاہ کا بہت بڑا حصہ کاٹ ڈالا۔ اگرچہ وہ شہر کے ایک قلعہ پر قابض ہوچکے تھے۔ لیکن تاب مقاومت نہ لاسکے۔ آخرکار توفیہ پاشا بیس ہزار ڈالر فدیہ دیکر مٹھی بھر آدمیوں کے ساتھ حدیدہ واپس آنیکی اجازت حاصل کرسکا۔ جہاں وہ تکان و زخموں سے مرگیا۔ محمد یحیے بدقسمت امام جسنے ترکوں سے معاہدہ کیا تھا۔ پوشیدہ طور پر قتل کیا گیا۔ علی منصور جو اس سے پہلے دو مرتبہ معزول ہوچکا تھا پھر مسند حکومت پر بٹھایا گیا۔

لیکن ابھی ایک اس سے بھی زیادہ خوفناک کہانی کا ذکر کرنا باقی ہے۔ ۱۸۵۵ء میں قبائل اثیر کے ساٹھ ہزار آدمیوں نے حدیدہ کو لوٹنے کے ارادہ سے کوچ کیا۔ انگریزی جنگی جہازات کی موجودگی کی وجہ سے انہیں اپنا حملہ ملتوی کرنا پڑا۔ چونکہ باشندگان حدیدہ کے اندرون ملک سے تعلقات منقطع ہوگئے تھے۔ اسلئے انکی حالت نہایت نازک ہوگئی۔ اتفاق سے سپاہ اثیر میں ہیضہ پھوٹ پڑا۔ اگر پہنچنے

[illegible] پندرہ ہزار آدمی اس [illegible] ہوگئے۔

(میں [illegible] حدیدہ [illegible] جیسا کہ [illegible] دیکھا۔)

حدیدہ ایک بڑی خلیج کے شمال مشرقی پہلو میں واقع ہے۔ اور اسکا شمال مغربی سرا دور تک سمندر میں چلا گیا ہے۔ اچھا آباد قصبہ ہے۔ تیس سے پینتیس ہزار کے مابین باشندے رکھتا ہے۔ راقم کی سیاحت کے زمانہ میں آبادی اس سے زیادہ تھی۔ کیونکہ بہت سی ترکی سپاہ بھی وہاں خیمہ زن تھی۔ لوگ عموماً مرفہ الحال معلوم ہوتے ہیں۔ بازاروں میں ہر قسم کا ساز و سامان مل سکتا ہے۔ مکانات مضبوط و بلند ہیں۔ لیکن ایک بڑا نقص یہ ہے کہ آب و ہوا بخار انگیز ہے۔ سال کے بعض موسموں میں یورپین اور دیسی یکساں اس سے تکلیف اٹھاتے ہیں۔ مثلاً بارش کے بعد یا موسم سرما میں جبکہ مغربی ہوا چلتی ہے۔ بخار وبا کی طرح لوگوں پر حملہ آور ہوتا ہے

اس مختصر بیان کے بعد میں حدیدہ کے متعلق اپنے ذاتی مشاہدہ و تجربوں کی طرف غور کرتا ہوں۔

جب بخار سے مجھے اسقدر افاقہ ہوا کہ میں باہر جا سکا۔ تو گارڈ کے ہمراہ گورنر کے مکان کو گیا۔ یہ بہت اخلاق سے پیش آیا۔ فوراً میرے لیے کرسی منگوائی۔ سیگرٹ و قہوہ لایا گیا۔ ہز ایکسلینسی نے وہ خطوط معاینہ کیے جو میرا گارڈ گورنر جنرل صنعاء کی طرف سے لایا تھا۔ خطوط پڑھ چکنے کے بعد اسنے مجھے خیر مقدم کہا۔ ہم دیر تک عربی میں شوقیہ گفتگو کرتے رہے۔ جس سے ہز ایکسلینسی بہ نسبت میرے کم واقف تھے جب ایک فرنچ زبان جانتے والا ترجمان مل گیا۔ تو ہماری گفتگو زیادہ آزادی سے ہونے لگی۔

گورنر نے مجھ سے جو پہلا سوال کیا۔ وہ تحریر کرنے کے قابل ہے۔ پہلے وہ کسیقدر پرجوش معلوم ہوا۔ ایک منٹ تک وہ غیر موزوں خاموشی میں رہا۔ اس خاموشی کو اسنے ان الفاظ سے توڑا۔ کیا تم کریمیا میں لڑے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں اس جنگ کے اس سال بعد پیدا ہوا ہوں۔ تاہم مجھے معلوم ہوا کہ یہ سوال مطلب سے خالی نہ تھا کیونکہ گورنر کے سینہ پر جنگ کریمیا کا انگریزی تمغہ لٹک رہا تھا۔ جو اسنے نہایت فخر سے مجھے دکھایا۔ اس واقعہ کے بعد گفتگو زیادہ سہولیت سے ہونے لگی بلکہ ہز ایکسلینسی نے حدیدہ سے روانگی کے وقت تک قہوہ خانہ کی بالائی منزل میں

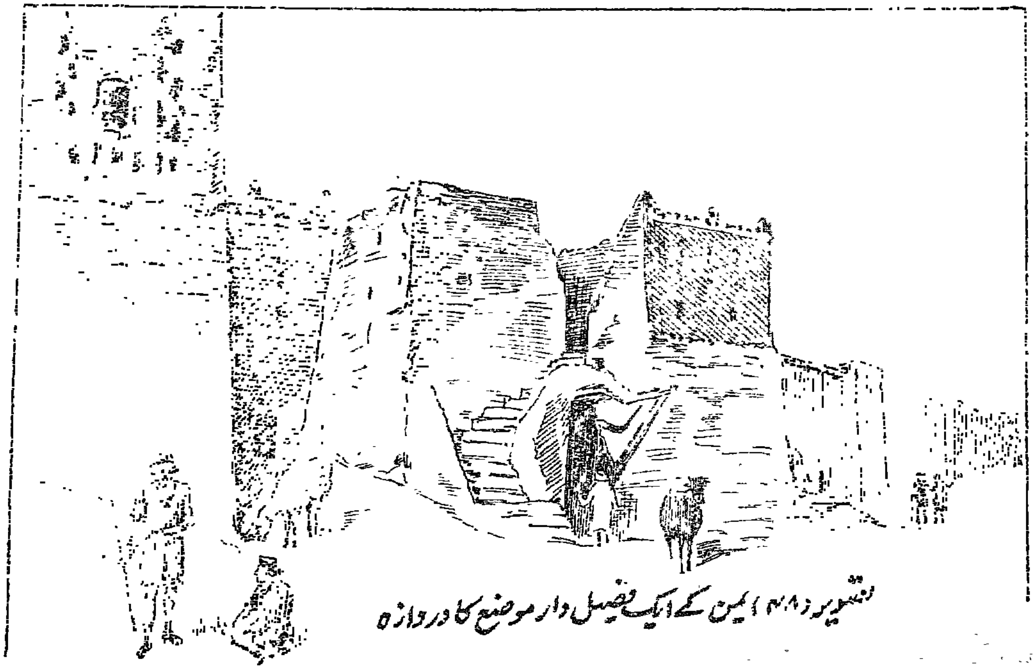

تصویر (۴۸) یمن کے ایک فصیل دار موضع کا دروازہ

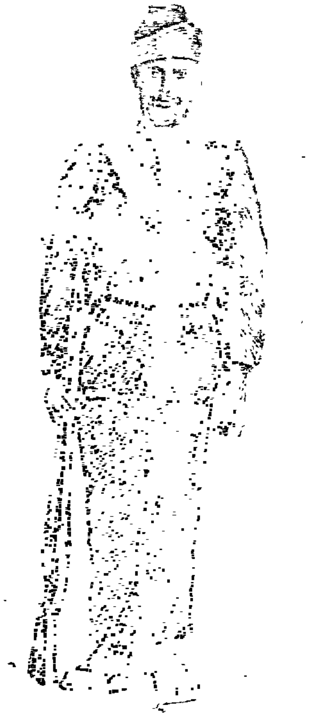

تصویر (۴۹) ترکی سپاہی صنعا میں

رہنے کی اجازت دی۔ حدیدہ کے سرکاری عمارات صنعاء کے شاندار دفاتر سے بہت مختلف تھے۔ یہاں صرف ایک کمرہ تھا جسمیں چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور یہ سب مرمت طلب تھیں۔ بیرونی سیڑھیاں منزل اول کو جاتی تھیں جہاں خاص دفاتر واقع تھے۔ نیچے کا حصہ بطور گودام خانہ کے مستعمل ہوتا تھا۔ مکلف لباس پہنے ہوئے افسر اور پرانے و غیر موزوں کپڑوں سے ملبس سپاہی بار بار گذرتے تھے۔ حدیدہ میں ایک ہفتہ قیام کے زمانہ میں بارہا میں گورنر سے ملا۔ اور ہر ایک موقعہ پر میں نے اسے خلیق و ہردلعزیز پایا۔ اگرچہ اس نے مجھے براہ خشکی سفر کرنے کی اجازت دینے سے انکار کردیا کیونکہ میرا ارادہ براہ بیت الفقیہ، زبید اور حیث کے مراجعت کرنے کا تھا۔

قہوہ خانہ میں واپس آکر میں نے دو ترکی سپاہیوں کو آرام سے اپنے کمرے میں بیٹھے پایا۔ ان میں سے ایک بستر پر بیٹھا تھا۔ اور میرے سگرٹ پی رہا تھا۔ اگرچہ میری حس و حرکت کی نگرانی ہو رہی تھی۔ تاہم مجھے توقع نہ تھی کہ میرے کمرے میں اسطرح مداخلت کیجائیگی۔ عبدالرحمن، سعید، اور ایک بوٹ کی مدد سے میں جلد انہیں بھگا دینے میں کامیاب ہوا۔ فوراً گورنر سے یہ ماجرا بیان کرنے کے لئے گیا۔ اسکے کمرے کی طرف جاتے ہوئے ایک افسر نے اخلاق سے کہا۔ کہ میں اس معاملہ کی اس سے رپورٹ نہ کروں۔ اور یہ کہ اگر فیہ ڈالر مجھے دیدو۔ تو میں گارڈ کو وہاں سے ہٹا دونگا لیکن غصے اور بخار کی وجہ سے میں اچھی حالت میں نہ تھا۔ سیدھا گورنر سے جا کر کیفیت بیان کی۔ یہ بوڑھا آدمی اور اسکے افسر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ کہ گارڈ وہاں اس غرض سے متعین ہے کہ انکے ہٹا لینے کے لئے کچھ انعام دیا جائے۔ میں نے درخواست کی کہ جو افسر مجھ سے بخشش کا خواہاں ہے اسے میرے پاس بھیجدیا جائے۔ نیز ہدایت کی جائے کہ وہ آیندہ مجھے اسطرح دق نہ کرے۔ چنانچہ گورنر نے افسر مذکور کو بلا کر ہدایت کر دی۔ باوجودیکہ اسطرح مجھے کسیقدر امن ملگیا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ میری ہر ایک حرکت پر نگاہ رکھی جاتی ہے۔ تاہم مداخلت نہیں کیجاتی۔ اس عدم مداخلت کیلئے میں ایک ہندوستانی

ڈاکٹر احمد کی مہربانی کا مشکور ہوں جنہنے مجھے نہایت شفقت فرمائی۔ یہ یہاں برٹش گورنمنٹ
کے وائس کانسل ہیں۔ میں اسکی اور اسکی انگلش بیوی کی کما حقہٗ تعریف نہیں کرسکتا۔
ان دونوں نے میرے حال پر نہایت عنایت کی۔ گو بوجہ علالت حدیدہ کے متعلق میری
یادداشت خوشگوار نہیں تاہم ڈاکٹر و مسز احمد میرے قیام کو خوشگوار بنانے میں کوئی
دقیقہ فروگذاشت نکرتے تھے۔ ڈاکٹر احمد گلاسگو یونیورسٹی کے ڈگری یافتہ ہیں۔ آسام
میں انڈین میڈیکل سروس سے تعلق کے زمانہ میں انہوں نے شہرت تامہ حاصل کی
تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے کہ حدیدہ میں یہ وائس کانسل مقرر ہوئے ہیں جس عمدگی سے
یہاں اپنے نازک فرائض کو انجام دے رہے ہیں۔ اس سے توقع ہے کہ وہ بہت
جلد کسی صحت بخش اور نسبتاً زیادہ خوش مقام میں کوئی عہدہ جلیلہ حاصل کرینگے۔

میں جس قہوہ خانہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کے ایک طرف سمندر اور دوسری جانب
شہر کا تنہا فراخ بازار تھا۔ میں دوسری منزل کی کھڑکی سے لوگوں کو آتے جاتے دیکھتا
تھا۔ اسطرح کئی گھنٹے بیکاری و سستی میں گئے۔ اگرچہ بازار کا نظارہ دیکھنے کے قابل
تھا۔ تو شہر کے مشرقی طرز کے تنگ بازار بھی کچھ کم دلچسپ نہ تھے۔ بخار سے افاقہ ہو جانے
پر اکثر چھوٹے بازاروں میں بیٹھا غریب دکانداروں سے گفتگو کرتا۔ اور قہوہ پیا کرتا تھا
ان میں بہت سے اچھے ہوشیار آدمی تھے جو میرے حالات سفر اور ادھر ادھر کے
کوائف سننے میں آدھ گھنٹہ خوشی سے ضائع کر دیتے تھے۔ مشرقی بازار کس قسم کا
سین پیش کرتے ہیں۔ دنیا کے تمام اقوام کے لوگ وہاں مجتمع نظر آتے ہیں۔ تقریباً نیم
اشخاص سے لیکر قیمتی دھاریدار ریشمی لباس تک پہنے ہوئے لوگ موجود ہیں۔ علاوہ
کے بازاروں [illegible] نہیں پہنچتے [illegible] آفتاب کی تیز شعاعیں کبھی تنگ گلیوں
وغیرہ سے کچھ [illegible] اکثر [illegible] کیلئے نکل جاتا۔ اور ایک کتب فروش
[illegible] کا ایک [illegible] آدمی تھا جس سے
ایک دو [illegible] تو تمام [illegible] کو چھوڑ کر
میرے [illegible] آ جاتا [illegible] تاکہ [illegible] ان کا [illegible]

والا ہے۔ اور وہ کس ملک کا باشندہ ہے؟ یہودی۔ ہندوستان کے ہر فرقہ و ملت کے لوگ۔ ایرانی عرب۔ پارسی۔ مصری۔ بدوی۔ حبشی۔ ترک۔ یونانی۔ ابیسینیا کے رہنے والے اور چند یورپین تنگ راستوں میں گذرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ فیصل قصبہ بازاروں سے بہت قریب ہے۔ شہر کے متعدد مورچہ بند دروازے ہیں۔ ان میں سے ایک سے گذر کر ایک وسیع کھلے میدان میں پہنچتے ہیں جو ساگ۔ پات اور سبزی کی منڈی ہے ساگ۔ پات زمین پر رکھکر فروخت کرتے ہیں۔ چند چٹائی اور سرکنڈوں کی دکانیں بھی ہیں جن میں سے بڑی دکان بطور قہوہ خانہ کے مستعمل ہے۔ اور رہرو و ایک پارسی لوگ تماشا کرتے ہیں۔ میں سب سے بڑے قہوہ خانہ میں اکثر آیا جایا کرتا تھا۔ شام کو وہاں بیٹھتا۔ سعید بھی باوجود مبتلائے بخار ہونے کے صاف و پاکیزہ لباس پہنے اور بالوں کو درست کئے میرے ہمراہ ہوتا تھا۔ وہ ایسا خوبصورت معلوم ہوتا تھا کہ اکثر یورپین اس سے مذاق کرتیں۔ گو وہ کسیقدر بے پرواہی سے پیش آتا۔ تاہم وہ کشیدہ نہ ہوتیں یہاں ترکی افسر طلائی لیس لگائے اور شیشہ کا حقہ پیتے ہوئے دیکھے جاتے تھے۔ بڑے بڑے سوداگر شاندار لباس پہنے اور بھاری عمامے باندھے قہوہ و تمباکو پیتے ہوئے تجارتی مسائل پر بحث کرتے تھے۔

حدیدہ کے بقیہ بازار و مقامات چنداں دلچسپی پیش نہیں کرتے۔ بازار تنگ، مکانات بلند ہیں۔ ایک آدھ عمدہ کھدے ہوئے دروازے کے سوا اور کوئی امر دیکھنے کے قابل نہیں بخار انگیز آب و ہوا کے علاوہ حدیدہ کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ کافی پانی بہم نہیں پہنچتا۔ اگرچہ نواح میں چند اینٹوں کے کنوئیں موجود ہیں۔ لیکن تمام مصفا پانی چند میل کے فاصلہ سے لایا جاتا ہے۔ پانی مشکوں اور پکھالوں میں بھر کر اونٹ یا گدھوں کی پیٹھ پر لاد کر شہر میں لاتے ہیں۔

ان کنوؤں کے نزدیک ڈاکٹر احمد کی رہنمائی میں میں نے ایک خوشگوار دوپہر ایک خوبصورت باغ میں بسر کی۔ یہ ایک متمول عرب کی ملکیت ہے جس نے گورنمنٹ عثمانیہ سے فراہمی ٹیکس کا اجارہ لینے سے بہت دولت پیدا کی ہے۔ اگرچہ اجارہ لینے کا اصول منسوخ گیا

شخص کے ہاتھ میں ہو۔ تو وہ رعایا کو خوب لوٹتا ہے۔ چنانچہ باغ مذکور اس امر کا صاف ثبوت تھا۔ کہ بوڑھا عرب خوب دولتمند ہے۔ قصبہ سے سڑک ریتلی گلیوں اور کھجوروں کے درختوں میں سے گذر کر ایک کھلے ریگستان میں پہنچتی ہے۔ ایک میل آگے جانے پر کنوؤں تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور سبز درخت جنکے سر سے چار دیواری کے اوپر سے دکھائی دیتے ہیں ریگستان کی وحشت کو دور کرتے ہیں۔

ہمارے پہنچتے ہی فوراً باغ کا دروازہ کھولدیا گیا۔ ہم گویا بہشت میں داخل ہوگئے۔ یہ دیوار سے محدود باغ کئی ایکڑوں کا تھا۔ اسمیں طرح طرح کے درخت لگے ہوئے تھے جو کہتے ہیں کہ مالک نے منطقہ حارہ کے تمام ممالک سے جمع کئے ہیں آبپاشی رہٹ اور کنوئیں کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ کنوئیں کے پانی کی چھوٹی چھوٹی ندیاں ہر طرف رواں دواں ہیں بڑے بڑے درختوں کے سایئے میں گرمائی مکانات بنائے گئے ہیں جنپر طرح طرح کے پھولوں کی بیلیں چڑھائی گئی ہیں۔ ان مکانات کے اندر بلند مسندیں لگی ہیں۔ ٹھنڈے سایئے میں بیٹھکر نظارہ گل کا بخوبی لطف اٹھایا جاسکتا ہے۔ درختوں پر بکثرت طائر اور پرندے چہچہاتے تھے پھولوں کی خوشبو اور پرندوں کے بولنے اور اڑنے میں پروں کے پھڑپھڑانے سے نمونۂ بہشت معلوم ہوتا تھا۔

چاند کی روشنی میں ہم دیر تک وہاں بیٹھے رہے یہانتک کہ خنک شبنم نے بتایا کہ اب زیادہ محفوظ جگہ ڈھونڈنے کی ضرورت ہے باوجود ان تمام خوبصورتیوں کے باغ مذکور میں کسی نہ کسی قسم کا زہر مخفی ہے۔ چنانچہ اسکی سیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری تمام پارٹی کو بخار میں مبتلا ہونا پڑا۔

یونانیوں کے سوا بہت کم یورپین حدیدہ میں رہتے ہیں۔ برٹش والس کی بیوی ہی صرف ایک انگلش لیڈی ہے۔ جو وہاں سکونت پذیر ہے ہندوستانیوں سے قطع نظر مالٹا کا ایک جنٹلمین نظر آیا۔ جو برٹش رعایا سے تھا۔ یہ ایک انگریزی تجارتی کوٹھی کا ایجنٹ ہے۔ چند امریکن بھی موجود ہیں۔ جو بکثرت چمڑا امریکہ کو بھیجتے ہیں۔ دیگر اقوام کے شاید نصف درجن آدمی ہونگے۔

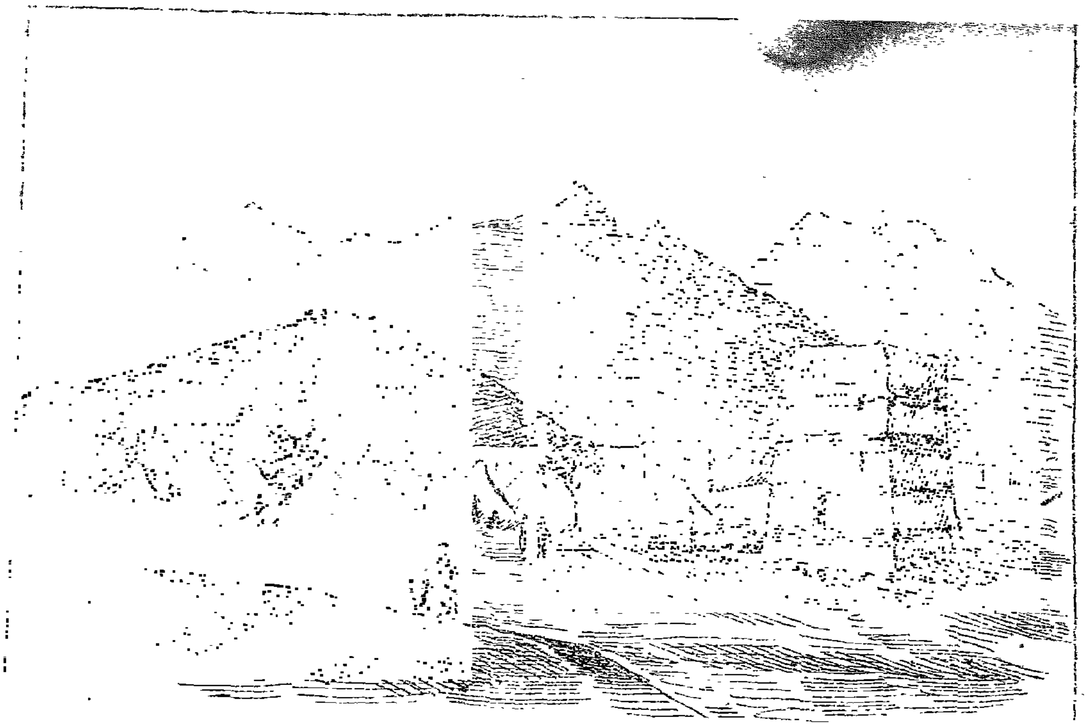

میرے دوران قیام میں ایک چھوٹا سا ترکی
نام مجھے معلوم نہوا مجھسے ملنے آیا۔ یہ بحری کالج قسطنطنیہ کا تعلیم یافتہ تھا، اور جہازی زندگی سے
اُکتا گیا تھا تنخواہ کی بیقاعدگی اس کبیدگی کو اور بھی بڑھانیکا موجب ہے۔ اسنے کہا کہ میں ان کے
بہت سے ترکی سپاہیوں سے اسبارہ میں اچھا ہوں۔ کہ انہیں مطلق تنخواہ نہیں ملتی۔ اگرچہ حدیدہ میں
سپاہیونکی حالت خوراک لباس کے لحاظ سے نسبتاً اچھی نظر آئی، حالانکہ اندرونی ملک میں انہیں ننگا
اور پاؤں سے برہنہ پایا گیا۔ انہیں صرف دو روٹیاں روزانہ ملتی تھیں۔ انہیں سے ایک آدھ کھا لیتے تھے
دوسری کا تمباکو سے تبادلہ کر لیتے تھے اگر کسی سپاہی کو ایک یا دو پیاسٹر دیدو۔ تو سچے دل سے اسقدر
شکر گذار ہوگا۔ کہ انسان حیران رہجائیگا۔ گویا اس بخشش سے وہ قلیل سامان تعیش سگریٹ و
قہوہ خرید سکیگا جنکے لئے اسکا دل تڑپ رہا ہے۔

سات روز بخار میں کم و بیش مبتلا رہنے کے بعد میری خوش قسمتی سے ایک سٹیمر بندرگاہ میں
پہونچگیا۔ اسطرح مجھے عدن جانیکا موقع ملگیا۔ بندرگاہ پر پہنچے ڈاکٹر احمد کو خدا حافظ کہا۔ اور
اسکے سہارے سے کشتی میں سوار ہوکر تقریباً ایک گھنٹہ میں انگریزی جہاز پر پہنچا۔ اور حدیدہ
کی خاک پاؤں سے جھاڑ دی۔

چند روز کے بحری سفر کے بعد۔ واپس عدن پہنچگیا۔ خوبی قسمت سے اس روز وہاں [illegible]
جسدن بحیرہ احمر کے بندرگاہوں سے قرنطینہ اٹھا دیا گیا تھا۔ پس میں بجائے سات روز کے صرف
نصف گھنٹہ حیدرآباد نامی جہاز پر زیر نگرانی رہا۔

یہاں تمام دوستوں نے جس تپاک سے مجھے خیر مقدم کہا۔ وہ انکی دلی شفقت و عنایت
کا ثبوت تھا۔ سوانح یمن کو سنکر انہوں نے خوب قہقہے لگائے۔

میرے سفر کے خاتمہ کے ساتھ ہی سفرنامہ بھی ختم ہوتا ہے یمن کو چھوڑے ایک سال کا
عرصہ گذر گیا ہے تاہم اسکی تمام باتیں مجھے ایسی اچھی طرح یاد ہیں۔ گویا یہ کل کا واقعہ ہے جبکہ
میں قلم کو ہاتھ سے رکھ رہا ہوں۔ دلمیں ریگستان کے سفر کا خیال آتا ہے۔ جیسا کہ بیشمار ستارے
چمک رہے ہیں۔ اور میں شیریں جنوبی نسیم سحری کو اپنے رخساروں سے مس کرتے ہوئے محسوس
کر رہا ہوں میں پھر دیکھتا ہوں کہ ہمارا چھوٹا سا گروہ کسی خشک نالے یا غار میں چھپ رہا ہے

اور کوہستان کی خوفناک سڑک پہ رات کو بکمال خرم و احتیاط سفر کر رہا ہے۔ پھر ایک غیر معلوم دوست کی بدولت میری جان ضائع ہونے سے محفوظ رہی۔ اور مجھے رات کو بیت بھاگنا پڑا۔ ایکدفعہ اور (لیکن اس موقعہ پر مسکراہٹ کیساتھ) میں نے پانچ روز صنعاء کے گارد روم میں قیدیوں کی طرح کاٹے ہیں شبانہ روز کے بخار کے تصور سے کانپ اٹھتا ہوں۔ ان تمام باتوں پر بھی ملک کی یاد ہمیشہ میرے دل میں تازہ رہیگی۔ باوجود تمام مصائب، علالت، طویل سفروں قید وغیرہ کے یمن پھر بھی مجھے ایک دلفریب ملک نظر آتا ہے۔

امامان صنعاء کا شجرہ نسب

(حضرت محمدؐ سے آخری تاجدار صنعاء تک)

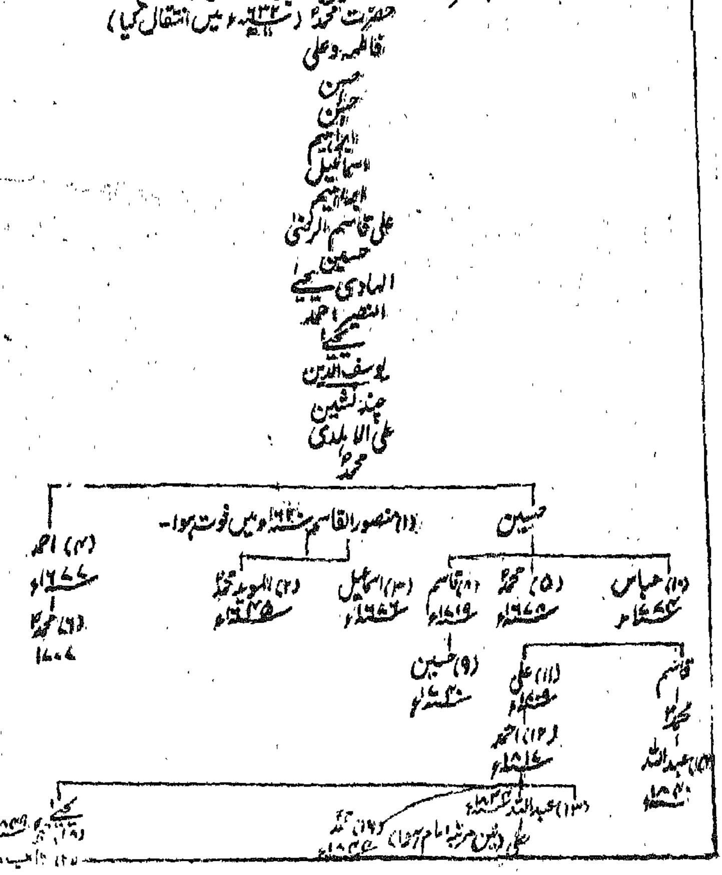
حضرت محمدؐ (سنہ ۶۳۲ء میں انتقال کیا)
فاطمہ و علی
حسن
حسن
ابراہیم
اسمٰعیل
ابراہیم
علی قاسم الرّسی
حسین
الہادی یحییٰ
الناصر احمد
یحییٰ
یوسف الدین
جند نشین
علی الابلدی
محمد
حسین
(۱) منصور القاسم سنہ ۱۶۲۰ء میں فوت ہوا۔
(۴) احمد
سنہ ۱۶۸۱ء
(۶) محمد
۱۷۰۷
(۲) المؤید محمد
سنہ ۱۶۴۵ء
(۳) اسمٰعیل
سنہ ۱۶۷۶ء
(۸) قاسم
سنہ ۱۷۱۹ء
(۵) محمد
سنہ ۱۷۲۷ء
(۱۰) عباس
سنہ ۱۷۷۵ء
(۹) حسین
سنہ ۱۷۴۸ء
(۱۱) علی
سنہ ۱۸۰۹ء
(۱۲) احمد
سنہ ۱۸۱۶ء
قاسم
محمد
(۷) عبداللہ
سنہ ۱۸۳۵ء
(۱۳) عبداللہ سنہ ۱۸۳۵ء
(۱۴) محمد
علی (تین مرتبہ امام بنا)
یحییٰ
(۱۹) سنہ ۱۹۴۸ء

امامانِ صنعاء کی فہرست

فہرست ذیل نیبھر کے نقشہ سے لی گئی ہے۔ جسے سر ایل پلے فیر نے بھی دیسی اسناد سے ایک دو اصلاحوں کے بعد تاریخ یمن میں اقتباس کیا ہے۔

(۱) منصور القاسم الکبیر
(۲) المؤید محمدؐ
(۳) اسماعیل المتوکل علی اللہ
(۴) احمد المجید باللہ
(۵) محمدؐ المہدی ہادی
(۷) محمدؐ الناصر
(۸) قاسم المتوکل
(۹) حسین المنصور
(۱۰) عباس المہدی
(۱۱) علی المنصور
(۱۲) احمد المتوکل
(۱۳) عبداللہ المہدی
(۱۴) علی المنصور
(۱۵) عبداللہ الناصر
(۱۶) محمدؐ الہادی
(۱۷) علی المنصور
(۱۸) محمدؐ المتوکل
(۱۹) علی المنصور
(۲۰) غالب الہادی سنہ ۱۸۵۹ء میں زندہ تھا۔

نوٹ

ساتویں امام محمدؐ ابن حسن آباؤ اجداد کی تحقیق نہیں ہوئی۔ یہ سنہ ۱۷۰۸ء میں انتقال کر گیا۔

نمبروں کے سلسلہ سے مسند نشینی ظاہر ہوتا ہے۔ اور سنین نے اغلبًا تاریخ وفات۔

ابتدائی سلاطین لحج کا شجرہ نسب

سلیم

صالح

فضل

علی

(۱) فضل (۱۷۲۸ء)

پہلا آزاد سلطان

(۲) عبدالکریم ۱۷۴۲ء

(۵) احمد (۱۷۹۲ء) (۴) فضل (۱۷۷۵ء) (۳) عبدالہادی (۱۷۵۳ء)

(۶) محسن (۱۸۲۷ء)

(۸) علی (۱۸۴۹ء) (۷) احمد (۱۸۴۷ء)

(حسب تحریر پہلے فیر سنین مندرجہ سے سلاطین کا سنہ جلوس

مراد ہے) ٭

تمام شد